ماہنامہ

خالد

مؤرخ احمدیت نمبر

اگست / ستمبر 2010ء



حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد (1927ء تا 2009ء)

ارشادات عالیہ

فرمان الٰہی

''وہی اللہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔غیب کا جاننے والا ہے اور حاضر کا بھی۔وہی ہے جو بن مانگے دینے والا، بے انتہا رحم کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔''

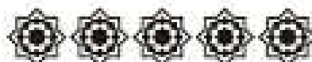
(ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سورۃ الحشر آیت نمبر 23)

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا:۔

(ترجمہ): ''اے اللہ تجھے اس پاک وطیب، برکت والے اور سب سے پیارے نام کا واسطہ کہ جس کا نام لے کر تجھے پکارا جائے تو تو دعا قبول کرتا ہے اور جب اس نام کے ساتھ تجھ سے مانگا جاتا ہے تو تو عطا کرتا ہے۔اور جب اس نام کے ساتھ تجھ سے رحمت طلب کی جاتی ہے تو تو رحم فرماتا ہے اور اس نام کے واسطہ سے تجھ سے مشکل کشائی کا تقاضا کیا جاتا ہے تو تو مشکل دور فرماتا ہے۔''

(ابن ماجہ، کتاب الدعاء)



ملفوظات حضرت اقدسؑ

ایک پاک ،فدائی اور وفادار جماعت کا قیام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’ہزار ہا انسان خدا نے ایسے پیدا کئے کہ جن کے دلوں میں اس نے میری محبت بھر دی۔بعض نے میرے لئے جان دے دی اور بعض نے اپنی مالی تباہی میرے لئے منظور کی اور بعض میرے لئے اپنے وطنوں سے نکالے گئے اور دکھ دیے گئے اور ستائے گئے۔ اور ہزار ہا ایسے ہیں کہ وہ اپنے نفس کی حاجات پر مجھے مقدم رکھ کر اپنے عزیز مال میرے آگے رکھتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کے دل محبت سے پر ہیں اور بہتیرے ایسے ہیں کہ اگر میں کہوں کہ وہ اپنے مالوں سے بکلی دستبردار ہو جائیں یا اپنی جانوں کو میرے لئے فدا کریں تو وہ تیار ہیں۔

جب میں اس درجہ کا صدق اور ارادت اکثر افراد اپنی جماعت میں پاتا ہوں تو بے اختیار مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اے میرے قادر خدا درحقیقت ذرہ ذرہ پر تیرا تصرف ہے۔تو نے ان دلوں کو ایسے پر آشوب زمانہ میں میری طرف کھینچا اور ان کو استقامت بخشی۔ یہ تیری قدرت کا نشان عظیم الشان ہے۔‘‘

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 240-239)



کلام الامام

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا ذکر خیر

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 2009ء میں فرمایا:

''اس کے بعد اب میں حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا کچھ ذکر خیر کروں گا۔ جن کی دو دن پہلے وفات ہوئی ہے۔(...)۔ آپ جماعت کے چوٹی کے عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرماتا چلا جائے۔ آپ مؤرخ احمدیت کہلاتے تھے۔ تاریخ احمدیت آپ نے لکھی ہے جس کی 20 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ صرف مؤرخ احمدیت نہیں تھے بلکہ آپ تاریخ احمدیت کا ایک باب بھی تھے اور ایک ایسا روشن وجود تھے جو احمدیت یعنی (دین حق) کی روشنی کو ہر وقت جب بھی موقع ملے دنیا میں پھیلانے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ آپ کا حافظہ بلا کا تھا اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا بلکہ کئی لوگوں نے مجھے لکھا بھی کہ آپ ایک انسائیکلو پیڈیا ہیں کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ بھی یہ کہہ چکے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی کہا ہے لیکن میں ان کو یہی کہا کرتا تھا کہ وہ تو ایک انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ اب جب میں نے پڑھا تو مجھے پتہ لگا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی ان کے بارے میں یہ یہی فرمایا تھا کہ وہ ایک انسائیکلو پیڈیا تھے۔ پرانے بزرگوں، اولیاء اور مجددین کے حوالے بھی ان کو یاد ہوتے تھے۔ بڑا گہرا مطالعہ تھا اور نہ صرف حوالے یاد ہوتے تھے بلکہ کتابیں اور اس کے صفحے تک یاد ہوتے تھے۔ بعض لوگوں نے مجھے خطوط میں ان کی بعض ذاتی خوبیاں بھی لکھی ہیں۔ ان کے بارہ میں کچھ معلومات میں نے ان کے بیٹے کے ذریعہ سے بھی لی ہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا وہ تاریخ احمدیت کا بھی ایک باب تھے۔

سب کچھ تو یہاں بیان نہیں ہو سکتا۔ چند باتیں میں ان کے بارے میں بیان کروں گا۔ بہت ہی بے نفس اور اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ دین کی خاطر صرف کرنے والے بزرگ تھے۔ واقف زندگی تھے۔ خلافت سے انتہا کا تعلق تھا۔ بہت بزرگ اور دعا گو تھے۔ مجھے کسی نے لکھا کہ جب بھی کسی نے ان کو دعا کے لئے کہا تو ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ مجھے دعا کے لئے نہ کہو۔ دعا کے لئے لکھنا ہے تو خلیفۃ المسیح کو لکھو۔

عاجزی میں بے انتہا بڑھے ہوئے تھے، کوئی بھی نئی چیز جب مطالعہ میں آتی تھی تو مجھے بھی متعلقہ صفحات کی فوٹو کاپیاں کر کے بھیجا کرتے تھے۔ ایک ایسے عالم تھے جو یقیناً ایک عالم باعمل کہلانے کے حقدار تھے۔ اور جیسا کہ میں نے کہا بڑے بے نفس کارکن۔ ایک ایسے سلطان نصیر کے جانے سے طبعاً فکر بھی پیدا ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خلافت کو سلطان نصیر عطا فرماتا چلا جائے گا۔

ایک لکھنے والے ہمارے مبشر ایاز صاحب ہیں انہوں نے مجھے لکھا کہ ان کے ساتھ جب میٹنگز اٹینڈ (Attend) کرتے تھے ان کا وجود ایک عجیب عشق میں ڈوبا ہوا وجود لگتا تھا کہ جس طرح قطب نما کی سوئی ہمیشہ شمال کی جانب رہتی ہے اسی طرح ان کی سوچ کا محور بھی ہمیشہ خلافت کی طرف رہتا تھا۔

بڑے بڑے حوالوں اور فتاویٰ کو پرکاہ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب خلیفۃ المسیح نے یہ کہہ دیا تو فلاں کے حوالے کی اور فلاں کے قول کی کیا اہمیت ہے۔

پھر ایک مربی صاحب نے مجھے لکھا کہ سعودی عرب کے امیر صاحب آئے تو انہوں نے کہا کہ ہم نے وہاں کی تاریخ احمدیت مرتب کرنی ہے۔ مولانا دوست محمد شاہد کے پاس چلتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے دفتر میں گئے تو انہوں نے آدھے گھنٹے میں سارے حوالے وغیرہ دے کے پوری تاریخ بیان کردی اور فوٹو کاپیاں بھی کروا کر ان کو دے دیں۔ جیسا کہ مَیں نے بتایا کہ بہت بلا کا حافظہ اور حوالوں کے بادشاہ تھے۔ جماعتی اموال کا بھی بڑا درد تھا ان کو۔ ایک صاحب نے لکھا کہ مَیں کسی حوالے کے لئے ان کے دفتر میں گیا۔ تو انہوں نے مجھے بتایا اور حوالہ میرے سامنے کردیا تو مَیں نے ان کی میز سے قلم اٹھا کر لکھنا شروع کیا۔ پہلے قلم لیا، پھر کاغذ لیا تو انہوں نے قلم اور کاغذ دونوں مجھ سے لے لئے کہ تم یہاں ذاتی استعمال کے لئے حوالہ لینے آئے ہو، اپنا قلم استعمال کرو اور اپنی نوٹ بک استعمال کرو۔

پھر محمود ملک صاحب نے مجھے یہ لکھا کہ ان کے والد عبدالجلیل عشرت صاحب کے یہ دوست تھے۔ ایک دفعہ یہ لاہور کے دورہ پہ گئے تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ میں آ نہیں سکتا تو یہاں آ جائیں تو دوستی کی وجہ سے ذاتی تعلق کی وجہ سے چلے گئے، وہ رکشے پہ ان کو لے کے گئے۔ مولوی صاحب نے رکشہ کا کرایہ ادا کرنے کی کوشش کی۔ خیر انہوں نے اس وقت تو دے دیا۔ اگلے دن وہاں (بیت) دارالذکر میں جانا تھا تو انہوں نے کہا کہ جا کے ٹیکسی لے کے آؤ اور ٹیکسی کا کرایہ بھی مَیں ادا کروں گا، کیونکہ مجھے مرکز ٹیکسی کا کرایہ دیتا ہے اور مرکز چاہتا ہے کہ ہمارے علماء کی عزت رہے۔ اس لئے مَیں رکشے پہ نہیں بیٹھوں گا اور ٹیکسی پہ جاؤں گا۔ تو یہ صرف اطاعت نہیں تھی۔ اس سے بہت سے سبق ملتے ہیں کہ جو جس چیز کا اینٹائٹلمینٹ (entitlement) ہے، جس چیز کا مرکز نے کہا ہے کہ آپ نے استعمال کرنا ہے، اس کو استعمال بھی کرنا تاکہ کسی بھی قسم کی اطاعت سے باہر نہ نکل سکیں۔ اور دوسرے علماء کا جو وقار ہے اس کا بھی احساس رہنا۔

آپ کی وفات جیسا کہ مَیں نے بتایا دو دن پہلے 26/ اگست کو ہوئی ہے۔ آپ 1935ء میں مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل ہوئے تھے اور 1944ء میں جامعہ کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ 1946ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل پاس کیا اور تیسری پوزیشن لی۔ آپ کا جماعتی خدمات کا عرصہ 63 سال پر محیط ہے۔ 1952ء میں حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) کے ارشاد پر الفضل میں "شذرات" کے نام سے لکھنا شروع کیا۔ بڑا لمبا عرصہ یہ چلتا رہا۔ 1953ء میں حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) نے آپ کو تاریخ احمدیت مدوّن اور مرتب کرنے کے لئے فرمایا۔ اس کی 20 جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور باقی بھی 2004ء تک مکمل ہیں اور اس کے بعد نوٹس بنا کے چھوڑ گئے ہیں۔ آپ کا ایک بیٹا ہے ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب۔ فضل عمر ہسپتال میں ہیں اور پانچ بیٹیاں ہیں۔

ان کے خاندان میں احمدیت اس طرح آئی کہ ان کے ایک عزیز حضرت میاں محمد مراد صاحب حافظ آبادی تھے۔ بڑے نیک بزرگ تھے، وہ احمدی ہوئے۔ حضرت مولوی صاحب کے دادا کو جب پتہ لگا تو انہوں نے ان پر بڑا

ظلم کیا اور اتنا مارا کہ بعض دفعہ تو بہت زیادہ۔ شدید زخمی کر دیا کرتے تھے۔ تو میاں مراد صاحب نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے تین عقلمند بیٹے ضرور احمدی ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب کے پڑدادا جو تھے اس پر اور بھی مشتعل ہو گئے اور زیادہ سخت سزائیں دیں۔

اس بارہ میں مولوی صاحب نے ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ جابہ نخلہ ایک چھوٹی سی جگہ ہے جو حضرت مصلح موعود نے آباد کی تھی، گرمیوں کے لئے آپ ان دنوں میں وہاں تفسیر صغیر کی تالیف فرما رہے تھے۔ مولوی صاحب بھی ان دنوں میں وہاں گئے لیکن وہاں جانے سے پہلے وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے دادا کے پاس خانقاہ ڈوگراں کے قریب گاؤں میں گیا۔ ان کی زندگی کے آخری دن تھے۔ تو وہ کہنے لگے اپنے خلیفہ صاحب کو میرا ایک پیغام دے دینا کہ میرے چھ بیٹے ہیں، جن میں سے تین بچے جن میں سے ایک حافظ قرآن ہے اور دوسرے دو بہت عقلمند اور صاحب علم ہیں تمہارے خلیفہ صاحب نے مجھ سے چھین لئے ہیں اور باقی جو تین ان پڑھ یا معذور ہیں میرے حوالے کر دیئے ہیں۔ اگر انہوں نے گنتی پوری کرنی ہے تو جو یہ تین معذور ہیں یہ لے لیں اور جو پڑھے لکھے ہیں وہ مجھے واپس کر دیں۔

تو کہتے ہیں جب میں جابہ نخلہ گیا تو حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) سے ملاقات ہوئی۔ میں نے یہ بات عرض کر دی۔ حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) نے جب یہ پیغام سنا تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ اپنے دادا کو میرا پیغام پہنچا دیں کہ مجھے بیٹوں کا تبادلہ بڑی خوشی سے منظور ہے۔ آپ اپنے غیر احمدی بیٹے جو ہیں میرے حوالے کر دیں اور جو آپ کے احمدی بیٹے ہیں ان کو میری طرف سے اجازت ہے اگر وہ احمدیت چھوڑ کے آپ کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں تو چلے جائیں۔ تو کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا کو آ کے یہ پیغام دیا۔ تو کہتے ہیں آپ کے خلیفہ صاحب بڑے ہوشیار ہیں ان کو پتہ ہے کہ انہوں نے مرزائیت نہیں چھوڑنی اور اس پر بڑے روئے اور چلائے بھی۔ حضرت مولوی صاحب کی والدہ بھی 1949ء میں ایک رؤیا کی بنا پر احمدیت میں شامل ہوئی تھیں۔

1951ء میں جامعۃ المبشرین کی پہلی کامیاب ہونے والی شاہد کلاس میں آپ شامل تھے اور اس کی الوداعی پارٹی میں حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) نے بھی شرکت فرمائی اور جو جوابی ایڈریس حضرت مولوی صاحب نے پیش کیا اس پر حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) نے بڑی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ آپ نے جامعۃ المبشرین سے شاہد کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد جماعت اسلامی پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس کا عنوان بھی خود حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) نے تجویز فرمایا تھا اور حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) کی راہنمائی میں ہی آپ نے یہ مضمون لکھا اور حضرت امیر مینائی کے جانشین اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے (رفیق) حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری نے مختلف وقتوں میں ان کی راہنمائی بھی فرمائی۔ جیسا کہ میں نے کہا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے 1953ء میں آپ کے سپرد تاریخ احمدیت کی تدوین کا کام کیا تھا جس کی 20 جلدیں مکمل ہو چکی ہیں اور خلافت خامسہ کی تاریخ کا کام بھی جاری ہے۔ 40 سے زائد آپ کی تالیفات ہیں جو مختلف موضوعات پر چھپ چکی ہیں اور بعضوں کا مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

بڑی ہی علمی ادبی شخصیت تھے اور روایتی رکھ رکھاؤ والے آدمی تھے۔اور تحریر وتقریر میں ایک خاص ملکہ تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو آواز بھی خوب دی تھی۔1974ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی قیادت میں جو نمائندہ وفد اسمبلی میں گیا تھا وہاں اس وفد میں حضرت مولوی صاحب بھی شامل تھے۔آپ اس وفد کے آخری رکن تھے جن کی وفات ہوئی ہے۔ وہاں بھی معلومات اور حوالوں کی فراہمی کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی اور آپ جب بھی حوالے نکال کر دیتے تھے تو ممبران اسمبلی بڑے حیرت زدہ ہو جایا کرتے تھے۔ بلکہ وہاں اس دوران میں ایک دفعہ ایک ممبر اسمبلی نے بڑی حیرانی کا اظہار بھی کیا کہ ہمارے علماء کو حوالے نکالنے کی ضرورت پڑتی ہے تو کئی کئی دن لگ جاتے ہیں اور مصیبت پڑ جاتی ہے۔ان مرزائیوں کا یہ چھوٹا سا مولوی ہے، یہ پتہ نہیں پندرہ منٹ میں حوالے نکال کے لے آتا ہے۔

جلسوں میں بھی آپ کو بڑا لمبا عرصہ تقریر کرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔1957ء کے جلسہ میں آپ نے شبینہ اجلاس میں پہلی بار تقریر کی اور 1958ء میں آپ کی یہ تقریر شائع ہوئی اور اس کو حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) نے اتنا پسند فرمایا کہ شوریٰ میں خاص طور پر اس کا ذکر فرمایا۔ ریسرچ سیل میں بھی کام کیا۔ قاضی کے طور پر بھی کام کیا اور وفات تک آپ مجلس شوریٰ پاکستان کے ممبر رہے اور آپ کو بحیثیت نمائندہ خصوصی اور اعزازی ممبر جو خلیفۃ المسیح کی طرف سے منتخب ہوتا ہے شرکت کا موقع ملا۔

اور 1992ء۔1993ء میں کیمبرج کے مشہور بین الاقوامی ادارہ انٹرنیشنل بائیو گرافیکل سنٹر نے آپ کو مین آف دی ائر (Man of the Year) کا اعزاز بھی دیا تھا اور یہ جو اعزاز ہے ایسی خاص علمی شخصیات کو دیا جاتا ہے جن کی صلاحیتوں کامیابیوں اور قیادت کا عالمی سطح پر اعتراف کیا جاتا ہے۔1994ء میں بھارت کے صوبہ تامل ناڈو کے شہر کوئمبے ٹور (Coimbatore) میں جماعت احمدیہ اور جماعت اہل قرآن وحدیث کے مابین ایک مناظرہ ہوا۔ یہ مناظرہ وہاں کے ایک ہوٹل کے وسیع ہال میں ہوا تھا۔ 9 روز تک جاری رہا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے کہنے پر آپ وہاں گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی آپ کو فتح سے نوازا اور آپ نے جماعت احمدیہ کی خوب نمائندگی کی۔اور اس دوران جب آپ وہاں تھے آپ کی ایک بیٹی کی شادی بھی ہوئی جس میں آپ شامل نہیں ہوئے بلکہ دو بیٹیوں کی شادیاں اس صورت میں ہوئیں کہ آپ دوروں پر ہوتے تھے اور اس دن پہنچتے تھے جس دن شادی تھی۔ اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی کہ میرے ذاتی کام کیا ہیں۔

1982ء میں آپ کو اسیر راہ مولیٰ بننے کا بھی اعزاز حاصل ہوا۔ چند روز آپ ربوہ کی حوالات میں رہے۔ اپریل 1988ء میں دوبارہ ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں آپ کو قید کر کے رکھا گیا۔ پھر 1990ء میں جج نے آپ کی ضمانت منسوخ کر دی اور دو دو سال قید بامشقت اور پانچ پانچ ہزار روپے جرمانہ کی آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو سزا دی گئی۔ بہر حال کچھ عرصہ کے بعد پھر یہ ضمانت پر رہا ہو گئے۔ جیل میں بھی آپ نے درس قرآن اور (دعوت الی اللہ) کا سلسلہ جاری رکھا۔

مولوی صاحب اپنا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہتے ہیں کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر جب میں نے دو ہفتہ کے لئے اپنا بستر رات کو اپنے معمول کے مطابق دفتر میں ہی بچھا رکھا تھا۔ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے فون کے لئے منتظر بیٹھا تھا تو اتنے میں ثاقب زیروی صاحب جو ''لاہور'' کے ایڈیٹر تھے وہ آئے۔ انہوں نے کہا میں ابھی حضور سے مل کے آرہا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو فرمایا کہ ابھی فون کر کے فلاں فلاں جو حوالہ ہے وہ مولوی صاحب سے کہو بھجوا دیں۔ تو ثاقب صاحب کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ ابھی رات ہو گئی ہے، اب کہاں مولوی صاحب ملیں گے۔ تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ اپنے دفتر شعبہ تاریخ میں اس وقت بیٹھے ہوں گے۔ ثاقب صاحب نے کہا کہ میں صرف چیک کرنے آیا ہوں کہ واقعی آپ دفتر میں ہیں کہ نہیں۔ تو دن رات آپ کا یہ کام تھا کہ خدمت دین میں مصروف رہیں۔

خلیفہ وقت کی طرف سے جب بھی کوئی کام آجاتا خواہ رات کے دو بجے ہوتے، اسی وقت اٹھ کر کام شروع کر دیتے اور کام مکمل ہونے تک پھر اور کوئی کام نہیں کرتے تھے اور نہ آرام کرتے تھے، بلکہ کہا کرتے تھے کہ میں کوئی اور کام کرنا جائز ہی نہیں سمجھتا۔ ڈاکٹر مبشر صاحب نے بتایا کہ وفات سے چند روز پہلے انہوں نے کہا کہ مجھے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی آواز آئی ہے کہہ رہے ہیں۔ السلام علیکم۔ بہرحال واپسی کے اشارے ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر سلطان مبشر نے ہی یہ لکھا ہے کہ کوئی بھی پریشانی ہوتی تو سب سے پہلے کہتے کہ خلیفہ وقت کو دعا کے لئے لکھو۔ پھر صدقہ دو اور پھر درود شریف اور استغفار کثرت سے پڑھو۔ اور آپ کا عربی و فارسی، انگلش کا مطالعہ بڑا وسیع تھا اور نہ صرف مطالعہ کرتے تھے بلکہ پڑھتے وقت جلد پر پوائنٹس اور نشان بھی لگاتے تھے اور پھر اس کے باہر پوائنٹس نوٹ کرتے جاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ کتابیں ہمیشہ خود خریدو اور پڑھو تو انہوں نے ہمیشہ اس کو اپنے پلے باندھا۔ ان کی گھر میں اپنی لائبریری تھی جس میں آٹھ ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ جب بھی کبھی ربوہ سے باہر جاتے تھے، خلیفۃ المسیح کے ہوتے ہوئے تو خیر اجازت لینی ہوتی ہے، بعد میں امیر مقامی کی اجازت کے بغیر باہر نہیں نکلتے تھے اور جب جماعتی کاموں کے لئے جاتے تھے تو بعض دفعہ بلکہ اکثر ہی اپنے عزیزوں کو نہیں ملتے تھے۔ ان کی بیٹیاں لاہور میں رہتی تھیں۔ کبھی لاہور دورے پہ گئے ہیں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ بیٹیوں کو ملیں بلکہ بعض دفعہ بیٹیوں کو ان کے واپس پہنچنے پر پتہ چلا کرتا تھا اور اگر کبھی ملنا پڑ جائے تو امیر صاحب کی اجازت سے ان کو ملنے جایا کرتے تھے۔ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ میں خلیفہ وقت کا سپاہی ہوں اور سپاہی اپنا مورچہ نہیں چھوڑتا۔ جمعہ کے دن بھی انہوں نے کبھی چھٹی نہیں کی۔ ربوہ میں جمعہ کو دفتروں میں رخصت ہوتی ہے، آپ ہمیشہ کام کیا کرتے تھے، چھٹی کا تصور ہی کوئی نہیں تھا۔

بڑا سادہ لباس ہوتا تھا لیکن صاف ستھرا اور نظافت تھی، روزانہ نہانا، خوشبو لگانا۔ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ جماعت کے نمائندے کو جماعت کے وقار کا پاس رکھنا چاہئے اور ظاہری حلیہ بھی ٹھیک رکھنا چاہئے۔ اور واقف زندگی کرکے بہت مشکل حالات بھی آئے، کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا اور نہ کہیں اشارۃً کنایۃً اپنی غربت کا، اپنی ضرورت کا اظہار کیا۔ بلکہ ڈاکٹر سلطان مبشر لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میری والدہ نے ذکر کیا کہ فلاں عالم جو ہیں ان کو مخیّر دوست کی

طرف سے وظیفہ ملتا ہے۔ آپ بھی اگر کوشش کریں تو یہ ہوسکتا ہے۔ حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ بے شرمی نہیں کرسکتا اور آپ کا یہ کہنا تھا کہ میں جائز نہیں سمجھتا کہ خدا کے علاوہ کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔ ایک دفعہ چند مربیان آپ کے پاس آئے کہ اس کاغذ پر دستخط کردیں جس پر لکھا ہوا تھا کہ تحریک جدید کے (مربیان) کو زیادہ الاؤنس ملتا ہے اور صدر انجمن احمدیہ کے (مربیان) کو، کارکنان کو کم تو اس پر نظر ثانی ہونی چاہئے۔ تو آپ نے کہا میں تو اس پر دستخط نہیں کروں گا کیونکہ میں تو ایک واقف زندگی ہوں، جو جماعت مجھے دے گی وہ بصد شکریہ قبول کروں گا اور یہ بھی جماعت کا شکر ہے کہ ہم سے لینے کا مطالبہ نہیں کرتی بلکہ کچھ نہ کچھ دے دیتی ہے۔ کبھی خلفاء کو بھی ذاتی ضرورت کے لئے نہیں لکھتے تھے، کبھی حرف شکایت منہ پر نہیں لائے۔

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو ضرورت پڑی۔ آپ نے کہا مولوی صاحب کو بلوا کے لاؤ۔ تو ہر جگہ تلاش کرلیا۔ لائبریری میں، دفتر میں بھی، گھر میں بھی، کہیں بھی نہیں ملے۔ عصر کی نماز پہ جب آئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے پوچھا کہ تلاش کر رہا ہوں کہاں تھے؟ انہوں نے کہا میں لائبریری میں تھا، مسئلہ یہ ہے کہ لائبریری کا کارکن باہر سے تالہ لگا کے چلا گیا تھا اور مجھے اندر جانا تھا۔ بجائے اس کے کہ میں وقت ضائع کرتا میں دیوار پھلانگ کے اندر چلا گیا اور اندر بیٹھا کام کر رہا تھا۔ تو یہاں بھی اپنا فرض ادا کیا اور بڑے طریقہ سے کارکن کی غلطی کی طرف بھی اشارہ کردیا۔

جیسا کہ میں نے بتایا کہ جیل میں بھی رہے ہیں اور جیل میں مشقت لی جاتی تھی۔ لیکن جیل میں جب تک رہے کبھی اظہار نہیں کیا کہ مجھ سے مشقت لی جاتی ہے، میں بڑا پریشان ہوں۔ جب رہائی ہوئی، تب بتایا کہ مجھ سے وہاں مشقت لی جاتی رہی ہے۔ ہر کام خود کرنے کے عادی تھے، کتابوں کی جلدیں بھی خود کرلیا کرتے تھے اور گھر میں جیسا کہ میں نے بتایا کہ لائبریری رکھی ہوئی تھی اس لائبریری کا مقصد بھی یہی تھا کہ رات کے وقت بھی جب بھی کہیں کسی وقت بھی خلیفۃ المسیح کی طرف سے کوئی کام آئے یا حوالے کی تلاش آئے تو فوری طور پر میں مہیا کردوں اور لائبریری کھلنے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

شروع میں سائیکل بھی نہیں تھا۔ ہر جگہ پیدل ہی جایا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے جب میں نے سنا تو مجھے خود یہ خیال آیا تھا۔ جب خدام الاحمدیہ کے اجتماع ہوا کرتے تھے تو ٹی آئی کالج دُور تھا اس کی گراؤنڈ میں، گھوڑ دوڑ گراؤنڈ کہلاتی ہے وہاں تک یہ انجمن کے کوارٹروں سے پیدل چل کر جایا کرتے تھے۔ باوقار چال، پگڑی، کوٹ، ہاتھ میں سوٹی۔ حالانکہ اس وقت خدام الاحمدیہ میں تھے۔ شاید سائیکل نہیں لے سکتے ہوں گے۔ کیونکہ اس وقت جماعت کے حالات ایسے نہیں تھے۔ (مربیان) اور واقفین زندگی کے الاؤنس بھی بہت تھوڑے تھے۔ ان کے بیٹے نے مجھے لکھا کہ واقعی وہ سائیکل نہیں خرید سکتے تھے اس لئے سارے ربوہ میں جہاں بھی جانا ہوتا تھا پیدل ہی پھرا کرتے تھے۔ پھر 79-1978ء میں ان کو دفتر کی طرف سے سائیکل ملی۔

جب بھی خلفاء کی مجلس عرفان میں بیٹھتے تھے تو ہمیشہ گردن جھکا کے بیٹھا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی بھی یہی عادت تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھتے تھے۔

ان کے بیٹے نے لکھا کہ ایک دفعہ حضرت مولوی صاحب بڑے خوش خوش گھر میں آئے ہم نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے انہوں نے کہا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی ملاقات کے لئے گیا تھا تو تھوڑی دیر کے لئے کسی کام سے حضور اندر تشریف لے گئے۔ آپ کی جوتی باہر پڑی تھی تو مجھے اس کو اپنے رومال سے صاف کرنے کا موقع مل گیا۔ اس بات پہ بڑے خوش تھے۔ کسی دوست نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ جس کام کے لئے دنیا میں ادارے بنائے جاتے ہیں وہ اکیلے اس شخص نے کیا۔ 1982ء سے پہلے آپ کے پاس کوئی مستقل مربی بھی نہیں تھا اور اکیلے ہی آپ زیادہ تر تاریخ احمدیت کا کام یا حوالے نکالنے، تلاش کرنے، لکھنے، نوٹس بنانے وغیرہ کا کام کیا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑے کامیاب طریقہ سے ساری تاریخ لکھی۔ لوگ دنیاداری کے لئے تو بعض دفعہ ایسا کرتے ہیں کہ اپنا ویک اینڈ (Weekend) استعمال کرلیتے ہیں، چھٹی پہ بچوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔ بچے کہتے ہیں کہ ہمیں مہینوں یہ پتہ نہیں لگتا تھا کہ کس وقت ہمارے والد گھر آئے اور کس وقت گھر سے چلے گئے۔ جب وہ صبح صبح اٹھ کے چلے جاتے تھے تب بھی ہم سوئے ہوتے تھے اور جب گھر واپس آتے تھے تب بھی ہم سوئے ہوتے تھے۔

یہ واقفین زندگی اور (مربیان) کے لئے بھی ایک تاریخی نصیحت بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ 1965ء میں خلافت ثالثہ کے تاریخ ساز عہد کا پہلا جمعہ تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے مولوی صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ جمعہ کو چھٹی تو ہوتی ہے لیکن مَیں نے تمہیں تکلیف دی ہے تو مَیں نے کہا بڑی خوشی کی بات ہے۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فرمایا کہ تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ جب مَیں نے (حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کہتے ہیں کہ) وقف زندگی کا فارم پُر کیا اور حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج تم نے میرے دل کی پوشیدہ خواہش کو پورا کر دیا ہے۔ مَیں چاہتا تھا کہ تم میری تحریک کے بغیر خود ہی تحریک جدید کے روحانی مجاہدوں میں شامل ہو جاؤ۔ آج میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں مگر یاد رکھو اب تم نے اپنی زندگی وقف کر دی ہے اب مرنے سے پہلے تمہارے لئے کوئی چھٹی نہیں۔ مولوی صاحب کہتے ہیں مَیں نے یہ عرض کی کہ حضور مَیں بھی یہ عہد کرتا ہوں کہ ایک واقف زندگی کی حیثیت سے ہمیشہ دن رات خدمت دین میں مشغول رہوں گا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے آخری وقت تک اس عہد کو نبھایا ہے۔

جب ہسپتال میں داخل ہوئے ہیں تو بڑے شدید بیمار تھے اور جب بھی ذرا کمزوری دُور ہوئی تو جب تک ان کو ہوش رہی ہے (آخری دو چار دن تو بیہوشی کی ہی کیفیت تھی) تو بے چین ہو کر کہا کرتے تھے کہ مجھے ہسپتال سے جلدی فارغ کرو۔ مَیں نے دفتر جانا ہے کیونکہ مجھے خلیفۃ المسیح نے بعض کام سپرد کئے ہوئے ہیں جو مَیں نے فوری انجام دینے ہیں۔ تو انہوں نے آخر دم تک اس عہد کو نبھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرتا جائے اور ان کی اولاد کو بھی ان کی نیکیوں کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان کے جو بیٹے ڈاکٹر سلطان مبشر ہیں وہ بھی واقف زندگی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی حقیقی رنگ میں وقف نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

مَیں جمعہ کے بعد ان کا جنازہ غائب ادا کروں گا۔“

(الفضل انٹرنیشنل 18 ستمبر 2009ء صفحہ 7-9)

پیغام محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

''روشن وجود''

زندہ اقوام کبھی بھی اپنی تاریخ کو بھولا نہیں کرتیں بلکہ اس سے سبق حاصل کر کے مستقبل میں اپنی ترقیات کی راہ کو ہموار کرتی چلی جاتی ہیں۔ کیونکہ تاریخ قوم کی قربانیوں اور تجربات کو آنے والی نسلوں کے لیے تازہ رکھتی ہے اور ان کے لیے مشعلِ راہ بن جاتی ہے۔

جماعتِ احمدیہ کے دوسرے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہ نے آغازِ خلافت سے ہی اپنی خداداد فہم و فراست کی بنا پر اس الٰہی جماعت کی تاریخ کو مرتب کرنے کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ جیسا کہ آپ نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا:

''ہماری جماعت کی تاریخ اب تک غیر محفوظ ہے۔۔۔۔ پس سلسلہ کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تاریخ سلسلہ احمدیہ کے مکمل کرانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے قریب کے زمانہ کی تاریخ مرتب کی جائے گی تا کہ ضروری واقعات محفوظ ہو سکیں۔ سلسلہ کی تاریخ کئی جلدوں میں مکمل ہو گی۔'' (تاریخ احمدیت جلد 17 صفحہ 43-44)

اولاً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہ نے 1953ء کے حالات و واقعات وغیرہ کو محفوظ کرنے کا حکم فرمایا۔ اور بعد ازاں اسی سال جون میں تاریخ سلسلہ احمدیہ کے مرتب کرنے کی ذمہ داری مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو سونپی۔ حضورِ انور نے اس امر کی اہمیت کے پیشِ نظر مکرم مولانا صاحب کو بذاتِ خود اس سلسلہ میں ابتدائی ہدایات سے نوازا۔ اور پرائیویٹ سیکرٹری کے کمرہ ملاقات میں اس شعبہ کا دفتر رکھوایا تا حضورِ انور اس کام کی براہِ راست نگرانی اور رہنمائی فرما سکیں۔ چنانچہ اس فرض کی انجام دہی میں مولانا صاحب اُس وقت سے لے کر اپنی زندگی کے آخری سانس تک خلافتِ احمدیہ کے بابرکت سائے سے برکات و فیوض پاتے رہے۔ اور تاریخ احمدیت کی تدوین کی فرائض کی انجام دہی میں شب و روز مشغول رہے۔

آپ بلاشبہ ایک نہایت مفید وجود تھے۔ نہایت اعلیٰ پائے کے مقرر، مناظر اور علم دوست شخصیت تھے۔ آپ کے تخریج شدہ بعض حوالے جماعتی لٹریچر کا مفید اور مؤثر حصہ بن چکے ہیں۔ اللہ کے فضل سے اپنے کام میں انہماک اور توجہ کے باعث آپ بارہا خلفائے سلسلہ احمدیہ کی خوشنودی اور شفقت سے فیض یاب ہوئے۔ دربارِ خلافت سے کبھی تو آپ کو ''حوالوں کا بادشاہ'' کہا گیا اور کبھی ''شیر'' کے لقب سے نوازا گیا۔ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے آپ کو ''تاریخ احمدیت پر خدا کے فضل سے سند'' قرار دیا۔

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد واقفین زندگی کے لیے بھی ایک بے مثال نمونہ تھے۔ آپ نے ہمیشہ دین کے کاموں کو اپنے ذاتی معاملات پر ترجیح دی۔ جماعتی فرائض کی انجام دہی میں گھر کی خوشی غمی کو بھی پس پشت ڈال دیتے۔ اللہ محض اپنے فضل سے ہمیں بھی نیکیوں کے یہ اسلوب قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے درجات بلند فرماتا چلا جائے۔ آمین



اداریہ

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی ذات کے حوالہ سے کئی بار قلم اٹھا کر لکھنے کی جرأت کی مگر ہر بار یہ سوچ کر قلم ساتھ نہ دیتا کہ وہ انسان جو خود ایک تاریخ تھا، جس کی تمام عمر تاریخ رقم کرنے میں گزری وہ تو اپنے اس تمام تر عظیم کام کی وجہ سے تاریخ میں ہمیشہ کے لیے خود ہی محفوظ ہو گیا ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے ان کے آباء کے سنہری کارناموں کو اس طرز پر مرتب کر گیا ہے کہ آئندہ ہر شخص اس کو پڑھ کر جہاں اپنے بزرگوں کی جرأتوں کو سلام کرے گا اور ان کے لیے دعا کرے گا وہاں اپنے اس بزرگ کو بھی داد تحسین دے گا کہ وہ کام جس کے لئے دنیا ادارے قائم کرتی ہے خلافت کا یہ غلام تن تنہا اس میدان میں سینہ سپر رہا۔ حضرت مولوی صاحب نے حضرت مصلح موعودنور اللہ مرقدہ جیسے عظیم رہنما کی ہدایات کے مطابق اس کام کا آغاز کیا اور خلافت کی یہ رہنمائی ہمہ وقت آپ کے شامل حال رہی۔ پھر جو دور بھی آیا خلافت کا یہ شیدائی اپنے فرائض نہایت تندہی سے انجام دیتا رہا۔ چاہے 53ء کے فسادات سے پہلے کی تاریخ تھی یا 74ء میں اپنے آقا کی معیت میں اسمبلی کی کارروائی ہر جگہ اپنے جوہر دکھلاتا رہا اور حضرت خلیفۃ المسیح کی آواز پر دربار خلافت کا یہ ''شیر'' اور ''حوالوں کا بادشاہ'' یوں لبیک کہتا کہ پلک جھپکتے حوالہ پیش کر دیتا اور دنیا دنگ رہ جاتی۔

تحریر و تقریر کے فن کا یہ ماہر چاہے کسی اجتماع میں سامعین سے مخاطب ہوتا یا جلسہ سالانہ کے اسٹیج سے الٰہی بشارات کی منادی کر رہا ہوتا یا درس قرآن میں معارف الٰہی بیان کر رہا ہوتا تو اپنے جادوئی اثر کی بناء پر سامعین کے دل موہ لیتا اور ان کی سماعتوں پر چھا جاتا۔ مجلس سوال و جواب کی ہوتی یا علم کے پیاسوں کی اس میں اپنے بھی ہوتے اور غیر بھی ہر جگہ حکمت و دانائی کے ساتھ حسن مزاح کے ایسے پھول بھی جھڑ رہے ہوتے کہ سب آپ کے مشتاق ہو جاتے اور سفر و حضر میں آپ کے دلدادہ ہو جاتے۔ مناظرے میں کوئی بھی مدمقابل ہوتا تو خلافت کا یہ سپاہی دلائل سے اس کا منہ بند کر دیتا۔ گو خدمت کا کوئی بھی میدان ہوتا ہمیشہ خلافت کا یہ ''سلطان نصیر'' وہاں حاضر ہوتا۔

حضرت مولوی صاحب کی سیرت تو ہمارے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ 28 اگست 2009ء میں بیان فرمادی تھی اور وہی ہمارے لیے مشعل راہ بنی کہ آپ کی زندگی کے ان پہلوؤں کی تائید میں واقعات اور تحریرات کو جمع کر کے اپنے قارئین کے لیے پیش کیا جائے۔

حضرت مولوی صاحب کے متعلق اگر ان کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے بطور شکریہ کچھ کہا جائے تو سوائے اس ''ایوارڈ'' کے جو دربار خلافت سے خطبہ جمعہ میں جاری ہو چکا ہے، کسی تقریر یا تحریر میں پیش نہیں کیا جا سکتا بلکہ ہر بار زبان پر

یہی مصرع رواں ہوتا ہے جو حضرت مولوی صاحب کسی کو بطور شکریہ تحریر فرماتے تھے کہ ؎

تیرے اس لطف کی اللہ ہی جزا دے ساقی

اور یہی وہ مصرع ہے جس کی بدولت اس تحریر کا عنوان منتخب کیا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہر ایک واقف زندگی اور خادم سلسلہ کے لیے اپنی زندگی میں اور وفات کے بعد خدا تعالیٰ اور اس کے امام حضرت خلیفۃ المسیح کی رضا اور خوشنودی ہی حقیقی سرمایہ حیات ہے۔

تمام عمر خلافت کے سایہ تلے پروان چڑھنے والا یہ ''سلسلہ کا ادنیٰ ترین خادم''، ''در خلافت کا خادم''، ''ایوان خلافت کا کفش بردار''، ''ایوان خلافت کا خاک در'' اور خلافت کا ''ادنیٰ چاکر'' جو پہنچتے پہنچتے ''خاک پائے مسرور'' بنا، آخر کار اپنے آقا کی رضا کو پا گیا اور ڈھیروں دعائیں جو اس دنیا میں تو اپنے آقا سے لی ہی تھیں آخرت کے سفر میں بھی یہ خزانہ ساتھ لے گیا اور چھٹی کا کبھی تصور نہ رکھنے والا یہ واقف زندگی اپنے سے بعد والوں کے لیے یہ سبق دے گیا کہ حقیقی زندگی یہی ہے اور حقیقی موت بھی اس میں ہے۔

پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ 28 اگست 2009ء میں آپ کی وفات پر آپ کے ذکر کے آغاز پر یہ ارشاد فرمایا کہ ''اب میں حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا کچھ ذکر خیر کروں گا جن کی دو دن پہلے وفات ہوئی ہے۔ آپ جماعت کے چوٹی کے عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرماتا چلا جائے۔ آپ مورخ احمدیت کہلاتے تھے۔ تاریخ احمدیت آپ نے لکھی ہے جس کی 20 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ صرف مورخ احمدیت نہیں تھے بلکہ آپ تاریخ احمدیت کا ایک باب بھی تھے اور ایک ایسا روشن وجود تھے جو احمدیت یعنی حقیقی (...) کی روشنی کو ہر وقت جب بھی موقع ملے دنیا میں پھیلانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ آپ کا حافظہ بلا کا تھا اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا بلکہ کئی لوگوں نے مجھے لکھا بھی کہ آپ ایک انسائیکلو پیڈیا ہیں کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بھی یہ کہہ چکے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی کہا ہے لیکن میں ان کو یہ ہی کہا کرتا تھا کہ وہ تو ایک انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ اب جب میں نے پڑھا تو مجھے پتہ لگا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی ان کے بارے میں یہی فرمایا تھا کہ وہ ایک انسائیکلو پیڈیا تھے۔''

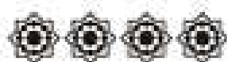
اپنے پیارے آقا ہی کے ارشاد کی تعمیل میں اگر حضرت مولوی صاحب کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یقیناً آپ ''بہت ہی بے نفس اور اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ دین کی خاطر صرف کرنے والے بزرگ''، ''دعا گو''، ''عاجزی میں بے انتہا بڑھے ہوئے''، ''عالم باعمل''، ''بے نفس کارکن''، خلافت کے ''سلطان نصیر'' اور ''سوچ کا محور بھی ہمیشہ خلافت کی طرف'' رکھنے والے، ''گہرا مطالعہ'' اور ''بلا کا حافظہ'' رکھنے والے ''حوالوں کے بادشاہ تھے۔'' آپ کو ''جماعتی اموال کا بھی بڑا درد تھا۔'' آپ کا ''بڑا سادہ لباس ہوتا تھا لیکن صاف ستھرا اور نظافت تھی''، بڑی ہی علمی ادبی شخصیت تھے اور روایتی رکھ رکھاؤ والے آدمی تھے۔'' آپ کو ''تحریر و تقریر میں ایک خاص ملکہ تھا۔'' ''آپ ہمیشہ کام کیا

کرتے تھے، چھٹی کا تصور ہی کوئی نہیں تھا۔'' بطور واقف زندگی ''کبھی خلفاء کو بھی ذاتی ضرورت کے لیے نہیں لکھتے تھے، کبھی حرف شکایت منہ پر نہیں لائے'' اور ''ہمیشہ یہ کہتے تھے میں خلیفہ وقت کا سپاہی ہوں اور سپاہی اپنا مورچہ نہیں چھوڑتا۔''

آپ کی ان خوبیوں کے اعتراف میں آخر پر اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ بے شک آپ نے اپنی زندگی ایک حقیقی واقف زندگی کی طرح ہمیشہ دن رات خدمت دین میں مشغول ہی بسر کی اور جو عہد بھی دربار خلافت سے باندھا تھا اس کو خوب نبھایا۔آپ کی انہی خوبیوں کا تذکرہ حضور انور ایدہ اللہ کی اجازت سے مضامین خالد نمبر میں ملے گا۔

پس آج اس ''خاکپائے مسرور'' کی ان جلیل القدر خدمات کو سامنے رکھتے ہوئے ادارہ خالد اس محسن کی سیرت وسوانح پر مشتمل ایک تاریخی نمبر شائع کرنے کی توفیق پا رہا ہے۔ اس خصوصی نمبر کی تیاری کے سلسلہ میں مکرم ومحترم فرید احمد نوید صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی بھرپور نگرانی اور شفقت نے ہمیں اس قابل بنایا کہ یہ رسالہ قارئین کی خدمت پیش کیا جاسکے۔مکرم اسفندیار منیب صاحب صدر اشاعت کمیٹی ونائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اور مکرم حافظ محمد ظفر اللہ صاحب مہتمم اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے مفید مشورے اور بھرپور تعاون ہمارے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئے۔اسی طرح اس نمبر کی تیاری کے دوران مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب ابن حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا غیر معمولی تعاون بھی ہمیں حاصل رہا۔

مجلس ادارت ماہنامہ خالد وکارکنان اہتمام اشاعت کے علاوہ مکرم عدیل خرم شہزاد صاحب، مکرم حامد رضی اللہ صاحب، مکرم اویس احمد نوید صاحب، مکرم سید مبارز احمد صاحب، مکرم وجاہت محمود صاحب، مکرم یاسر احمد ناصر صاحب، مکرم تنویر نصیر صاحب اور مکرم سید عطاء الحق عمار صاحب نے اس رسالے کی تیاری کے دوران مسلسل اور انتھک محنت سے کام کیا اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔نیز ایسے تمام دوست جنہوں نے کسی بھی رنگ میں تعاون فرمایا ادارہ ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہے۔



عیدین کی حقیقت

سیدنا حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''دنیا میں ہم دیکھتے ہیں قربانیاں دو قسم کی ہوتی ہیں یعنی انفرادی اور قومی قربانیاں۔ ان دونوں کی یاد میں خدا تعالیٰ نے دو عیدیں رکھیں۔عید الاضحیٰ انفرادی قربانی کی یاد ہے اور عید الفطر قومی قربانی کی۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے مل کر ایک بڑا کام کیا ہے اور ایک قوم کی قوم نے خدا تعالیٰ کے لیے اپنے آپ کو فاقوں میں ڈال دیا۔ پس عید الاضحیٰ فردی قربانی کی عید ہے اور عید الفطر قومی قربانی کی۔ ایک یہ بتاتی ہے کہ اگر ساری قوم مل کر کوئی بڑا کام کرے تو خدا تعالیٰ اسے نہیں بھلاتا اور دوسری یہ سکھاتی ہے کہ خدا تعالیٰ انفرادی قربانی کو بھی نہیں بھلاتا۔''

(خطبات محمود جلد 13 صفحہ 29)

مشعلِ راہ

روزوں کی اہمیت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبہ جمعہ سے ایک ارشاد

''...... ہر احمدی (مومن) کو تقویٰ میں ترقی کرنے کے لئے ، اللہ تعالیٰ کی جنتوں کا وارث ہونے کے لئے ، اللہ تعالیٰ کے مقام کی پہچان ضروری ہے۔ اور یہ پہچان اس وقت ہوگی جب خالص اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے اس کے احکامات پر عمل کرو گے اور اللہ تعالیٰ نے اُن احکامات میں سے ایک حکم رمضان میں روزوں کی پابندی کا ہمیں دیا ہے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ایک ایسی کتاب کو ماننے والے ہیں جو کامل اور مکمل کتاب ہے۔ اُس کتاب کے ماننے والے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو کمال تک پہنچانے کا اعلان فرمایا ہے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم اس شریعت کے ماننے والے ہیں جس کو تاقیامت قائم رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم اس آخری شرعی نبی ﷺ کو ماننے والے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء کہہ کر تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل بنا دیا ہے۔ پہلے رسول اپنی قوم کو تقویٰ پر قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن قوموں کی استعدادوں اور صلاحیتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کے احکامات لاتے رہے۔ لیکن قرآن کریم تمام دنیا کی تمام قوموں اور تمام زمانوں کی اصلاح کے لئے احکامات لے کر آنحضرت ﷺ پہ نازل ہوا۔ تقویٰ پر قائم رکھنے کے لئے وہ احکامات لے کر آیا جو آج بھی تمام قوموں اور اس زمانے کے لئے تازہ ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔

پس ہمیں سوچنا چاہئے کہ یہ چیزیں ہم سے کیا تقاضا کرتے ہیں۔ یہ احکامات جو اُترے اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر انعام اور احسان کیا ، یہ ہم سے کیا تقاضا کرتے ہیں؟ یہ تقاضا کرتے ہیں کہ اِس آخری شرعی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے جن نعمتوں کے کمال کا ذکر فرمایا ہے ان کے حصول کی کوشش کریں۔ یہ تقاضا کرتی ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔ وہ مجاہدہ کریں جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں راستہ دکھایا ہے، ہمیں حکم دیا ہے۔

ڈھال کا صحیح استعمال

...... رمضان آیا ہے تو اپنی عبادتوں کے معیار بھی ہمیں بلند کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے اعمال پر نظر رکھتے ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ ایک طالب علم کی طرح جو امتحان کی تیاری کے لئے محنت کرتے ہوئے راتوں کو دن کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہم بھی اپنی راتوں کو ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی خاطر گزارنے کی کوشش کریں گے تو وہ رحیم وکریم خدا ، وہ مستجاب الدعوات خدا اپنے وعدے کے مطابق ہمیں اپنی رضا کی راہوں پر ڈالے گا۔ ہمیں ان راستوں کی طرف لائے گا جو اس کی رضا کے راستے ہیں۔ ہمیں ان انعامات

سے نوازے گا جن سے وہ اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے۔ ہمارے تقویٰ کے معیاروں کو وہاں تک لے جائے گا جہاں اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ نے روزہ کو ڈھال بنایا ہے تو اس ڈھال کا استعمال بھی آنا چاہئے۔ اگر ڈھال صحیح طرح اپنے سامنے نہ رکھی جائے، اگر اُس کو مضبوطی سے نہ پکڑا جائے تو حملہ آور کا ایک ہی وار اس کو ہوا میں اڑا دیتا ہے اور ڈھال، ڈھال کا کام نہیں دے سکتی۔ پس شیطان جو سب حملہ آوروں سے زیادہ خطرناک حملہ آور ہے اس کے وار سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ترقی کرنے، اپنی راتوں کو زندہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو مضبوط پکڑنے سے ہی روزے کی اس ڈھال سے ایک مومن صحیح فائدہ اٹھا سکتا ہے اور یہ ٹریننگ کے دن اللہ تعالیٰ نے ہمیں میسر فرمائے۔ جہنم کی آگ سے بچنے کے لئے روزہ تبھی قلعہ کا کردار ادا کرے گا جب قلعہ کے ہر دروازے پر اپنی عبادتوں اور اعمال کے پہرے بٹھائے جائیں گے۔ پھر یہ پہرے اور مضبوط قلعہ کی دیواریں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کھڑی کی ہیں، جہنم کی آگ سے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہر ایک مومن بندے کو بچائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور تقویٰ پر قدم مارنا ہی ایک مومن بندے کی زندگی میں انقلاب لاتے ہوئے، ایک مومن بندے کو اس دنیا کی نعماء سے بھی بہرہ ور کرے گا اور آخرت میں بھی۔ پس ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس مہیا کردہ انتظام سے فائدہ اٹھائیں۔ اس کے بتائے ہوئے حکموں کے مطابق یہ دن گزارتے ہوئے تقویٰ میں ترقی کریں۔“

(الفضل انٹرنیشنل 05 رستمبر تا 11 رستمبر 2007ء)

☆☆☆

اس کی خوشبو آ رہی ہے تیری ہر اک بات سے

ہم کو یہ چاہت کہاں تھی بے ارادہ ہو گئی
بے قراری شوق کی حد سے زیادہ ہو گئی

ایک ہم کہ کیا دیا ہے اس کو زخموں کے سوا
ایک وہ آغوش کہ پھر بھی کشادہ ہو گئی

جب بھی وہ سورج ہوا گرم سفر تو راہ میں
برف کی دیوار کوئی ایستادہ ہو گئی

جونہی وہ محفل میں آیا دل کھنچے اُس کی طرف
ہر کسی کی آنکھ محو استفادہ ہو گئی

تتلیوں کے پر اگرچہ مختصر سے ہیں مگر
ان کی چھاؤں قریہ قریہ جادہ جادہ ہو گئی

جب چلے ہم ساتھ اُس کے یہ خبر ہی نہ ہوئی
طے مسافت زندگی کی پا پیادہ ہو گئی

اُس کی خوشبو آ رہی ہے تیری ہر اک بات سے
تم کو چاہت تو نہیں اس سے مبادا ہو گئی

ہر دھنک ہر رنگ عابدؔ تھا اسی گلفام سے
زندگی اس سے بچھڑ کر کتنی سادہ ہو گئی

(مکرم مبارک احمد عابدؔ صاحب)

تبرکات

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پر حکمت ارشاد

اَلشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ

(حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا ایک مضمون جو نوجوانوں کی تربیت کے حوالہ سے آپ نے رسالہ ''خالد'' میں تحریر کیا ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے)

ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جس طرح ازل سے لے کر ابد تک اور فرش سے لے کر عرش تک بسنے والی ہر مخلوق کے لئے باعث رحمت ہیں۔ اسی طرح خدائے بزرگ و برتر کے بعد نوجوانوں پر جس مقدس وجود کے سب سے زیادہ احسانات ہیں وہ بھی آنحضور ﷺ ہیں۔

آپ نے نوجوانوں کی راہنمائی اور دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے لئے بہت سی زریں ہدایات دی ہیں۔ مثلاً آپ کا ایک پر حکمت ارشاد یہ ہے کہ

اَلشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ

(تفسیر الدر المنثور زیر سورۃ النساء آیت نمبر 123)

یعنی عہد شباب جنون کا ایک شعبہ ہے۔ عربی زبان میں جنون کے ایک معنی جوش، ولولہ اور امنگ کے بھی ہوتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے مندرجہ بالا فرمان میں نوجوانوں کو اس لطیف نکتہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جوانی کے زمانے کو جو اللہ تعالیٰ نے خاص فضل سے تمہیں عطا کیا ہے غنیمت سمجھو اور دین کی خدمت میں پورے جوش و خروش کے ساتھ سرگرم عمل رہو۔ ورنہ جوانی کے بعد دینی خدمات کا خیال قوت عملیہ نہ ہونے کی وجہ سے خواب پریشان بن کے رہ جائے گا۔ اس حدیث میں جنون کا لفظ اس واضح حقیقت کی نشان دہی بھی کرتا ہے کہ ایک دیوانہ جب کسی رَو میں بہہ جاتا ہے تو اس کی زندگی کے دھارے کو بدلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی حال نوجوانوں کا ہے۔ اگر ایک نوجوان ابتدا ہی سے خدمت دین، ذکرِ الٰہی اور اخلاق فاضلہ میں راسخ ہو جائے تو اس کی پوری عمر (دینی) سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ بصورت دیگر جوانی کے غلط خیالات و جذبات کا طوفان اس کے اخلاق اور روحانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور جب ہوش کی آنکھ کھلتی ہے تو کف افسوس ملنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ بقول شاعر

شباب ڈھلتے ہی پیری آئی
مآل پر اب نظر ہوئی ہے
بڑی ہی غفلت میں شب گزاری
کہاں پہنچ کے سحر ہوئی ہے

حضرت مہدی معہودؑ اور نوجوانان احمدیت

حضرت مہدی معہودؑ نے نوجوانان احمدیت کو خاص طور پر تلقین فرمائی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اس سنہری دور کی قدر و قیمت کو پہچانیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''جب انسان دنیا میں آتا ہے تو کچھ زمانہ اس کا بے ہوشی میں گزر جاتا ہے۔ یہ بے ہوشی کا زمانہ وہ ہوتا ہے جبکہ وہ بچہ ہوتا ہے اور اس کو دنیا اور اس کے حالات سے کوئی خبر نہیں ہوتی اس کے بعد جب ہوش سنبھالتا ہے تو ایک ایسا زمانہ آتا

ہے کہ وہ بے ہوشی تو نہیں ہوتی جو بچپن میں تھی لیکن جوانی کی ایک مستی ہوتی ہے جو اس ہوش کے دنوں میں بھی بے ہوشی پیدا کر دیتی ہے اور کچھ ایسا از خود رفتہ ہو جاتا ہے کہ نفس امارہ غالب آجاتا ہے۔ اس کے بعد تیسرا زمانہ آجاتا ہے کہ علم کے بعد پھر لاعلمی آجاتی ہے۔ اور حواس میں اور دوسرے قویٰ میں فتور آنے لگتا ہے۔ یہ پیرانہ سالی کا زمانہ ہے۔ بہت سے لوگ اس زمانہ میں حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور قویٰ بیکار ہو جاتے ہیں۔ اکثر لوگوں میں جنون کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے...... انسان کی عمر کی تقسیم انہیں تین زمانوں پر ہے۔"

اس تمہید کے بعد آپ فرماتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی زمانہ ہے جوان دونوں کے بیچ کا زمانہ ہے۔ یعنی شباب کا جب انسان کوئی کام کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت قویٰ میں نشو و نما ہوتا ہے اور طاقتیں آتی ہیں...... اگر عمدگی اور ہوشیاری اور پوری احتیاط کے ساتھ اس زمانہ کو بسر کیا جاوے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو جاوے۔ کیونکہ ابتدائی زمانہ تو بے خبری اور غفلت کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا مؤاخذہ نہ کرے گا جیسا کہ اس نے خود فرمایا لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ اور آخری زمانہ میں گو بڑھاپے کی وجہ سے سستی اور کاہلی ہوگی لیکن فرشتے اس وقت اس کے اعمال میں وہی لکھیں گے جو جوانی کے جذبات اور خیالات ہیں۔"

نیز فرمایا:

"اگر اس نے (جوانی کا) یہ زمانہ خدا کی بندگی اپنے نفس کی آراستگی اور خدا تعالیٰ کی اطاعت میں گزارا ہوگا تو اس کا اسے یہ پھل ملے گا کہ پیرانہ سالی میں جبکہ وہ کسی قسم کی عبادت وغیرہ کے قابل نہ رہے گا۔ اور کسل اور کاہلی اسے لاحق حال ہو جاوے گی تو فرشتے اس کے نامۂ اعمال میں وہی نماز، روزہ، تہجد وغیرہ لکھتے رہیں گے جو کہ وہ جوانی کے ایام میں بجالاتا تھا۔"

"حقیقی پاکیزگی اور حقیقی تقویٰ اور طہارت کے حصول کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اسی زمانہ شباب و جوانی میں انسان کوشش کرے۔ جبکہ قویٰ میں قوت اور طاقت اور دل میں ایک امنگ اور جوش ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 197 تا 201)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایام جوانی کو پاک اور مطہر رنگ میں گزارنے کے وسائل کیا ہیں؟ اس کا جواب بھی حضرت مہدی معہود علیہ السلام نے دیا ہے اور اس ضمن میں تین اہم وسائل لکھے ہیں۔

(۱) تدبیر (۲) دعا (۳) معیت صادقین

تدبیر کی نسبت آپ فرماتے ہیں:

"یاد رکھو تدبیر بھی ایک مخفی عبادت ہے اس کو حقیر مت سمجھو...... جہاں تک بس چلے اور ممکن ہو تدبیر کرو اور بدی سے بچنے کی کوشش کرو۔ بد عادتوں اور بد صحبتوں کو ترک کرو۔ ان مقامات کو چھوڑ دو جو اس قسم کی تحریکوں کا موجب ہو سکیں۔ جس قدر دنیا میں تدابیر کی راہ کھلی ہے اس قدر کوشش کرو اور اس سے نہ تھکو نہ ہٹو"

دعا کی بابت ارشاد ہے کہ:

"جس قدر ہو سکے دعا کرو۔ یہ طریق بھی اعلیٰ درجہ کا مجرب اور مفید ہے...... دعا ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ (مومنوں) کو فخر کرنا چاہیے۔ دوسری قوموں کو دعا کی

کوئی قدر نہیں اور نہ انہیں اس پاک طریق پر کوئی فخر اور ناز ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ فخر اور ناز صرف صرف (دین حق) ہی کو ہے۔" (ملفوظات جلد 4 صفحہ 202,201)

صحبت صادقین کے متعلق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"تیسرا پہلو حصول نجات اور تقویٰ کا صادقوں کی معیت ہے جس کا حکم قرآن شریف میں ہے۔ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ یعنی اکیلے نہ رہو کہ اس حالت میں شیطان کا داؤ انسان پر ہوتا ہے بلکہ صادقوں کی معیت اختیار کرو اور ان کی جمعیت میں رہو تا کہ ان کے انوار اور برکات کا پرتو تم پر پڑتا رہے اور خانہ قلب کے ہر ایک خس و خاشاک کو محبت الٰہی کی آگ سے جلا کر نور الٰہی سے بھر دے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 207 حاشیہ)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

مَنْ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَلَمْ يَغْلِبْ خَيْرُهُ شَرَّهُ فَلْيَتَجَهَّزْ اِلَى النَّارِ

(الفتح الربانی والفیض الرحمانی از شیخ عبدالقادر جیلانی مجلس نمبر 62 فی التوحید)

یعنی جو شخص چالیس برس کی عمر تک پہنچ گیا مگر اس کا خیر اس کے شر پر غالب نہ آسکا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

خدام الاحمدیہ کی اصطلاح اور محاورہ میں اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ہر احمدی نوجوان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنا عہد شباب مجاہدہ، دعا اور معیت صادقین کے ایسے روح پرور ماحول میں گزارے کہ جب وہ انصار اللہ کی تنظیم سے وابستہ ہونے لگے تو اس کے خیر و برکت کا پہلو ہر لحاظ سے

ربط ہے جانِ محمدؐ سے میری جاں کو مدام

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

مصطفیٰؐ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

ربط ہے جانِ محمدؐ سے میری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

تیری الفت سے ہے معمور مرا ہر ذرہ
اپنے سینے میں یہ اک شہر بسایا ہم نے

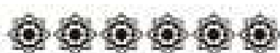
شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے
تیرے پانے سے ہی اس ذات کو پایا ہم نے

(کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

بھاری ہو اور وہ مجسم خیر بن جائے اور اس طرح "خدمت" اور "نصرت" کے دونوں امتحانوں میں قیامت کے دن کامیاب ہو سکے کہ اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں۔ اسی لئے سیدنا حضرت المصلح الموعود نے نہایت دردانگیز الفاظ میں یہ وصیت فرمائی تھی کہ

جب گزر جائیں گے ہم تم پہ پڑے گا سب بار
سستیاں ترک کرو طالب آرام نہ ہو
حشر کے روز نہ کرنا ہمیں رسوا و خراب
پیارو آموختہ درسِ وفا خام نہ ہو

(ماہنامہ خالد جنوری 1975ء)



انوار احمدیت کی تجلیات

(مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب ابن حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب)

تاریخی قصبہ پنڈی بھٹیاں

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا آبائی قصبہ، پیارا وطن اور جائے ولادت پنڈی بھٹیاں ہے جسے مفتی غلام سرور صاحب قریشی لاہوری کی تحقیق کے مطابق ''اکبر بادشاہ کے وقت مسمی اجلالیہ زمیندار قوم بھٹی نے اس کو آباد کر کے اس کا نام پنڈی بھٹیاں رکھا'' (تاریخ مخزن پنجاب) بلال زبیری مورخ جھنگ نے اپنی کتاب ''تاریخ جھنگ'' اور ''اولیائے جھنگ'' میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ سلطان ''میسور'' فتح علی ٹیپو شہید کے جداعلیٰ حضرت شاہ بہلول تھے۔ موخر الذکر کتاب کے صفحہ 150 پر مزید لکھا ہے کہ آپ 1039ھ (یعنی 30-1629ء) میں وفات پا گئے۔ آپ کا مزار جھنگڑ شاہ بہلول نزد پنڈی بھٹیاں میں موجود ہے جہاں ماہ جون میں بڑا بھاری میلہ لگتا ہے۔ یہ علاقہ پہلے ضلع جھنگ کے حدود میں شامل تھا، اب ضلع حافظ آباد میں شامل ہے یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ 1890ء میں گورنر پنجاب کہ ہدایت پر از سر نو صوبہ کی حد بندی ہوئی اور پنڈی بھٹیاں کو جھنگ سے الگ کر کے ضلع گوجرانوالہ میں داخل کر دیا گیا چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ مسیحیت سے لے کر خلافت رابعہ کے انقلاب آفریں عہد کے پہلے گیارہ برس تک وہ ضلع گوجرانوالہ ہی کی حدود میں رہا لیکن 19 جون 1993ء کو سابق وزیر اعلیٰ پنجاب میاں منظور احمد وٹو صاحب کی حکومت نے حافظ آباد کو ضلع کا درجہ دے دیا اور پنڈی بھٹیاں کو تحصیل کی حیثیت سے ضلع حافظ آباد سے منسلک کر دیا۔

(''تاریخ حافظ آباد'' صفحہ 233 از جناب عزیز علی شیخ ناشر فکشن ہاؤس مزنگ روڈ لاہور اشاعت 1997ء)

پنڈی بھٹیاں کا قدیم تاریخی قصبہ دریائے چناب کے مشرقی کنارے پر واقع ہے اس علاقہ کے تاریخی پس منظر میں جہاں مختلف قبیلوں کی تمدنی زندگی کا ذکر ملتا ہے وہاں معروف روحانی پیشوا حضرت میاں خیر محمد نون اویسی کی اسلامی تبلیغی سرگرمیوں کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت میاں خیر محمد نون اویسی قادری کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے آپ کا سالانہ عرس 21 بیساکھ منایا جاتا ہے۔ آپ کا مقبرہ نہایت شاندار اور خوبصورت ہے۔

(''مہک'' ادبی مجلہ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ اشاعت خاص ''گوجرانوالہ نمبر'' صفحہ 66)

پنڈی بھٹیاں میں احمدیت

اس قصبہ میں تحریک احمدیت کا نور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ میں ہی پہنچ گیا تھا چنانچہ ''رجسٹر بیعت اولیٰ'' کے مطابق ایک صاحب منشی عنایت اللہ نائب مدرس پنڈی بھٹیاں 14 اگست 1892ء کو داخل سلسلہ ہوئے اور ڈھائی آنہ ماہوار چندہ مقرر کیا مگر افسوس 27 ستمبر 1892ء کو یہ شخص خدا کے مقدس سلسلہ سے خود ہی کٹ

گیا۔تاہم بعدازاں خدا کی نظر عنایت نے اس بستی میں 5 سال کے اندر ہی اپنے آسمانی سلسلہ کا بیج بودیا۔یہ سعادت اس قصبہ کے پہلے رفیق مسیح موعودؑ حضرت میاں رحیم بخش صاحب کے حصہ میں آئی جنہوں نے حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی سرساوی کی مرتبہ مستند اور قدیم فہرست (مطبوعہ تاریخ احمدیت جلد اول طبع جدید صفحہ 646) کے مطابق 16 محرم 1314ھ (بمطابق 16 مئی 1897ء) کو شرف بیعت حاصل کیا پھر ایک ماہ بعد حضرت میاں اللہ ودھایا صاحب طالب علم جماعت دوم مڈل سکول نے 20 جون 1897ء کو امام الزماں کے دست مبارک پر بیعت کا اعزاز حاصل کیا۔علاوہ ازیں اس تاریخی جلسہ احباب سے بھی فیضیاب ہوئے جس کی تحریک وائس پریذیڈنٹ جنرل کمیٹی اہل اسلام ہند جناب خانصاحب محمد حیات خاں صاحب سی۔ایس۔آئی نے ملکہ معظمہ قیصر ہند کے جشن جوبلی کے تعلق میں ملک بھر کے مسلمانوں کو بذریعہ اشتہار عام کی تھی۔برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں کی طرح یہ تقریب قادیان میں بھی ہوئی جس میں ملک کے طول وعرض سے 225 بزرگوں نے بغرض دعا شرکت فرمائی۔شرکاءجلسہ میں حضرت میاں اللہ ودھایا بھی تھے جن کا نام خود حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے رسالہ ''جلسہ احباب'' صفحہ 30 مطبوعہ 28 جون 1897ء میں درج فرمایا۔

(روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 32)

ان کے بعد مندرجہ ذیل عشاق کو موعود آخرالزمان سے وابستگی کی سعادت نصیب ہوئی:

حضرت علی اکبر صاحب کوٹ دلاور ڈاکخانہ پنڈی بھٹیاں (بیعت 1902ء)۔حضرت میاں اللہ دتہ صاحب خیاط مع زوجہ محترمہ اللہ جوائی صاحبہ۔دختر صاحبہ۔فرزند محترم میاں حیات محمد صاحب (بیعت: 1903ء)۔حضرت بدرالدین صاحب کوٹ دلاور۔حضرت میاں غلام رسول صاحب پٹواری ہندوآنہ (بیعت 1907ء)۔

خلافتِ اولیٰ

حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب بھیروی خلیفۃ المسیح الاول کے عہد خلافت میں جو خوش نصیب امام عصر حاضر کے دامن سے وابستہ ہوئے ان میں حضرت میاں محمد مراد صاحب (دادا مکرم منیر احمد صاحب حافظ آبادی وکیل اعلیٰ قادیان) جیسے صاحب کشف بزرگ، پرجوش داعی الی اللہ اور سلسلہ کے جانثار فدائی اور شیدائی سرفہرست تھے۔جنہیں ظلمت کدوں کا گوہر شب چراغ قرار دیا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔انہیں ظاہری و مادی علم کی معمولی شدبد تھی مگر حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لانے کے بعد دنیائے عرفان کے لامحدود حقائق و معارف سے مالا مال ہوگئے۔بیعت سے قبل آپ کو عالم رویا میں حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت نصیب ہوئی۔خواب میں ایک شخص محبوب عالم نے بتایا کہ آپ تو محبوبِ خدا ہیں۔حضور نے فرمایا ہاں ''میں غلام احمد ہوں'' اس پر حضرت میاں صاحب نے حضرت اقدسؑ کے مقدس ہاتھ چوم لیے۔اب حق جناب الٰہی کی طرف سے آپ پر منکشف ہو چکا تھا۔آپ نے یہ خواب اپنے والدین اور چھوٹے بھائی میاں احمد الدین صاحب (ساکن کوٹ شاہ عالم ڈاک خانہ پنڈی بھٹیاں) کو سنائی اور احمدیت پر اپنے شرح صدر کا ذکر کیا تو تینوں مسیح موعودؑ پر ایمان لے آئے۔ازاں بعد آپ اپنے

بھائی اور استاد مکرم مولانا علی محمد صاحب کھرل کے ساتھ پیدل قادیان دارالامان پہنچے اور حضرت خلیفہ اول کے دستِ مبارک پر بیعت کرلی۔ یہ مارچ 1910ء کا واقعہ ہے۔

(تابعین رفقاء احمد جلد اول صفحہ 19 مؤلفہ محترم ملک صلاح الدین صاحب ایم اے ناشر احمدیہ بکڈپو ربوہ طبع اول دسمبر 1961ء)

سیدنا محمود کی بیعت : حضرت میاں محمد مراد صاحب بیان فرماتے ہیں:

''میں نے 14 مارچ 1914ء کو سحری کے وقت کشف میں دیکھا کہ حضرت خلیفہ اول کی وفات ہوگئی اور ان کی جگہ محمود ایدہ اللہ الودود خلیفہ ثانی مقرر ہوئے ہیں۔''

(تابعین رفقاء احمد جلد اول صفحہ 19)

آپ کا وصال 3 فروری 1968ء کو ہوا۔ مزار بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہے۔

اے خدا بر تربت او ابر رحمت ہا ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

حضرت مولانا کے چچا کی بیعت اور مخالفت

ہمارے خاندان میں احمدیت کی نعمت حضرت میاں محمد مراد صاحب حافظ آبادی جیسے اہل کشف ورؤیا بزرگ کے ذریعے میسر آئی اور وہ بھی عجیب رنگ سے۔ بات یہ ہوئی کہ پڑدادا صاحب کی مخالفت اتنی شدید تھی کہ انہوں نے حضرت میاں محمد مراد صاحب کو ان کی دعوۃ الی اللہ کی مساعی پر تین بار ظالمانہ طور پر زدوکوب کیا۔ جب چوتھی دفعہ مارنے لگے تو حضرت میاں محمد مراد صاحب نے کہا کہ اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کے تین بیٹے احمدی ہو جائیں گے۔ چنانچہ بعد میں ایسا ہی عمل میں آیا جس پر پڑدادا صاحب اور بھی مشتعل ہوگئے اور اپنی مخالفت میں روز بروز تیز تر ہوتے گئے۔ حضرت میاں محمد مراد صاحب کی دیوانہ وار دعوت الی اللہ، پاکیزہ نمونہ اور دعائیں ہمارے خاندان کی بعض سعید روحوں کو بھی آستانہ حق تک کھینچ لائیں چنانچہ سب سے پہلے مکرم مولانا کے سب سے چھوٹے چچا میاں عبدالعظیم صاحب والد ماجد مکرم مولوی خورشید احمد صاحب انور سابق مدیر ''بدر قادیان'' و وکیل المال تحریک جدید قادیان نے 1928ء کے وسط ثانی میں قبول احمدیت کا شرف پایا۔ (الفضل 17 مئی 1929ء صفحہ 10 کالم 3 فہرست مبائعین ماہ ستمبر اکتوبر نومبر 1928ء) اور لمبا عرصہ تک قادیان میں رہے۔ عالم درویشی میں یکم اپریل 1991ء میں انتقال ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ جب 1991ء میں قادیان دارالامان تشریف لے گئے تو جن مرحوم درویشوں کے مزاروں پر حضور نے دعا کی ان میں آپ بھی تھے۔ آپ کی اولاد میں دو واقفین زندگی (مکرم مولانا خورشید احمد صاحب انور اور مکرم مامون الرشید تبریز صاحب) ہیں اور بقیہ انڈیا، امریکہ، بلجیم اور ماریشس میں آباد ہے۔

مکرم ومحترم عبدالعظیم صاحب بیان کرتے ہیں:

''میاں (محمد مراد) صاحب کا طرز (دعوۃ الی اللہ) بہت پُر تاثیر اور جاذب تھا۔ میں تیرہ چودہ سال کا نوجوان تھا۔ مخالفین کے اعتراضات لے کر آیا۔ آپ نے مجھے الفضل پڑھنے کو دیا۔ اور جب بھی آتا۔ الفضل پڑھنے یا سنانے کو کہتے اور میری تعریف کرتے کہ تمہارا علم میرے بچوں سے زیادہ ہے۔ اس طرح مجھ پر اثر ہونے لگا۔ پھر آپ نے مجھے حضرت حافظ روشن علی صاحب کی تقریر جلسہ سالانہ 1927ء اور پھر تحفۃ الملوک

کتاب دی۔جن کے مطالعہ سے مسائل حل ہو گئے۔ 1928ء کے اوائل میں مَیں نے بیعت کر لی۔میں اپنے خاندان میں سب سے پہلا احمدی تھا۔ مجھے والد صاحب نے عاق کر دیا۔" (تابعین رفقاء احمد جلد اول صفحہ 19)

ہمارے پڑدادا نے بہت سختیاں کیں۔رات بھر ان کو برہنہ کر کے مارتے رہے۔ماں نے صبح چادر لا کر دی اور کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔آپ لکھتے ہیں:

"میں قادیان آیا اور ایک سال بعد دو اڑھائی صد روپیہ کما کر واپس گیا۔تو بھی والد صاحب کے غصے میں کسی قسم کی کمی نہ تھی۔فوراً انہوں نے میرے کپڑے اُتروا کر ایک معمولی لنگوٹی بندھوائی، روپیہ اور سامان چھین لیا۔اور نہایت بے رحمی سے زدوکوب کر کے بری طرح زخمی اور لہولہان کر کے کمرہ میں مقفل کر کے چلے گئے۔میں وہاں سے کسی طرح نکل کر بھاگا۔ان کی شدت مخالفت کے باعث ہر ایک احمدی بھی جس کے پاس گیا سخت خلاف ہوا اور بمنت کہا کہ وہ مجھے پناہ نہیں دے سکتا۔والد صاحب کے ایک مخالف دور کے رشتہ دار کے ہاں پناہ لی اور اگلے روز وہاں سے چلا گیا اور بالآخر سید والہ میں مَیں نے دکان کھول لی۔کچھ عرصہ بعد وہاں شدید طور پر بیمار ہوا۔جماعت نے بہت خدمت کی، بالآخر ڈاکٹری مشورہ پر مجھے وطن بھجوایا گیا۔میں کئی روز سے بے ہوش تھا۔والد آئے تو اس حالت میں بھی انہوں نے میری چارپائی گھر سے نکلوا دی۔"

(تابعین رفقاء احمد جلد اول مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے ناشر احمدیہ بک ڈپو ربوہ بار اول دسمبر 1961ء صفحہ 21 تا 23)

حضرت مولانا کے والد محترم آغوش احمدیت میں اور طوفان مخالفت

ہمارے دادا مکرم حافظ محمد عبداللہ صاحب پہلی بار 1919ء میں قادیان گئے، جب کہ عمر 20 سال تھی۔مگر سلسلہ سے دلچسپی نہ تھی۔1930ء میں وفات مسیح پر اعتراض پیدا ہوئے جس کی تسلی میاں محمد مراد صاحب نے کر دی۔آپ کے والد صاحب سخت مخالف ہو گئے۔کئی بار پیٹا مگر ان کا ایمان بڑھتا ہی گیا اور آپ نے سمجھ لیا کہ احمدیت ضرور سچی ہے۔ آپ نے ایک خواب دیکھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ جس طرح ایلیا کی شکل میں عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے اسی طرح مسیح و مہدی موعود حضرت بانی جماعت احمدیہ کی شکل میں تشریف لائے ہیں۔

(قلمی یادداشت)

مخالفت کی اس آتشیں فضا میں میرے دادا مکرم حافظ محمد عبداللہ صاحب اپنے چھوٹے بھائی میاں عبدالعظیم صاحب کے ساتھ گئے اور جلسہ سالانہ 1933ء کے موقع پر سیدنا حضرت مصلح موعود کے مبارک ہاتھ پر شرف بیعت حاصل کیا اور اپنے چھوٹے بھائی میاں عبدالعظیم صاحب کی طرح ہمارے پڑدادا صاحب کے آخر دم تک ظلم کا شکار بنے رہے مگر کوہ وقار بن کر پوری مومنانہ جرات و شان کے ساتھ احمدیت کی پرشوکت منادی میں زندگی کے آخری سانس تک سرگرم عمل رہے۔بیعت سے قبل آپ حافظ عبدالکریم صاحب مجددی نقشبندی راولپنڈی (ولادت 1847ء۔وفات 20 مئی 1936ء) کے مرید تھے۔ آپ کی بیعت کا اندراج الفضل قادیان مورخہ 3 اپریل 1934ء

صفحہ 10 کالم 2 پر موجود ہے۔ بیعت کا علم ہوتے ہی جناب پڑدادا صاحب (میاں رحمت اللہ) انہیں حافظ عبدالکریم صاحب کے پاس لے گئے اور غضبناک ہو کر کہا کہ یہ مرزائی ہو گیا ہے۔ اسے سمجھاؤ۔ انہوں نے فرمایا جس کا سینہ قرآن پاک سے منور ہو، وہ غلط فیصلہ نہیں کر سکتا اس لئے اس نے پہلا عقیدہ تبدیل کر کے صحیح قدم اٹھایا ہے۔

مکرم مولانا فرماتے ہیں "دادا بہت شدت اور سختی سے مخالفت کرتے رہے اور آخر دم تک مخالف رہے۔ جب میرے والد صاحب نے احمدیت قبول کی تو دادا ان کو پکڑ لائے اور گھر لا کر مارتے رہے اور کہتے جاتے کہ تم اس لیے پیدا ہوئے ہو کہ قادیان جا کر احمدی ہو جاؤ!!"۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ محترم داداجان نہایت درجہ بارعب اور طنطنے کے آدمی تھے۔ رنگ سفید اور سرخی مائل، قدوقامت بلند، داڑھی متشرع، شکل وجیہہ اور آواز گرجدار۔ 1944ء میں قصبہ پنڈی بھٹیاں کے ہندو مسلم اتحاد کے لیے ایک سبھا قائم ہوئی جو 14 اگست 1947ء تک قائم رہی۔ سبھا میں جو چھ معزز مسلمان نمائندے شامل تھے اُن میں آپ بھی تھے۔

(پنڈی بھٹیاں اور گردونواح کی تاریخ صفحہ 113، 114 تالیف جناب اسد شیخ سلیم صاحب ناشر اظہار سنز بتعاون اظہار ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف پاکستان لاہور۔ اشاعت 1999ء)"۔

("دلچسپ علمی واقعات ومشاہدات" از حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد ناشر عبدالرشید آرکیٹیکٹ صاحب۔ مطبع پرنٹ ویل امرتسر صفحہ 79۔80)

مولانا کے دوسرے چچا اور دیگر مبایعین کا ذکر

مکرم میاں عبدالعظیم صاحب مزید بیان کرتے ہیں کہ "پانچ سال بعد حضرت میاں صاحب کی (دعوت الی اللہ) سے میرے بھائی حافظ محمد عبداللہ صاحب (والد ماجد حضرت مولانا) اور پھر میرے بھائی میاں اللہ بخش صاحب (ظہور احمد صاحب ناصر ڈرائنگ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ کے والدِ محترم) احمدی ہو گئے۔ اس سے والد صاحب کے طیش کی کوئی انتہا نہ رہی، انہوں نے میاں مراد صاحب کو تین دفعہ زدوکوب کیا۔ ایک دفعہ میاں صاحب نے ان سے کہا کہ آپ نے مجھے تین دفعہ پیٹا اور آپ کے تین بیٹے جو عقل مند تھے، احمدی ہو گئے۔ آپ تین دفعہ اور مار پیٹ کر لیں۔ تا بقیہ تین بھی احمدیت قبول کر لیں۔"

آپ مزید بیان کرتے ہیں کہ "میاں محمد مراد صاحب کے ذریعہ بہت سے لوگوں نے احمدیت قبول کی۔ مثلاً آپ کے بھائی میاں احمد دین صاحب کے علاوہ آپ کے بھائی فضل دین صاحب اور میاں مولا بخش صاحب نیز شیخ غلام قادر صاحب درزی مرحوم سکنہ پنڈی بھٹیاں بھی۔ کچھ عرصہ جناب ملک صاحب خانصاحب نون اس ضلع میں ڈپٹی کمشنر رہے۔ آپ جب بھی پنڈی بھٹیاں آتے تو میاں صاحب اور مجھے اور دیگر احمدیوں کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ اور لوگوں کو کہتے کہ تم لوگ تو چوہدری، صاحب وغیرہ ہو۔ میرے بھائی یہ ہیں اور میاں صاحب کے حالات سن کر ان کو مشورہ دیا کہ گو میں نمبردار سے (جس کا نام سادہ قوم چریڑ تھا) روپیہ دلا سکتا ہوں لیکن میرے بعد یہ جانگلی لوگ دوسرے ڈپٹی کمشنروں کے ذریعہ آپ کو زیادہ نقصان پہنچائیں گے۔ 1931ء میں وہاں میرے خرچ پر پہلا جلسہ ہوا۔ اگلے سال مخالفین پہلے تو جلسہ گاہ میں گدھے وغیرہ لے آئے۔ پھر سامان اٹھا کر لے گئے۔" (تابعین رفقاء احمد جلد اول صفحہ 19)

حضرت میاں محمد مراد صاحب بیان کرتے ہیں کہ

"مارچ 1933ء میں منڈی میں جلسہ کیا گیا تو لوگ فرش کے کپڑے لالٹین وغیرہ چھین کر لے گئے اور گندی گالیاں دیں پتھر مارے یہاں تک کہ گھر میں پہنچنے تک پتھر مارتے اور گندی گالیاں دیتے رہے اور کئی بار میرے قتل کے منصوبے کئے گئے۔ ایک شخص نے (اشارہ احمدیت کے بدترین معاند میرے پڑدادا صاحب کی طرف ہے۔) کئی بار علی الاعلان مجھے قتل کرنے کی دھمکیاں دیں اب ان کے تین بڑے لڑکے احمدی ہو چکے ہیں اور بڑے مخلص (داعی الی اللہ) ہیں میرے ذریعہ 150 نئے بیج مختلف مقامات پر لگائے گئے جو بار یاب ہوئے۔

تیرے منہ کی ہی قسم میرے پیارے احمد
تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے

(الفضل 20 اپریل 1935ء)

مکرم مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ میرے ایک اور چچا اللہ بخش صاحب (وفات 12 جنوری 1993ء) آف کلسیاں (والد ماجد محترم برادرم ظہور احمد صاحب سابق ڈرائنگ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ) نے بھی میرے والد صاحب کے بعد بیعت کر لی تھی یہاں آپ ہی کا ذکر ہے۔ میرے یہ نہایت پر جوش اور غیور احمدی چچا اور والد معظم دونوں ہی بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔"

(الفضل ربوہ 10 مئی 2002ء صفحہ 3)

الغرض احمدیت کا عظیم آسمانی بیش بہا اور لازوال خزانہ حاصل کرنے کے بعد ہمارے پڑدادا جناب میاں رحمت اللہ صاحب کی طرف سے ان پر شدید مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے مگر خدا کے مسیح موعود کے ان جانثار سپاہیوں نے بے مثال نمونہ دکھلاتے ہوئے اپنے مقدس آقا کی تعلیم پر قابل رشک حد تک عمل کر کے دکھا دیا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

"اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیاں سنو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو" "تم اپنے وہ نمونے دکھاؤ جو فرشتے بھی آسمان پر تمہارے صدق و صفا سے حیران ہو جائیں۔"

(کشتی نوح صفحہ 14'76 طبع اول)

یادگار مباہلہ

جناب پڑدادا صاحب کی اشتعال انگیز، اخلاق سوز اور سفاکانہ کارروائیاں 1935ء میں انتہا تک پہنچ گئیں جب انہوں نے حضرت میاں محمد مراد صاحب اور اپنے تینوں احمدی بیٹوں اور دیگر مخلصین جماعت کو 21 فروری 1935ء کو مباہلہ کا چیلنج دے دیا۔ دنیائے مذہب کی تاریخ میں یہ بھی ایک عجیب مباہلہ تھا جس میں ایک طرف تو غیر احمدیوں کی طرف سے شدید معاند باپ تھا اور دوسری طرف اسی کے تین مومن بیٹے۔

حضرت مصلح موعود کی اجازت اور خصوصی ہدایت

اس ضمن میں مکرم میاں عبدالعظیم صاحب بیان کرتے ہیں "ایک دفعہ والد صاحب اور بعض غیر احمدیوں نے ہمیں مباہلہ کی دعوت دی۔ مَیں نے قادیان آ کر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے ملاقات کر کے عرض کیا۔ حضور نے اجازت عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ باپ بیٹے کا تعلق درمیان میں ہے اس لیے آپ یہ شرط رکھ لیں کہ اگر احمدیوں کو نقصان نہ پہنچا تب بھی غیر احمدی ہی غیر صادق ثابت ہوں گے کیوں کہ مباہلہ کی دعوت ان کی طرف سے ہے۔ اسے قبول نہ کیا

گیا تو اسے فرار اور عدم صداقت احمدیت پر محمول کیا جائے۔ چنانچہ یہ شرط بھی رکھی گئی۔''

(تابعین رفقاء احمد جلد اول مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے ناشر احمدیہ بک ڈپو ربوہ بار اول دسمبر 1961ء صفحہ 41تا43)

مباہلہ کا انعقاد

مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد اپنے خاندان کی یادیں تازہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ تاریخی مباہلہ جس کی بارہ شرائط الفضل 19 اپریل 1935ء صفحہ 1 پر شائع شدہ ہیں۔ 27۔28۔29 اپریل 1935ء کو پنڈی بھٹیاں میں ہمارے مکان کے قریب ہمارے ایک معزز غیر احمدی بزرگ کے بالاخانہ پر ہوا۔ میری ولادت 3 مئی 1927ء (30 شوال 1345ھ) کی ہے۔ اس اعتبار سے اس وقت میری عمر آٹھ سال کے قریب تھی۔ اس موقع کا دھندلا سا نقشہ اب بھی میرے قلب و روح پر مرتسم ہے۔ مباہلہ میں فریقین کی طرف سے آٹھ آٹھ مباہلین نے دعائے مباہلہ کی۔

فریق ثانی پر اتمام حجت کرنے کی غرض سے حضرت مصلح موعود نے حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس سابق مبشر بلاد عربیہ اور حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی کو پنڈی بھٹیاں بھجوایا۔ چنانچہ حضرت مولانا شمس صاحب نے صداقت احمدیت عقائد اور غلط فہمیوں کے ازالہ پر ایک مبسوط تقریر فرمائی اور پھر دعائے مباہلہ میں بھی سوز و گداز کے ساتھ شرکت فرمائی۔ مباہلہ کی صدارت کے فرائض پنڈی بھٹیاں کے دو رؤساء اور مقتدر شخصیات یعنی میاں دوست محمد صاحب ذیلدار اور میاں محمد حسین صاحب نے پورے انصاف اور دیانت سے انجام دیئے۔

(الفضل 8 مئی 1935ء صفحہ 5۔6 عنوان روداد مباہلہ پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ از قلم حضرت مولانا شمس)۔ (الفضل ربوہ 10 مئی 2002ء صفحہ 3)

حق کی دائمی فتح

اس تاریخی مباہلہ میں جو آج سے قریباً پچھتر برس قبل اپریل 1935ء میں ہوا تھا حق کی فتح ہوئی اور سبھی احمدی مباہلین تو قتل کی دھمکیوں اور مخالفت کے خوفناک طوفانوں کی زد میں ہونے کے باوجود مع اپنے متعلقین کے معجزانہ طور پر محفوظ رہے مگر فریق ثانی کا جو حشر ہوا اس کی عبرتناک تفصیل میرے دادا مکرم حافظ محمد عبداللہ صاحب نے الفضل 17 مئی اور 27 مئی 1936ء کے شماروں میں شائع کروا دی تھی۔ علاوہ ازیں تابعین رفقاء احمد جلد اول صفحہ 23 میں بھی درج ہے۔ غلام حیدر نے داماد کے ساتھ جھگڑے کی وجہ سے نکاح چھڑوانے کے لیے اپنی لڑکی کو عیسائی بنایا، جس کے نتیجے میں وہ باوجود امیر ہونے کے نہایت ذلیل ہو کر روپوش ہو گیا اور بعد میں عدم پتہ ہونے کی حالت میں ہی مر کھپ گیا۔

غلام محمد مسن و محمد حسین مسن کی ہمشیرہ اس سال کے اندر بیوہ ہو گئی۔ غلام محمد اور اسکی بیوی کی ناچاقی اس کی خانہ بربادی کا موجب بن گئی۔ غلام حیدر و دھاؤن کا غیر احمدیوں نے ہی بائیکاٹ کیا۔ شیخ دوست محمد ودھاؤن کا جوان بھانجا تین ماہ سخت بیمار رہ کر فوت ہو گیا۔ صوفی محمد اسماعیل ڈھیر ادو ماہ بیمار رہے۔ میاں رحمت اللہ صاحب (دادا مولوی صاحب) کو اپنے بھتیجوں اور غیر احمدی لڑکوں کی وجہ سے تکلیف اٹھانا پڑی۔ مباہلہ کا چیلنج کرنے والے ایک شخص جلال الدین کو ایک ہندو کے قتل کے

سلسلہ میں ہتھکڑی لگائی گئی اور وہ چھ سات ماہ سخت مصیبت میں مبتلا رہا۔ حبیب اللہ امرتسری کلرک نہر جسے مباہلہ کے موقع پر مدعو کیا گیا تھا، ذلت ورسوائی سے ملازمت سے معطل کر دیا گیا۔

(الفضل 17 مئی ص 2،436 مئی ص 6)

محمد حسین مسن کی ہمشیرہ ایک درخت پر چڑھی۔ ہاتھ چھوٹ جانے اور درخت کا ٹوٹا ہوا تنا ٹانگ کے اوپر لگنے سے لنگڑی ہو گئی۔ محمد حسین مسن کو ڈبل نمونیہ ہوا اور کئی دن تڑپتا رہا۔ اس کا بھائی ایک لڑکی کے ساتھ بدکاری کرنے کے الزام میں پکڑا گیا اور تھانہ پہنچایا گیا۔

مباہلہ کے بعد سب سے زیادہ غضب الٰہی کا نشانہ پڑدادا صاحب بنے جن کی اہلیہ یعنی میری پڑدادی صاحبہ محترمہ عالم بی بی صاحبہ جو ان کی معاشرتی زندگی کا مضبوط سہارا تھیں، داغ مفارقت دے گئیں۔ پھر ایک عرصہ بعد ان کا ایک بیٹا غلام محمد جو عاقل والے محلّہ کی مسجد کا امام تھا، خانہ خدا میں ہی خودکشی کر کے راہی ملک عدم ہو گیا۔ خود ان کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ وہ چنیوٹ کے ایک شخص شیخ امین کے مرید بن گئے۔ جس کے عقائد انتہائی لغو اور لایعنی تھے۔

حضرت مولانا صاحب کے والد صاحب داعی الی اللہ کی حیثیت سے

مکرم مولانا صاحب کے مطابق آپ کے ”والد صاحب 1962ء تک پنڈی بھٹیاں میں ہی قیام پذیر رہے اور اپنے کاروبار رنگریزی کے ساتھ ساتھ حلقہ احباب تک پیغام حق پہنچانے کی دیوانہ وار جدوجہد میں سرگرم عمل رہے۔ ازاں بعد اپنی وفات (16 فروری 1979ء) تک آپ کو نظارت اصلاح وارشاد مقامی کے تحت شیخوپورہ جھنگ اور سرگودھا کے اضلاع میں بحیثیت معلم دینی خدمات کی توفیق ملی (مرکز عنایت پور، جل بھٹیاں، بھایانوالی، چک 33 جنوبی) اس دوران آپ نے پیدل دورے کر کے احمدیت کی اشاعت اور تربیت کے فرائض انجام دیئے بہت سے بچوں اور بچیوں کو (خصوصاً چک 33 جنوبی میں) قرآن مجید سکھانے کی سعادت ملی۔ متعدد جلسے آپ کے زیر اہتمام کئے گئے اور کئی افراد شامل احمدیت ہوئے جیسا کہ صدر انجمن پاکستان کی مطبوعہ سالانہ رپورٹوں (1962-1967ء) سے ثابت ہے۔ والد صاحب مرحوم کی زبانی روایات اور خودنوشت یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے داخل بیعت ہونے کے بعد آپ کے سسرالی گاؤں چک ساہمل (متصل جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ) میں جامعہ کے بانی مولوی محمد ذاکر صاحب جھنگوی مرید خواجہ ضیاء الدین سیالوی شریف (ولادت 1906ء۔ وفات 25 نومبر 1976ء) سے والد صاحب کا پبلک مناظرہ ہوا جس پر انہوں نے لاجواب ہو کر بائیکاٹ کا فتویٰ دے دیا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسی غیبی نصرت فرمائی کہ بلا استثناء گاؤں کے جملہ غیر از جماعت شرفاء اور معززین خصوصاً ہمارے ماموں میاں غلام محمد صاحب مرحوم اور میاں غلام حیدر صاحب مرحوم اور مولانا کے ننھیال کے سبھی افراد خاندان نے اس نازیبا حرکت کو فریق ثانی کی شکست سے تعبیر کیا اور اس فتویٰ کو چنداں کوئی بھی حیثیت نہیں دی اور عمر بھر ہمارے ساتھ قابل رشک حد تک محبت و شفقت کا سلوک فرماتے رہے۔ رب غفور و کریم انہیں جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی قربتوں پر انوار کی بارشیں برسائے کہ ہر ایک طاقت وقدرت اسی کو حاصل ہے مثالی

الفت اور رواداری کی یہ حسین روایات میرے ننھیال کی نئی نسلوں کا بھی شعار ہیں اور وہ اپنے بزرگوں کے عہد مروت کو اب تک کمال خوبی سے نباہتے آ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں اس کی عظیم جزا عطا فرمائے اور ان کے گھر ہمیشہ دین و دنیا کی برکتوں سے معمور رہیں۔ آمین ثم آمین"

(الفضل ربوہ 9 مئی 2002ء صفحہ 4)

"راہ راست" پر لانے کی کوششیں

میرے دادا مکرم حافظ محمد عبداللہ صاحب نے اپنے قلم سے اپنی یادداشتوں میں یہ ذکر بھی فرمایا ہے کہ 42-1940ء میں ایک بار والد صاحب اور ایک معاند احمدیت (مولوی احمد بخش ملتانی) کی تحریک پر آپ کو ایک کشمیری پیر صاحب کے پاس لے جایا گیا۔ آپ نے تبادلہ خیالات کے ذریعہ حق کی بساط بھر ترجمانی کی مگر پیر صاحب نے آخر میں یہ دھمکی دی کہ جو شخص بھی مرتد ہو گیا میں تھپڑ لگا کر اسے راہ راست پر لے آتا ہوں۔ دادا جان نے فرمایا اگر جرأت ہے تو مجھے تھپڑ کے ذریعہ ٹھیک کر دیں۔ وہ شرمساری سے مسکرا دیئے اور اگلے دن ہی قصبہ سے ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئے۔ آپ شمع احمدیت کے پروانہ تھے اور اگر احمدیت کو محمود سے تشبیہ دی جائے تو انہیں اس کے ایاز ہونے کا فخر حاصل تھا۔"

(الفضل ربوہ 9 مئی 2002ء صفحہ 4)

مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے لکھا ہے کہ "میرے دادا مکرم جناب میاں رحمت اللہ صاحب آخر دم تک احمدیت کی مخالفت پر ڈٹے رہے۔ مدرسہ احمدیہ میں داخلہ (1935ء) کے کچھ عرصہ بعد جب میں دوران تعطیلات پنڈی بھٹیاں آیا تو انہوں نے مجھے سخت ڈانٹ پلائی کہ تم تعلیم حاصل کرنے کے لیے کیوں قادیان چلے گئے ہو۔ بعد ازاں آپ مجھے اپنے پیر و مرشد شیخ محمد امین صاحب چنیوٹی کے پاس لے گئے کہ اسے سمجھاؤ یہ قادیان جانے سے باز آ جائے اور قادیانیت ترک کر دے۔ شیخ جی کا یہ عقیدہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت بو علیؒ پانی پتی پورے قلندر تھے اور میں آدھا قلندر ہوں۔ دادا صاحب اس خیال پر ایسے لٹو تھے کہ "آدھے قلندر صاحب" کے عرس کا اپنے خرچ سے اہتمام کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے بھی آپ ربوہ سے کھینچ لے گئے۔ میں رات بھر ان کی محفل رقص و سرود دیکھتا رہا۔ وہ اور ان کے ہم مشرب پر کچھ تو مستی سی طاری تھی اور میرے دل میں حضرت مسیح موعود کا یہ شعر بس گیا۔

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

قصہ مختصر آدھے قلندر صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مرزا صاحب تو اپنے تئیں رسول اللہؐ سے بھی افضل ہونے کے مدعی ہیں۔ تم کس جال میں پھنس گئے ہو۔ تم بچہ ہو اور ساتھ ہی انہوں نے بطور "سند" حضرت اقدسؑ کا یہ مصرعہ بھی پڑھا:

ع تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

شیخ جی نے "آگے بڑھایا ہم نے" کے الفاظ اپنے دعویٰ کو مؤثر بنانے کے لیے پوری بلند آہنگی سے پڑھے اور پھر ڈرامائی انداز میں اپنا ایک قدم بھی آگے بڑھا دیا۔ جناب دادا صاحب کو اس "ایکٹنگ" اور "ناٹک" سے یقین کامل ہو گیا کہ پیر روشن ضمیر اور مرشد نے اسے خوب پکڑا ہے۔ میرے لیے مغالطہ آفرینی کا یہ پہلا تجربہ تھا اور میں دجل و

فریب کا شرمناک نمونہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا کہ بُغض و عداوت کی آگ نے ان لوگوں کو کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ بہر حال میں نے اُن سے درخواست کی کہ آپ ''دُرِّ ثمین'' خود ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت اقدس کا پورا شعر یہ ہے:

ہم ہوئے خیر امم تجھ سے ہی اے خیر رسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

آپ فرماتے ہیں یا رسول اللہؐ آپ تمام نبیوں کے سردار ہیں اسی لیے ہم خیر امم بن گئے۔ آپ نے نبیوں میں اپنا قدم بڑھایا اور ہم آپ کے طفیل تمام امتوں میں آگے بڑھ گئے۔ خدارا بتائیے کہ یہ افضیلت ہے؟ یہ سن کر ''آدھے قلندر صاحب'' بالکل لاجواب اور ساکت و جامد ہو گئے۔

بایں ہمہ ہمارے دادا صاحب نے مرتے دم تک ان کا دامن عقیدت چھوڑا نہ مخالفت احمدیت سے باز آئے۔ اور بالآخر کئی حسرتیں دل ہی میں لے کر اس جہانِ فانی سے چل بسے اور ہمیشہ کے لیے عبرت کا نشان بن گئے۔ وجہ یہ کہ اُن کے چھ بیٹوں میں جو تین اُن کے ہم نوا رہے ان میں سے ایک عاقل والی مسجد کے امام تھے جنہوں نے ان کی زندگی میں مسجد میں ہی خودکشی کر لی۔ ایک بیٹا ساری عمر معذور اور لاولد رہا۔ تیسرے کی یادگار غالباً صرف ایک بیٹا ہے۔ اس کے مقابل آپ کے تینوں احمدی بیٹوں کو خدا نے دین و دنیا کی برکتوں سے معمور رکھا اور ان کی نسلیں نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ کینیڈا، جرمنی اور عرب میں بھی پھل پھول رہی ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے عشق خلافت سے سرشار ہیں۔''

(''دلچسپ علمی واقعات و مشاہدات'' از حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد ناشر عبدالرشید آرکیٹیکٹ صاحب۔ مطبع پرنٹ ویل امرتسر صفحہ 78۔79)

پڑدادا صاحب کا غیظ و غضب

میرے پڑدادا پوری عمر احمدیت کے شدید معاند رہے۔ ان کے غیظ و غضب کا یہ عالم تھا کہ وہ ہمارے گھر آ کر میرے دادا صاحب کو بھی پیٹ جاتے۔ اپنے چھوٹے بیٹے مکرم میاں عبدالعظیم صاحب مرحوم کو انہوں نے 1929ء میں احمدیت کی پاداش میں برہنہ کر کے لہولہان کر دیا جس پر انہوں نے ہجرت کر کے پہلے سیّدوالا پھر لاہور دہلی دروازہ میں قیام کیا اور پھر مستقل طور پر قادیان میں بود و باش اختیار کر لی۔ اس دوران وہ قادیان بھی گئے مگر اپنے بیٹوں کی بجائے سکھوں کے پاس رہے۔ وہیں کھانا کھاتے رہے۔ ربوہ بھی آئے مگر وہاں بھی نہ رہے۔ میری والدہ محترمہ سلیمہ اختر صاحبہ مرحومہ بیان کرتی تھیں کہ میاں رحمت اللہ صاحب اُن کی موجودگی میں ایک دفعہ ربوہ آئے تھے۔ ہمارے دادا جان کو ان کی بہو کے سامنے گھر آ کر مارجاتے تھے اور دادا جان صبر اور استقامت سے مار کھاتے رہتے اور اُف بھی نہ کہتے۔

پڑدادا صاحب کا دلچسپ واقعہ

میرے پڑدادا صاحب کو ساری زندگی اپنے ان لائق فرزندوں کی جدائی کا افسوس رہا اور وہ انہیں واپس لینے کے لئے بے چین رہے اور اس مقصد کے لئے مختلف حیلے بہانے تراشتے رہے چنانچہ مکرم میاں عبدالعظیم صاحب نے لکھا ہے

''ایک دفعہ والد صاحب قادیان آئے اور کہا کہ میں آپ کے حضرت صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ دریافت کرنے پر بتایا کہ میں کہنا چاہتا ہوں کہ کام کے تینوں لڑکے جو سمجھ دار تھے آپ نے لے لیے، دوسرے تینوں

میرے پاس رہے، میرے ساتھ تبادلہ کرلیں۔ میں نے کہا کہ وہ کھوٹا مال نہیں لیتے، اس پر رونے لگے اور واپس چلے گئے۔''

(تابعین رفقاء احمد جلد اول صفحہ 23)

یہ امر ان کے لئے ہمیشہ سوہان روح بنا رہا اور اس کی گونج سالوں بعد بھی سنائی دیتی رہی اور ایک مرتبہ پھر اپنے پوتے کے ذریعہ یہ حربہ آزمانا چاہا۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''حضرت مصلح موعودؓ جن دنوں نخلہ (خوشاب) میں تفسیر صغیر تالیف فرما رہے تھے خاکسار کو اچانک ربوہ سے خانقاہ ڈوگراں کے قریبی گاؤں کلسیاں جانا پڑا جہاں میرے ایک احمدی چچا اللہ بخش صاحب عرصہ سے مقیم تھے۔ اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ ان دنوں میں دادا صاحب بھی وہیں موجود تھے اور اگرچہ بڑھاپے نے انہیں بہت کم زور کر دیا تھا مگر ان کی احمدیت دشمنی بدستور عالم شباب پر تھی۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ تمہارے خلیفہ صاحب سے مل کر فریاد کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے عرض کہ میں واپسی پر سیدنا حضور ہی کی خدمت اقدس میں جا رہا ہوں۔ مجھے اپنا پیغام دے دیں، جاتے ہی پہنچا دوں گا۔ انہوں نے درد بھرے دل سے مجھے کہا کہ میرے چھ بیٹے ہیں جن میں سے تین بچوں کو جن میں ایک حافظ قرآن اور دوسرے دو بھی عقلمند اور صاحبِ علم ہیں، تمہارے خلیفہ صاحب نے مجھ سے چھین لیے ہیں اور باقی تین جواَن پڑھ یا معذور تھے میرے حوالے کر دیئے ہیں۔ انہیں میری طرف سے درخواست کریں کہ انہیں تو گنتی ہی پوری کرنی ہے وہ تبادلہ کرلیں میں قبر کے کنارے پر آ پہنچا ہوں۔ اس آخری وقت میں یہ تقسیم میرے لیے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔

میں ان سے ملاقات کے بعد ربوہ سے ہوتا ہوا سیدھا جابہ پہنچا۔ اس دن مکرم چوہدری احمد جان صاحب کی قیادت میں ضلع راولپنڈی کے مخلصین اپنے محبوب و مقدس آقا کی زیارت کے لیے پہنچے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے انہی کو شرفِ ملاقات عطا ہوا جس کے بعد خاکسار کو دربار خلافت میں حاضری کا موقع نصیب ہوا۔ تصرف الٰہی ملاحظہ ہو کہ حضور نے ازخود میاں محمد مراد صاحب کے اخلاص وخدمات کا تذکرہ شروع فرما دیا جس پر میں نے عرض کیا کہ خاکسار اپنے دادا صاحب کا ایک خصوصی پیغام لے کر آیا ہے کہ آپ نے میرے حافظ قرآن اور پڑھے لکھے بیٹوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ میرے دوسرے اَن پڑھ یا معذور بچوں سے تبادلہ کر کے اپنی گنتی پوری کر لیں اور جیسا کہ بعد میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور پرائیوٹ سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ اہل راولپنڈی کی ملاقات کے دوران حضور بالکل خاموش رہے اور مصافحہ کیا مگر جوں ہی حضور نے میرے دادا کا پیغام سنا حضور بہت مسکرائے اور حضور کا روئے مبارک خوشی سے تمتما اٹھا اور پیار بھرے انداز میں فرمایا کہ اپنے دادا کو میرا پیغام پہنچا دیں کہ مجھے بیٹوں کا تبادلہ بخوشی منظور ہے۔ آپ اپنے غیر احمدی بیٹے میرے حوالے کر دیں اور آپ کے احمدی بیٹوں کو میری طرف سے اجازت ہے کہ وہ احمدیت ترک کر کے آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں۔

حضرت مصلح موعودؓ کا یہ پیغام لیے میں اگلے دن واپس دادا صاحب کے پاس پہنچا اور انہیں مبارک باد دی کہ ہمارے امام عالی مقام نے بچوں کا تبادلہ منظور کر لیا ہے لیکن جب میں نے پیغام کی تفصیل بتائی تو وہ زارو قطار بچوں کی طرح رونے لگے اور کہا تمہارے خلیفہ صاحب کتنے چالاک ہیں!!! انہیں

یقین ہے کہ میرے مرزائی بیٹے تو کبھی ''مرزائیت'' کو نہیں چھوڑیں گے اس لیے اب وہ میرے دوسرے تین بیٹوں پر بھی اپنا ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں۔ہم لوگ مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہوگئے مگر دادا صاحب نے دوبارہ شور فغاں شروع کر دیا۔

دادا جان تھوڑے عرصہ بعد اپنے دل میں ہزاروں حسرتیں لیے چل بسے،ایک بیٹے نے جو پنڈی بھٹیاں کی ایک برلب سڑک مسجد کا امام تھا خودکشی کرلی،دوسرا جو پاؤں سے معذور تھا لاولد اس جہان سے اُٹھ گیا۔اس کے مقابل تینوں احمدی بیٹوں نے لمبے عرصے تک خدمتِ دین کی توفیق پائی اور عمر بھر مخالفتوں کے طوفانوں میں کوہ استقلال بنے رہے اور اب ان کی اولادیں پاکستان،انڈیا،ماریشس،کینیڈا،جرمنی میں پھل پھول رہی ہے جو محض خدا کا فضل اور اس کے خلیفہ موعود سیدنا محمود نور اللہ مرقدہ کی مقبول دعاؤں کا کھلا اعجاز ہے۔

(''اقلیم خلافت کے تاجدار'' از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 11 تا 13)

حضرت مولانا کی شفیق والدہ صاحبہ کی بیعت

مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد فرماتے ہیں یہاں مجھے اپنی شفیق اور مہربان والدہ محترمہ صاحب بی بی صاحبہ مرحومہ کے متعلق یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ان کے والد یعنی میرے نانا جان مرحوم کا نام شہامت اور میری نانی کا نام روشنائی تھا جن کا تعلق ڈھیرہ خاندان سے تھا اور اصل وطن رجوعہ ضلع جھنگ تھا۔ باوجودیکہ والدہ صاحبہ نے قیام پاکستان تک بیعت نہیں کی مگر انہوں نے نہ صرف احمدیت کو عظمت واحترام سے دیکھا بلکہ مرکز یا ضلع سے جو احمدی شخصیات پنڈی بھٹیاں میں رونق افروز ہوئیں ان کی خدمت کرنا وہ اپنے لئے موجب ثواب سمجھتی تھیں۔ جب وہ والد صاحب کے ساتھ اپریل 1949ء میں ربوہ کے پہلے جلسہ سالانہ میں شامل ہوئیں تو انہوں نے انکشاف کیا کہ خدا نے بذریعہ خواب پہلے ہی یہ بستی دکھادی کہ یہاں مسیح موعود کا قافلہ اترے گا جو میں نے سچ مچ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا ہے لہٰذا میں خدا کے اس سلسلہ میں علی وجہ البصیرت داخل ہوتی ہوں۔

(الفضل ربوہ 9 مئی 2002ء صفحہ 4)

حضرت مولانا در حبیب میں

مکرم مولانا صاحب لکھتے ہیں ''1933ء میں حضرت والد صاحب نے بیعت کی۔اس جلسہ میں بھی ان کے ساتھ قادیان گیا۔میری عمر اس وقت سات سال تھی۔مجھے یاد ہے کہ جب قادیان پہنچے تو مدرسہ احمدیہ کے عقب میں ڈھاب کے کنارے اور مجمع میں برصغیر پاک و ہند کے مشہور و معروف پنجابی شاعر اور حضرت مسیح موعودؑ کے رفیق خاص حضرت مولوی دلپذیر صاحب کی ایک پنجابی نظم پڑھی جارہی تھی جس کا ایک شعر ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے جو یہ ہے:

شالا قادیان شہر آباد روے
جتھے مہدی دی آل اولاد روے

اس پُر کیف شعر کے جذب وکشش کا اثر اب تک میرے قلب و دماغ پر قائم ہے اور کانوں میں اسکی گونج اب بھی سنائی دے رہی ہے۔'' (قلمی یادداشت)

''میرے والد صاحب کو مباہلہ میں احمدیت کی فتح کا اس درجہ یقین و وثوق تھا کہ جونہی میں نے پرائمری پاس کی آپ معیاد مباہلہ کے ختم ہونے سے کئی روز قبل ہی مجھے قادیان دارالامان لے گئے اور 21 اپریل 1936ء کو مجھے حضرت مسیح موعودؑ کی قائم فرمودہ مرکزی درسگاہ ''مدرسہ احمدیہ'' میں

داخل کرادیا تا فریق ثانی نے صداقت کی جس آواز کو مٹانے کیلئے اپنا ایڑی چوٹی کا زور لگالیا ہے وہ آواز میرے بیٹے کے ذریعہ بلند سے بلندتر ہوتی چلی جائے۔ خاکسار ان کے ہمراہ اس سے قبل جلسہ سالانہ 1935ء میں قادیان کی مقدس بستی کی زیارت کر چکا تھا۔

مدرسہ احمدیہ قادیان میں میرے داخلہ پر حضرت والد صاحب اور حضرت میاں محمد مراد صاحب نے دعائیں کیں اور میرے چچا میاں عبدالعظیم صاحب جلد ساز قادیان کی سرپرستی اور شفقت بھرے سلوک کی بدولت مجھے اس مقدس ادارہ سے منسلک ہونے اور حضرت مسیح موعود کے رفقائے خاص سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور مسلسل بارہ سال تک قادیان دارالامان کی پرکیف اور پرانوار بستی کی عظیم الشان اور محیر العقول برکات دیکھنے کا موقعہ نصیب ہوا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ محبوب خدا حضرت مسیح موعود کے نائب ونظیر سیدنا المصلح الموعود کی خدانما مجالس خطبات اور سالانہ جلسہ اور دوسری تقاریب کی تقاریر سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

قادیاں ہم عمر قیدی ہیں ترے
دھوپ میں اپنی کٹے یا چھاؤں میں
ہتھکڑی اس کی کشش کی ہاتھ میں
اور زنجیر محبت پاؤں میں

(حضرت حسن رہتاسی)

امام الزمان کی کفش برداری کے طفیل

یہ خدا کے فضلوں اور برکتوں کی اولین بارش تھی جس کے بعد اللہ جلشانہ نے مجھ نالائق، ناچیز اور لاشیء محض پر اپنے احسانات وتلطفات کے بے شمار دروازے کھول دیئے جن کا سلسلہ اب تک بلا انقطاع بلامبالغہ ہر لمحہ پوری شان وشوکت سے جاری ہے اور یہ آسمانی فیض اس عالی مقام امام الزمان کی کفش برداری کے طفیل ہے جس نے خدا کے فضلوں کا منادی بن کر یہ عالمگیر اور انقلاب آفریں پیغام دیا کہ:۔

میرے رب کی بات پوری ہوئی اور اللہ نے میرے حوض کو بھر دیا تب لوگ جلد جلد میرے دروازے پر آئے اور میں قطرہ سے سمندر بن گیا اور ذرہ سے عظیم پہاڑ اور حقیر پودے سے ایسے بڑے بڑے درختوں کی طرح جو پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ (ترجمہ از عبارت عربی الاستفتاء صفحہ 28)''

(الفضل ربوہ 10 مئی 2002ء صفحہ 3)

ارشاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''پس ہم نے ایسے نبی کا دامن پکڑا ہے جو خدانما ہے۔ کسی نے یہ شعر بہت ہی اچھا کہا ہے۔

محمد (ﷺ) عربی بادشاہ دو سرا
کرے ہے روح قدس جس کے در کی دربانی
اسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں
کہ اس کی مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

ہم کس زبان سے خدا کا شکر کریں جس نے ایسے نبی کی پیروی ہمیں نصیب کی جو سعیدوں کی ارواح کے لئے آفتاب ہے جیسے اجسام کے لئے سورج۔ وہ اندھیرے کے وقت میں ظاہر ہوا اور دنیا کو اپنی روشنی سے روشن کردیا۔''

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد نمبر 23 صفحہ 302)

شجرۂ نسب حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد

(تیار کردہ: مکرم نوید احمد صاحب ابن مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب)

قمر دین

- خدابخش
- رحمت اللہ — اہلیہ عالم بی بی
  - محمد عبداللہ — صاحب بی بی
    - دوست محمد شاہد — سلیمہ اختر
      - شاہدہ بشریٰ — اہلیہ مبارک احمد طاہر
        - محمد عطاء المحسن
        - عطیۃ الناصر ماریہ
        - محمد نداء النصر
        - محمد نداء الظفر
      - طاہرہ صدیقہ — اہلیہ محمد سرور بٹ
        - محمد احسان احمد
        - محمد عمران
        - محمد رضوان
        - میمونہ سرور
      - ناصرہ مبشرہ — اہلیہ خالد اقبال
        - ماہ نور خولہ اقبال
      - خالدہ سلطانہ — اہلیہ منور احمد عباسی
        - ظل ہما
        - حماد احمد عباسی
      - سلطان احمد مبشر — اہلیہ سائرہ سلطان
        - نوید احمد
        - ولید احمد
      - قانتہ بشریٰ — اہلیہ عبدالوہاب رازی
        - محمد علی شائل
        - حسین احمد کھوکھر
    - محمد یعقوب
    - محمد اسلم
    - محمد صادق
    - نسیم بی بی
  - غلام محمد
  - مریم بی بی
  - نور محمد
  - احمد
  - اللہ بخش
    - آمنہ
    - ماسٹر ظہور احمد
    - بشریٰ
    - عبدالرؤف
    - امۃ المتین
  - سکینہ بی بی
  - عبدالعظیم
    - خورشید احمد انور
    - عبدالعزیز اصغر
    - عبدالحفیظ ناصر
    - عبدالحلیم طاہر
    - عبدالحمید قمر
    - مسرت مبارکہ
    - عبدالریاض فضل
  - حلیمہ بی بی
- محمد دین
- احمد دین
- بخت بھری
- اللہ جوائی

میری امی جان

(مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب۔ ربوہ)

بیس سال گزرنے کے بعد امی کی یاد میں کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو یوں لگا جیسے کل ہی کی بات ہو۔ امی کا چہرہ، امی کی آواز، سب کچھ تازہ لگتا ہے اور گمان بھی نہیں گزرتا کہ ظاہری نگاہوں سے اب کبھی انہیں نہیں دیکھ پاؤں گا۔ یہی محسوس ہوتا ہے کہ دبے دبے وہ ابھی کہیں سے آنکلیں گی اور مجھے مبشر کہہ کر آواز دیں گی اور یہی وہ آواز ہے جس سے میرے کان شناسا ہیں اور سننے کے منتظر۔ یادیں ہیں کہ اُمڈی چلی آتی ہیں۔ آنسوؤں کی آبشار تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔

دل میں درد اٹھا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے کیا جانئے ہمیں کیا یاد آیا

کہا جاتا ہے کہ ایک کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ بات امی جان کے معاملہ میں بلاتردد کہی جاسکتی ہے۔ میرے ماں باپ خدا اُن سے ہمیشہ راضی رہے، وہ نیک وجود تھے جن کے بارہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے۔

''چاہئے کہ بیویوں سے خاوندوں کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے... رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے خَیرُکُم خَیرُکُم لِاَھلِہٖ تم میں سے اچھا ہے وہ جو اپنے اہل کے لیے اچھا ہے۔''

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 300،301)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بروح القدس فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے (...) معاشرے میں عورت کو ایک مقام دیا ہے اور اگر عورت نیک ہو، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے والی ہو، عبادت گزار ہو، بچوں کی نیک تربیت کرنے والی ہو تو اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے ایسی عورتیں وہ ہیں جن کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔''

(الفضل انٹرنیشنل یکم جولائی 2005)

میں یقین رکھتا ہوں کہ امی جان اپنے اس مقام کو پہچاننے والی اور اس کی مصداق تھیں۔

میری امی کا نام سلیمہ اختر تھا۔ امی جان کی پیدائش 22 فروری 1935ء کو ہوئی۔ آپ کے والد معروف شاعر احمدیت مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب شادؔ تھے۔

ناناجان کے مختصر کوائف

آپ 4 جنوری 1912ء کو مکرم میاں اللہ دتا صاحب (ابن میاں اللہ جوایا صاحب) ساکن کوٹ رحمت خان چک نمبر 22 ضلع شیخوپورہ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ نے 1926ء میں مڈل پاس کیا۔ بعد ازاں محکمہ امتحانات ''جے۔ وی'' اور ''ایس۔ وی'' بھی پاس کئے۔ مڈل پاس کرنے سے قبل آپ کو احمدیت سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ 1922ء میں آپ کے والد صاحب حلقہ بگوش احمدیت ہوگئے۔ اس موقع پر ناناجان بسلسلہ تعلیم گھر سے باہر تھے۔ اس لئے والد صاحب کی بیعت سے ان پر کوئی خاص اثر مرتب نہیں ہوا۔ آپ نے قرآن کریم

دوران پرائمری تعلیم ہی پڑھ لیا تھا۔ پرائمری سکول میں اپنے احمدی استاد مکرم ماسٹر محمد شریف صاحب سکنہ سہارن چٹھہ ضلع گوجرانوالہ کی وجہ سے نماز کی عادت پڑ گئی۔ مڈل پاس کرنے کے بعد جب آپ گھر واپس آئے تو بقول نانا جان گھر کا نقشہ ہی بدل چکا تھا۔ آپ کے والد صاحب نہایت مخلص احمدی تھے اور ناخواندہ ہونے کے باوجود (دعوت الی اللہ) کا بہت جوش رکھتے تھے۔ انہوں نے نانا جان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب ''کشتی نوح'' اور ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' پڑھنے کے لئے دیں۔ نانا جان نے اپنے طور پر بھی اور کئی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اس دوران آپ کو ''الفضل'' اخبار کے مطالعہ کا بھی موقع ملتا رہا۔ یہاں تک کہ 1926ء کے جلسہ سالانہ قادیان میں شرکت کے موقع پر حضرت مصلح موعود کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے حلقہ بگوشِ احمدیت ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

بے مثال ازدواجی زندگی

امی کا نکاح 3 ستمبر 1953ء کو سیدنا حضرت مصلح موعود (نوراللہ مرقدہ) نے پڑھا تھا۔ ایک واقفِ زندگی شوہر کے ساتھ واقفِ زندگی بن کر رہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے ابا جان سے کوئی بے جا فرمائش کی ہو۔ واقفین کی اور جماعت کی مالی حالت کا اندازہ ابا جان کے اس بیان سے لگ سکتا ہے۔

نکاح اور پہلی بیٹی کی پیدائش

ابا جان خود بیان فرماتے ہیں کہ جب میرے پہلے بچے کی پیدائش کا وقت آیا تو میری مالی حالت نہایت کمزور تھی۔ اس وقت ربوہ میں ایک کچے کوارٹر میں میری رہائش تھی جو ریلوے سٹیشن کے سامنے بنے ہوئے تھے۔ ضمناً یہ بات بھی عرض کر دوں کہ میرا نکاح حضرت مصلح موعود نے پڑھایا تھا۔ ان دِنوں الفضل بند تھا۔ وکالت تبشیر کے تحت ایک سرکلر بغرضِ اطلاع جایا کرتا تھا، اس میں یہ خبر بھی درج کر دی گئی۔ خیر ذکر ہو رہا تھا کہ دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ایک چھوٹا سا باورچی خانہ، معمولی صحن، مکرم چودھری ظہور احمد صاحب آڈیٹر میرے ہمسایہ تھے۔ سامنے مکرم عبدالرحمن شاکر صاحب کا مکان تھا۔ یہ 1955ء کی بات ہے۔ ریلوے سٹیشن بھی ابھی کچا تھا۔ جو معمولی سی تنخواہ ملتی تھی وہ دکاندار محمد بوٹا صاحب کے حوالے گزشتہ ماہ کے قرض کی ادائیگی میں چلی جاتی تھی۔ گھر میں مدت تک گوشت پکنے کا سوال نہیں ہوتا تھا۔ سبزی دال جو ملتی اللہ کا نام لے کر صبر شکر سے گزارا کر لیتے تھے۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ سوال بار بار اٹھنے لگا کہ بچے کی پیدائش پر اگر لڑکا ہوا تو دائی 10 روپے اور اگر لڑکی ہوئی تو 5 روپے لے گی۔ میرے پاس نہ تو 5 روپے ہیں اور نہ دس۔ میں سوچتا رہتا تھا کہ یہ خرچہ کہاں سے پورا ہوگا؟ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت عمومی طور پر ساری جماعت پر تنگی کے یہ حالات تھے۔ (قلمی یادداشت)

خلافت سے عقیدت

خلافت کے ساتھ امی جان کا تعلق عقیدت مندانہ اور وفادارانہ تھا لیکن شاید یہ فقرہ نامکمل رہے گا اگر یہ نہ لکھوں کہ یہ تعلق عشق سے بڑھا ہوا تھا۔ خلیفہ وقت کے احکامات کی بجا آوری اپنے اوپر فرض کر لیتیں۔ کوئی بھی تحریک ہوتی، مالی ہو یا کوئی اور، صدقِ دل سے بھرپور انداز میں اس پر لبیک کہنا اپنا فرضِ اولین سمجھتیں۔ غربت اور مالی کشائش نہ ہونے کے باوجود ہر مالی قربانی میں مقدور بھر حصہ لیا۔

ابا جان بتایا کرتے تھے کہ حضرت مصلح موعود کی زندگی کا آخری جمعہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے پڑھایا۔ اس سے قبل عموماً حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب پڑھاتے تھے۔ امی نے ابا کو بعد میں کہا کہ میں تو سمجھ گئی تھی۔ اس میں خدائی اشارہ ہے کہ اگلے خلیفہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ہوں گے۔ احمدیت کی صداقت پر سورج کی روشنی سے بڑھ کر یقین تھا۔ یہی بات اپنے بچوں کے ذہنوں میں راسخ کی۔

امی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں ساگ اور مکئی کی روٹیاں بھجوانے کی سعادت حاصل کرتیں۔ بچپن میں میں ایک دفعہ بیمار ہوگیا۔ اتنا بیمار کہ زندگی داؤ پر لگ گئی۔ میرے والدین نے حضور کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کیا۔ اکلوتا فرزند ہونے کی وجہ سے تشویش تو تھی مگر مایوسی نہیں۔ خدا نے تضرعات کو سُنا اور مجھے نئی زندگی عطا کی۔

نمازوں اور تلاوت میں باقاعدگی

پنجوقتہ نماز اُن کی روح کی غذا تھی اور ہمیں پڑھوانے پر مُصر۔ قرآن مجید سے بے پناہ عشق، امی کو قدرت نے ودیعت کر رکھا تھا۔ روزانہ تلاوت ان کا معمول تھا۔ ہمیں روزانہ تلاوت کروانا انہوں نے اپنا فرض سمجھ رکھا تھا۔ دعاؤں میں ہی ان کا دل لگتا تھا۔ دعاؤں سے ہماری مدد کرتیں۔ کسی بھی وقت میں نے انہیں مایوس نہیں دیکھا۔ میرے بزرگ والدین خدا کے حضور جھکتے رہے۔ اور ہمیشہ ہی خدا نے ان کی دعاؤں کی لاج رکھی۔ الغرض ایک جنت نظیر گھر تھا۔

صبر و تحمل کا مظاہرہ

1974ء کی بات ہے۔ میرے ماموں مکرم محمد الیاس عارف صاحب کو 14 جون کو ٹیکسلا میں شہید کر دیا گیا۔ وہ دن بھی قیامت کا تھا۔ ہمیں ربوہ میں اطلاع ملی۔ امی نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ آہ و بُکا کی بھی تو خدا کے حضور۔ حالات خاصے خراب تھے اگلے دن گاؤں سے ہمیں ایک آدمی لینے کے لئے آ گیا۔ ابا جان نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے اجازت لے کر ہم سب کو ننھیال چک چھور 117 بھجوا دیا جہاں ہم کچھ ماہ رہے۔ پہلے حالات کی خرابی کی بناء پر پھر صمدانی کورٹ اور قومی اسمبلی میں شرکت کی وجہ سے ابا جان ایک سال تک گاؤں باقاعدہ افسوس کے لئے بھی نہ جا سکے۔ امی نے اور نہ ہی ہمارے ننھیال نے کوئی شکوہ کیا کہ مولوی صاحب کیوں نہیں آئے۔ اس لئے کہ انہیں علم تھا کہ ابا نے جماعتی مفاد کو ہمیشہ ذاتی کاموں پر مقدم رکھا ہے۔

عظیم شوہر کی خدمت

ابا جان کے اوقات کا بہت خیال رکھتیں۔ صبح فجر کی نماز سے قبل ہی ساری exercise شروع ہو جاتی۔ ابا جان نماز فجر اور سَیر کے بعد گھر آتے۔ تلاوت کرتے اور پھر غسل اور ناشتہ کرتے اور اس طرح دفتر کے لئے تیاری ہو جاتی۔

ابتداء میں بجلی کی استری تو تھی نہیں۔ نہ ہی سوئی گیس ہوا کرتی تھی۔ کوئلوں والی استری کے ذریعہ ابا جان کے کپڑے وقت پر استری کرتیں۔ اور دیگر تیاری کرتیں۔ سردی کے موسم میں پانی، لکڑیوں کے ذریعہ گرم کر کے غسلخانہ میں رکھتیں۔ ابا جان کا ناشتہ بھی لگا بندھا ہوتا تھا، انڈا اور چائے۔

وہی تیار کرنا ہوتا تھا۔اس کے لئے رات کو ہی اس بات کی تسلی کرلیتیں کہ مطلوبہ اشیاء موجود ہیں۔غسلخانہ میں صابن، تولیہ، کنگھی اور کپڑوں وغیرہ کی فراہمی اس طرح ہوتی کہ ابا جان کو ان چیزوں کے لئے نہ تو کہنا پڑتا نہ ہی وقت کا ضیاع ہوتا۔

ہاں یاد آیا۔ دفتری بجٹ تو تھا ہی نہیں۔ دس گیارہ بجے ابا کو دفتر میں چائے یا دودھ وغیرہ بھجوانا بھی التزام سے کرتیں۔دوپہر کے وقت کھانے کا خاص اہتمام کرتی تھیں کیونکہ ابا جان مرچ زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ جب بھی ابا آتے ،انہیں توے پر گرم روٹی پکا کر دیتیں۔رات کو ابا جان بہت دیر سے دفتر سے لوٹتے تھے۔رات کے بارہ ایک تو معمول کی بات تھی۔اُس وقت اٹھ کر ابا جان کو چائے یا دودھ وغیرہ پیش کرنا یا طبیعت کے لحاظ سے اُس وقت کوئی اور چیز بنا کر دینا اور پھر چند گھنٹے کے بعد دوبارہ اٹھ کر وہی معمول۔ سردی ہو یا گرمی، ابا جان پانی گرم پیتے تھے لہذا اس کا خاص خیال رکھتیں۔یہ سب کچھ لکھ دینا نہایت آسان ہے مگر آج بھی سوچتا ہوں تو لرز اٹھتا ہوں کہ اپنے عظیم خاوند کے اوقات کی قدر کرنا اور انہیں گھریلو پریشانیوں سے کامل طور پر دور رکھنا ،ایک جہدِ مسلسل تھا جو امی جان کی زندگی کا بہت بڑا خاصہ تھا۔یوں لگتا تھا کہ انہیں کسی اور کی کوئی پروا نہیں۔دھن ہے تو بس یہی کہ اپنے واقفِ زندگی شوہر کا لمحہ لمحہ دین کی خدمت میں صَرف ہو۔

ابا جان دوپہر کو گھر آتے تو گویا کرفیو لگ جاتا۔امی کی نصیحت تھی کہ وہ تھکے ماندے گھر کو آئے ہیں اور پھر دوبارہ بھی دفتر جانا ہے اس لئے ان کے آرام میں کوئی مخل نہ ہو۔ ہمیں شور تو کجا ہلکی آواز سے بات کرنا بھی دوبھر ہوتا۔شروع شروع میں ہمارے گھر میں ایک ہی سیلنگ فین تھا(جو پتہ نہیں ابا جان نے کس طرح مشقت اٹھا کر میری پیدائش پر لگوایا تھا۔)اور یہ حالت 1980ء تک قائم رہی۔اس لئے مجبوری تھی کہ ایک ہی کمرے میں ہمیں آڑے ترچھے تین چار چارپائیوں پر لیٹنا ہوتا تھا۔محسوس تو ہوتا تھا مگر ابا جان کی خاطر امّی کے حکم کی تعمیل کرنا ہی پڑتی تھی۔

ابا جان کے لئے کپڑوں کی تیاری، ناشتہ، کھانا، آرام غرضیکہ ہر کام ایک نظام الاوقات کے مطابق چلا کرتا۔امّی نے اپنے آپ کو اس کام میں اس طرح پیوست کر رکھا تھا کہ شاید ہی کوئی دقت ابا جان کو ہوئی ہو۔ابا کو جماعتی سفروں پر بھی جانا پڑتا۔ان میں بیرونی ممالک کے سفر بھی ہوتے تھے۔اُن کی ساری تیاری خود کرتیں۔ کپڑے، جراب، بنیان، کنگھی، پگڑی، صابن غرضیکہ ہر چیز تیار ہوتی یہاں تک کہ شلواروں میں آزار بند بھی ڈال کر دیتیں۔ہر چیز کو سلیقے کے ساتھ اس طرح رکھتیں کہ ابا جان کو مشکل پیش نہ آئے اور ان کا وقت ضائع نہ ہو۔

گھریلو ذمہ داریوں کی بجا آوری

امی نے ابا جان کی دینی ذمہ داریوں کی بجا آوری کے لئے اُن کو گھر کے کام کاج سے بری الذمہ کر رکھا تھا۔گھر میں کیا پکنا ہے۔راشن آنا ہے تو کتنا۔کپڑے، بچوں کی تعلیم کی ذمہ داریاں۔ان کی براہِ راست ذمہ داری لینے کی ابا جان کو ضرورت ہی نہیں پڑنے دی۔وہ کہتی تھیں کہ تمہارے ابا کی جماعتی ذمہ داریاں ایسی ہیں کہ گھریلو پریشانیوں سے انہیں کلیۃً آزاد رہنا چاہیے اور حقیقتاً ایسا ہی انہوں نے کیا۔

مجھے نہیں یاد کہ کبھی ہم نے ابا جان کو اس بارہ میں کچھ عرض کیا ہو۔کوئی چیز چاہیے ہو، سفر پر جانے کی اجازت درکار ہو، یہ سارا کام امّی ہی کرتی تھیں۔ وہی ابا جان سے پوچھتیں اور ہمارے کام ہو جاتے۔

ذیلی تنظیم میں خدمات

امّی صرف مڈل پاس تھیں مگر خط خوبصورت تھا۔لجنہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتیں۔مکرم مولانا عبدالمالک خان صاحب کی اہلیہ ہمارے حلقہ کی صدر لجنہ تھیں۔آپ اپنے گروپ کی گروپ لیڈر تھیں۔سیکرٹری خدمتِ خلق بھی رہیں۔ لجنہ کے کاموں میں ہمارا محلّہ بہت فعال تھا۔ ہفتہ وار اجلاسات، مینا بازار، صنعتی نمائش، علمی مقابلے۔ان کی روح رواں ہماری امّی ہی ہوتی تھیں۔مینا بازار کے لئے چیزوں کی تیاری خصوصاً چنے کی چاٹ کی تیاری تو دو دن پہلے سے ہی شروع ہو جاتی۔پھر حلقہ میں شادی اور غمی کے موقع پر سب سے پہلے پہنچ کر انتظامات سرانجام دیتیں۔لجنہ نوازیوں کی وجہ سے بھی ہمارے گھر میں خواتین کا آنا جانا لگا رہتا۔ہر ماہ کے آخر پر ساری کارگزاری کی تفصیلی رپورٹ صدر لجنہ کو لکھتیں۔ہر دفعہ ہی ان کا گروپ پہلی تین پوزیشنوں میں ہوتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ 1971ء کی جنگ میں لجنہ مرکزیہ نے حضور انور کے ارشاد پر پاکستانی فوج کے لئے صدریاں سینے کی ذمہ داری اٹھائی۔ ہمارے گھر میں ایک طرف تو صدریاں امّی خود سیتیں اور دوسری طرف حلقہ سے اکٹھا کر کے مرکز بھجواتیں۔

قناعت

مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے ساری زندگی کوئی مطالبہ ابا جان سے کیا ہو۔یہی عادت انہوں نے ہمیں بھی ڈالی۔ابا جان سے ہم نے کبھی بھی براہِ راست نہیں مانگا۔مجھے یاد ہے ابا جان کا ماہوار الاؤنس دفتر اصلاح وارشاد یا دفتر خزانہ صدر انجمن سے چھٹی کلاس سے میں ہی لے کر آتا تھا اور امی کو دے دیتا۔وہ اس محدود رقم سے سارے ماہ کا خرچ کس طرح کرتیں؟۔ساری ذمہ داریوں کی ادائیگی کس طرح ہوتی تھی؟۔یہ وہ یا اُن کا خدا جانتا ہے۔ہمیں تو یہ پتہ ہے کہ خدا کے فضل کا خاص سایہ تھا۔ سفید پوشی کا بھرم انہوں نے قائم رکھا۔قناعت خود بھی اختیار کی اور ہمیں بھی اس پر کاربند کیا۔محدود آمدنی اور وسائل میں لباس کا خیال بھی رکھا، مہمان نوازی بھی کی۔ ہمارے ننھیال گاؤں سے بھی کبھار کچھ چیزیں بھیج دیتے۔

سوال نہ کرنے کی عادت

امی جان کو کبھی کبھار قرض بھی لینا پڑتا جو مجھے یاد ہے شاید دس روپے یا پانچ روپے ہوتا ہوگا۔وہ بھی وقت پر ادا کردیا۔لیکن سوال کرنے کی عادت تھی اور نہ کبھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔جیسا کہ مَیں نے عرض کیا۔خود بھی قناعت کی اور ہمیں بھی یہی سکھایا۔کسی کے مال، دولت، وجاہت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

میں ان کا اکیلا بیٹا تھا جو چار بیٹیوں کے بعد ہوا تھا۔ میرے بعد ایک بہن بھی تھی۔ مجھ سے بہت پیار کیا مگر ہر گز ایسا نہیں کہ مزاج ہی بگڑ جائے۔گھر کی مالی حالت ایسی تھی کہ نئے کپڑے قسمت سے ہی شاید عید پر نصیب ہوتے۔دو چار دفعہ تو لنڈے سے کپڑے لے کر پہنا دیئے جو میں نے پہن تو لئے مگر ناک بھوں سکیڑ کر۔اُس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ

مستعمل کپڑوں کو کاٹ کر میرے سائز کے مطابق سی دیا۔ چمڑے کے بوٹ مجھے شاید ایف ایس سی کے بعد نصیب ہوئے۔ پلاسٹک کے جوتے نئے نئے آئے تھے، چونکہ سستے تھے اس لیے خرید لئے۔ خود اچھی سلائی کر لیتی تھیں۔ ہم بہن بھائیوں اور ابا جان کے کپڑے وہی سی لیا کرتیں۔ درزی سے سلوانے کا تو ذکر ہی نہیں۔ انہی کے ہاتھوں کے بُنے ہوئے سویٹر ہوتے جو ہم زیب تن کرتے۔ لندن گئیں تو وہاں بھی خواتین کے کپڑے سی دیئے۔ ذہن کے کسی حصہ میں نہیں آیا کہ کتنے بڑے آدمی کی بیوی ہوں۔

شجاعت

پچاس کی دہائی میں دارالنصر ایک بیابان ہی تھا۔ یہاں چند گھر تھے ربوہ کے آخری حصہ پر۔ ابا جان دورہ پر چلے جاتے تو پیچھے امی میری کم عمر بہنوں کے ساتھ دلیری کے ساتھ رہتیں بلکہ ربوہ موجودگی میں بھی ابا جان صبح کے وقت دفتر (نزد بیت مبارک) آتے، رات گئے ہی لوٹتے تھے۔

1974ء کے ایام بھی مجھے یاد ہیں۔ فیڈرل سیکورٹی فورس نے خلافت لائبریری کو گھیرے میں لے لیا۔ دفاتر صدر انجمن احمدیہ کے عقبی میدان کی دیواریں نہیں تھیں اور لائبریری سے کوارٹرز نظر آتے تھے۔ امی ایک بہادر شیر کی طرح گھروں میں تسلی دینے نکل پڑیں۔ سب کی ہمت بندھائی اور صبر کی تلقین کی۔ گھروں میں لجنہ کی ہدایات پہنچانا اوران پرعمل درآمد کروانے کے لئے نہایت مستعد ہوتیں۔

پُروقار سادگی

میری امی بہت سادہ تھیں بلکہ سادہ تر تھیں مگر اس سادگی میں بھی ایک وقار تھا۔ کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوئیں۔ عورتوں میں بات بڑھانے کا ملکہ ہوتا ہے مگر امی نے کبھی شیخی نہیں بگھاری۔ نہ ہی اپنی کمزور حالت کا رونا رویا۔ جو بھی موجود تھا، اُسی کو کافی سمجھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ صاف لباس، صاف گھر، صاف دل۔ خرچ کے معاملہ میں احتیاط پسند تھیں۔ فضول خرچی کا تو کوئی موقع تھا نہ محل۔

رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک

رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک امی کی طبیعت کا جزو لاینفک تھا۔ ہمارا گھر ہمارے رشتہ داروں کی آماجگاہ رہا۔ یہ رشتہ دار ہمارے ننھیال کے بھی ہوتے تھے اور ددھیال کے بھی۔ ابا جان تو اپنی مصروفیات کی بناء پر کہیں آتے جاتے نہیں تھے۔ چنانچہ خوشی غمی وغیرہ کی تقریبات اور دیگر رشتہ داریاں نبھانا امی نے اپنے فرائض میں داخل کرلیا تھا۔ ہمارے دُودھیال میں بہت سے عزیز ابھی بھی غیر احمدی ہیں۔ اُن سے میل ملاقات ایسی مثالی اور بامروت تھی کہ وہ اب بھی امی کو یاد کرتے ہیں۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی امی کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ ابا جان کی وجہ سے اور پھر ربوہ کا پرانا ماحول ایسا خوبصورت تھا کہ آنا جانا لگا رہتا۔ مہمانوں کی کثرت دیکھ کر کبھی بھی گھبراتے ہم نے نہیں دیکھا۔ ابا جان کی عادت تھی کہ کوئی بھی آئے تو مشروب پیش کرنا ضروری سمجھتے۔ بعض اوقات تو ابھی دروازے پر دستک ہوتی تو شربت یا چائے لانے کا حکم صادر ہو جاتا۔ ہم مذاق میں کہتے کہ مہمان کو آتو لینے دیں۔ یہی حال امی کا تھا۔ اِدھر

مہمان آیا اُدھر مہمان نوازی شروع۔ جو بھی حاضر ہوتا، بے تکلفی سے پیش کر دیا جاتا۔ ہمارے گھر میں دعوتوں کا موسم بھی عام تھا۔ سادگی کے ساتھ کھانا مہمان کے آگے رکھ دیا جاتا لیکن یہ ضرور خیال رہتا کہ مہمان کی عزت افزائی میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

ہمارا گھر، سب کا گھر

ہمارے بہت سے عزیزوں نے ہمارے ہاں رہ کر تعلیم پائی۔ محدود وسائل کے باوجود امی کی زبان پر کبھی شکوہ نہیں آیا۔ ہم بہن بھائیوں کی طرح ہی بلکہ بعض اوقات ان سے بہتر سلوک ہوتا۔ پہلے ہمارے چچا مکرم محمد صادق ظفر صاحب اور پھر ماموں مکرم ناصر احمد ظفر صاحب ہمارے پاس رہے۔ ماموں محمد ادریس عابد صاحب، خالہ، پھوپھی اور ماموں زادوں کا رہنا تو ہماری ہوش کی بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے بے انتہا برکت عطا کی ہوئی تھی۔ اب سوچتے ہیں کہ کبھی تنگی کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ امی نے گھر داری بفضلہٖ تعالیٰ اس طرح سنبھالی ہوئی تھی کہ تھوڑا بھی بہت محسوس ہوتا تھا۔

کوارٹروں کے ابتدائی ایام بھی نظروں کے سامنے ہیں۔ واٹر سپلائی تھی نہ سوئی گیس۔ نلکا تھا تو سہی مگر نمکین پانی ہونے کی وجہ سے اکثر اس کا فلٹر بلاک ہو جاتا۔ جب گولبازار والی ٹینکی بنی تو ہم بالٹیوں میں پانی وہاں سے بھر لاتے۔ چولہے کے لئے پلچھی نامی جھاڑی پٹھانوں سے خریدی جاتی۔ امی چولہے کو لیپ کرتی رہتیں۔ اسی چولہے پر صبح صبح پراٹھا چائے کے ساتھ بنا کر ہم بچوں کو دے دیتیں۔

اس سادہ ناشتہ میں کتنا مزہ تھا، بیان نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے سب کپڑے وہی سیتی تھیں۔ خدا تعالیٰ نے مہارت دی ہوئی تھی۔ سردیوں سے پہلے لحافوں کو اُدھیڑ کر اس کی روئی کو دھنوایا جاتا۔ اور پھر مشین سے آنے کے بعد گھر پر ہی امی اسے نگندوایا کرتیں۔

جلسہ سالانہ کے ایام

جلسہ سالانہ کے ایام سے قبل تو امی خاص طور پر مصروف ہو جاتیں اور مسیح پاکؑ کے مہمانوں کے لئے چیزوں کی تیاری شروع کر دیتیں۔ ان دنوں میں بلا مبالغہ ہمارا کوئی بھی کمرہ بلکہ باورچی خانہ بھی مہمانوں سے خالی نہ ہوتا تھا۔ صحن میں ایک چھولداری بھی لگوالی جاتی۔ لنگر خانہ سے کھانا تو آتا تھا مگر بیماروں اور دیگر مہمانوں کے مزاج کے مطابق کھانے کا علیحدہ بھی خاص اہتمام کرتیں۔ چائے کا تو ذکر ہی کیا، وہ تو ہر وقت تیار ہی رہا کرتی تھی۔ مہمانوں کے آرام و آسائش کا حتی المقدور خیال رکھتیں۔ مَیں نے کبھی کسی مہمان سے امی کو ناراض ہوتے نہیں دیکھا۔ مہمان ہمارے گھر سے خوش ہی جاتے اور مدتوں امی کو یاد رکھتے۔ اب بھی اُن میں سے کوئی مل جائے تو اپنے نیک جذبات کا اظہار کئے بغیر نہیں رہتا۔

مریضوں کی عیادت

مریضوں کی عیادت تو شاید اُن پر فرض تھی۔ محلّہ میں، محلّہ کے باہر، ربوہ میں، ربوہ سے باہر عزیزوں کے بیمار ہونے کی خبر پتا چلتی تو بیمار پُرسی کے لئے پہنچ جاتیں۔ عزیزوں کی خدمت نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ کرتیں۔ ہماری خالہ کے ہاں بچے کی پیدائش متوقع تھی۔ ان

کی تشویشناک صحت کے پیشِ نظر اُن کے پاس لاہور جاکر رہیں۔ ہمارے ممانی اہلیہ مکرم محمد الیاس عارف صاحب شہید کے ہاں اُن کی شہادت کے بعد پیدائش متوقع تھی۔ تو ممانی کو اپنے پاس ربوہ لے آئیں۔ سارے مراحل یہاں طے کروائے اور بچے کی دیکھ بھال اور کپڑوں کی تیاری شوق سے کی۔ اسی طرح قادیان سے چچا خورشید احمد صاحب انور تشریف لائے تو ان کی بیٹی کی پیدائش پر حتی المقدور خدمت کی۔ ہماری چچی اُن کی نیک یادوں کو اب بھی دل میں بسائے ہوئے ہیں۔

ہمسائیوں سے حسن معاشرت

امی شادی کے بعد سٹیشن کے سامنے کچے کوارٹرز اور پھر دارالنصر میں رہیں۔ وہاں کے ہمسائیوں سے سلوک دینی تعلیمات کے مطابق تھا۔ ربوہ کا وہ ماحول کتنا خوبصورت تھا، کتنا حسین تھا، ہر ہمسایہ اپنا ہی تھا۔ ان میں اتنی اپنائیت تھی کہ ذکر ہی کیا۔ اس اعتبار سے ہمارے ماموؤں، خالاؤں، چچاؤں کی بھاری تعداد بن گئی تھی۔ مثلاً خالہ نصیرہ، خالہ رفیعہ، ماموں مجید، وغیرہ وغیرہ۔ وہ تو ایک عرصہ بعد پتہ چلا کہ یہ سب رشتے ''اعزازی'' ہیں۔ پرانے ہمسائے گھر آتے یا راہ چلتے مل جاتے تو امی کا حال دیکھنے والا ہوتا۔ بس نہیں چلتا تھا کہ ان کی خدمت کا حق کیسے ادا کریں۔

احسان مندی کا جذبہ

احسان مندی کا جذبہ بہت تھا۔ جس کسی نے بھی اُن سے ادنیٰ سا خیر بھی کیا، اُن کا تذکرہ ممنونیت کے ساتھ کرتیں۔ شروع سے گھر میں خود اپنے ہاتھ سے کام کیا۔ کبھی کبھار گاؤں کی کوئی عورت آجاتی اور کام کرنے کی خواہش کرتی تو اس کی ممنون بھی ہوتیں اور مہمان سمجھ کر خدمت کرتیں۔

باہمی احترام

ہمارے بزرگ والدین کو خدا تعالیٰ نے ایک دوسرے کے لئے ہی بنایا تھا۔ ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھنے والے، ایک دوسرے کا احترام کرنے والے۔ میری بہنوں کے رشتے آئے تو سب سے پہلے اس بات کو دیکھا جاتا کہ جماعتی طور پر کیسا ہے؟ پھر باقی باتوں کی طرف دھیان دیا جاتا۔ ابا جان امی کی رائے کو اہمیت دیتے لیکن اگر ابا جان نے کوئی فیصلہ کرلیا تو پھر امی بھی سر جھکا دیتیں۔

مَیں نے اپنی ہوش میں اپنے والدین کو لڑتے نہیں دیکھا نہ بلند آواز میں آوازہ کستے۔ تنہائی میں کبھی اختلاف کا اظہار کر لیتے ہوں تو پتہ نہیں ورنہ حقیقت وہی تھی جو بیان کی گئی ہے۔ کبھی ابا جان کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہوجاتی تو ابا جان ایک ادھ فقرے میں اپنی ناراضگی کا اظہار کردیتے۔ کبھی امی نے آگے سے جواب نہیں دیا۔ خاموش ہو جاتیں اور پھر موقع کے مطابق بعد میں صورتحال کی وضاحت کر دیتیں۔ دونوں خدا کے فضل کے ساتھ ہم آہنگ تھے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت

ابا جان کی مصروفیات کچھ اس طرح تھیں کہ صبح سے شام بلکہ رات گئے تک دینی کاموں میں مصروف رہتے۔ بلا مبالغہ کئی کئی دن ایسے بھی آتے جب کہ ابا جان کی شکل دیکھنی بھی نصیب نہ ہوتی۔ پھر ربوہ کے باہر دوروں پر جانے کی وجہ (کہ آج کل کی طرح کاروں کا زمانہ تو تھا نہیں۔ ٹرینوں

بسوں پر جانا ہوتا اور لاہور کے سفر کے لئے بھی کم از کم تین دن ربوہ سے باہر رہنا پڑتا) ابا جان کی غیر حاضری لمبی ہو جاتی۔ ان کی غیر موجودگی میں ہم بہن بھائیوں کی تربیت اور تعلیم کی ذمہ داریوں امّی نے احسن طریق پر نبھاہی۔ نمازیں، تلاوت، سکول کی پڑھائی وغیرہ امی ہی کرواتی تھیں اور اس ضمن میں کبھی کبھار سختی بھی کر لیتیں۔ ہاں یاد آیا ابا جان اگر کبھی ہم سے کسی بات پر خفا ہوتے تو پھر دل گُردے کے ساتھ سفارش بھی امی کو ہی کرنا ہوتی تھی۔ اور اکثر اس میں کامیاب رہتیں۔ قرآن کریم کی آیات، نظمیں اور دیگر معلومات وغیرہ یاد کرواتیں۔ چنانچہ آج بھی بہت کچھ یاد ہے۔ یہ سبق یاد آتے ہیں تو زبان امی کے لئے جذبات تشکر سے لبریز ہو جاتی ہے۔ کیسے مبارک وجود تھے جن کی گودوں سے یہ ایمان افروز چشمے اُبلتے تھے!!۔

کبھی کبھی امّی مجھ سے ناراض ہوتیں تو صرف اتنا کہتیں کہ مبشر تمہیں پتا نہیں کہ میں نے خدا سے کتنی دعائیں مانگ کر تمہیں لیا ہے! میرا رات کو باہر زیادہ دیر تک رہنا امی کو منظور نہیں تھا۔ لیکن جماعتی کاموں کے لئے اس کی کوئی قید نہیں تھی۔ امّی کی تسلی کے لئے یہی بتانا کافی تھا کہ فلاں جگہ مصروفیت تھی۔

ایک دوسرے کا لباس

قرآن کریم نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔ آج جب یہ دونوں جہانِ جاودانی میں جا چکے ہیں تو دِل بے اختیار یہ گواہی دیتا ہے کہ میرے پیارے والدین اس کے حسین مصداق تھے۔ اور انہوں نے کبھی اپنے لباس کو داغ دار نہیں ہونے دیا۔

ابا جان کی برائی کرتے میں نے امی کو نہیں سُنا خواہ کیسے ہی حالات ہوں۔ زندگی کے آخری دنوں میں کبھی کبھار اس خواہش کا محبت بھرا اظہار ضرور کر دیتیں کہ تمہارے ابا میرے پاس بیٹھتے تو اچھا لگتا۔ لیکن انہیں پتہ تھا کہ ابا کو سلسلہ کی خدمت مرغوب ہے۔ اس لئے کبھی شکوہ نہیں کیا۔

اپنے شوہر کی اطاعت حکمِ نبوی کے بموجب کی اور ان کو راحت وسکون پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ 1974ء کے فسادات میں اور قومی اسمبلی میں مصروفیات اور 1984ء میں شرعی عدالت کی بناء پر ابا جان کو مہینوں باہر رہنا پڑا مگر کوئی شکوہ نہیں کیا۔ 1982ء میں ابا جان قید ہوئے۔ ایک دن حوالات میں گزارنا پڑا۔ پھر 1988ء میں گوجرانوالہ میں قید ہوئے اور چار دن بعد رہائی ملی۔ 1990ء میں امی بیمار ہی تھیں کہ ابا جان کو دو سال قید بامشقت اور پانچ ہزار روپے جرمانے کی سزا سنا کر سنٹرل جیل گوجرانوالہ میں پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ اس خبر نے ان کی بیماری کو اور بھی بڑھا دیا۔ لیکن اس کے باوجود صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ دعاؤں پر زور دیتی تھیں۔ میں ہر دوسرے تیسرے روز جیل میں ابا جان کو ملنے جاتا۔ واپسی پر ابا جان کا حال پوچھتیں اور اپنی تشویش کا اظہار کرتیں۔ ایک دن کہنے لگیں کہ رات بے چینی میں گزری ہے پتہ نہیں تمہارے ابا فرش پر کس طرح جیل میں سوتے ہوں گے۔ اسیری نے امی کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالا اور ابا جان کی جیل سے رہائی (3 مئی 1990ء) کے چند دن بعد (22 مئی 1990ء) آپ خدا کے

حضور حاضر ہوگئیں۔

غرباء سے ہمدردی اور خدمتِ خلق

غرباء سے ہمدردی اور خدمتِ خلق ان کی وہ خوبیاں تھیں جن کی یاد میرے دل میں ابھی بھی تازہ ہے۔ باوجود عُسرت کے، غرباء کی امداد اور دیگر لوگوں کی خدمت کر کے لذت محسوس کرتیں۔ دِل اُن کے لئے کٹ جاتا تھا۔ پیسے نہ ہوتے تو کھانا پیش کردیا۔ گندم نکال کردے دی۔ کپڑے حاضر کردیئے۔ ایسا بھی ہوا کہ اُن کے لئے کپڑے اپنے ہاتھ سے سی دیتیں۔

نظافت

اَلنَّظَافَةُ مِنَ الْاِیْمَان کے مطابق صفائی اُن کی عادتِ ثانیہ تھی۔ سارے گھر میں جھاڑو لگانا، اپنے ہاتھوں سے سارے ٹبر کے کپڑے دھونا۔ پھر کھانا پکانا اور کھلانا، برتنوں کی دُھلائی، بستروں کی ستھرائی وغیرہ، ہر چیز کو ترتیب اور قرینے سے رکھنا کیسے بھلاؤں؟۔

صلح جوئی کی عادت

امی کی سیرت کا تذکرہ نامکمل رہے گا اگر اُن کی صلح جوئی کا ذکر نہ کروں۔ اپنے بہن بھائیوں میں بڑی تھیں۔ اپنے سسرال میں بڑی بہو تھیں۔ عزت واحترام کا مقام تھا۔ گھروں میں کئی تلخ باتیں ہوجاتی ہیں مگر خدا کی یہ بندی الصلح خیر کا علَم ہی بلند کرتی رہیں۔ اگر کسی نے امی کے بارہ میں ناواجب بات کر بھی دی تو کمال حوصلہ کے ساتھ اُسے صفحۂ دِل سے اس طرح مٹا دیا کہ پھر کبھی اس بارہ میں بات نہیں کی۔

سسرال کی خدمت

اپنی ساس اور سُسر کا خیال رکھا۔ ہمارے دادا مکرم حافظ محمد عبداللہ صاحب کا خاص خیال رکھتیں۔ وہ معلم اصلاح وارشاد کی حیثیت سے مختلف جگہوں پر متعین رہے۔ جب کبھی ربوہ آتے تو حتی الوسع ان کی خدمت کرتے ہم نے انہیں دیکھا۔ دو تین دفعہ تو مجھے یاد ہے دادا جان بیمار ہوکر ہمارے پاس آئے بلکہ اُن کی وفات بھی یہیں ہوئی۔ ان کی خدمت باپ سمجھ کر کی اور کبھی اشارۃً بھی جتلایا نہیں۔ دادا جان بھی امی کے قدردان تھے اور اپنی دعاؤں سے نوازتے۔

بچوں پر شفقت

اپنی اکلوتی نرینہ اولاد سے کسے پیار نہیں ہوتا۔ امی نے مجھے بہت بہت پیار دیا مگر لاڈ کا ایسا مظاہرہ نہیں کیا جو بگاڑ کر رکھ دے۔ اپنی بچیوں سے بھی برابر شفقت کا سلوک کیا۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ امی کہا کرتی تھیں۔ مَیں تمہیں نیک، لائق، خادمِ دین دیکھنا چاہتی ہوں۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشاد پر خاکسار پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد میں داخل ہوا تو پھر میرے جلد ڈاکٹر بننے کی آرزو اُن کے دِل میں مچلنے لگی۔ مَیں روزانہ ربوہ سے فیصل آباد جاتا کیونکہ گھر کے کام کاج مجھے سرانجام دینا ہوتے تھے۔ میرے لئے انہوں نے بہت دعائیں کیں۔ مجھے ابھی تک یاد ہے مشکل پڑھائی کی وجہ سے جب میں دِل چھوڑ دیتا تو وہ میری ہمت بندھاتیں اور دعاؤں سے سہارا دیتیں۔ بلکہ میرے دوستوں کو گھر بُلا کر مجھے پڑھانے کا کہتیں اور اپنے

دستور کے مطابق اُن کے خورونوش کا بھرپور بندوبست کرتیں۔ جب میں ڈاکٹر بن گیا تو اُن ایام میں امی اپنی آخری بیماری میں تھیں۔ ملنے والوں سے کہتیں کہ پتہ نہیں میرا مبشر ہسپتال میں کیسا لگتا ہوگا۔ انہیں بڑی حسرت تھی کہ مجھے ہسپتال میں کام کرتا دیکھیں مگر موت نے انہیں اس کی مہلت نہ دی۔

وفات کا دن

امی کی وفات کا دن میں کبھی بھلا نہیں سکوں گا۔ امی بیمار تو تھیں مگر بخدا کبھی وہم بھی نہیں گزرا تھا کہ میری یہ دعا گو محبوب والدہ اتنی جلدی ہمیں چھوڑ جائیں گی۔ 22 مئی 1990ء کا دن عام دنوں کی طرح ہی طلوع ہوا تھا۔ ابا جان دفتر میں تھے اور میں ہسپتال ڈیوٹی پر گیا ہوا تھا کہ اچانک ان کی طبیعت بگڑنے کی اطلاع ملی۔ گھر آیا تو دیکھا جان کنی کی حالت میں تھیں۔ آنکھیں کھلی ہوئیں شاید کسی کی منتظر ہوں۔ مَیں حاضر ہوا تو میرے چہرے پر نگاہ ڈالی اور پھر آنکھیں موندلیں۔ اُف وہ نظارہ آج بھی میرے دل کی بے قراری کو بڑھا دیتا ہے۔ ہاں وہی نظارہ جو کسی پتہ کو پانی کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ حالات کی سنگینی کا ادراک ہونے پر میں دوڑتا ہوا واپس ہسپتال گیا اور برادرم مکرم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب خالد کو گھر آنے کو کہا۔ وہ فوراً میرے ساتھ ہی تشریف لے آئے۔ انہوں نے امّی کو دیکھا اور وہ خبر سنائی جس کے سننے کی ہم میں تاب نہ تھی۔ مگر سچ تھا اور کڑوا سچ۔ وہ جو ہمارے آراموں کا خیال رکھتی تھیں جب اُن کی باری آئی کہ ہم اُن کا کچھ خیال رکھ سکیں تو وہ بے نیاز ہو کر اپنے مولا کے دربار میں حاضر ہوگئیں۔ ان کا معصوم نورانی چہرہ آج بھی میرے سامنے ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اس دنیا کی مخلوق ہی نہیں۔ آہ مَیں اپنی ماں کی کچھ بھی تو خدمت نہ کر سکا۔

اگلے دن صبح نمازِ فجر کے بعد بیت المبارک ربوہ میں مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین عمل میں آئی جہاں صاحبزادہ صاحب موصوف نے ہی دعا کروائی۔ اس طرح خدا کی امانت خدا کے سپرد ہوئی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی تعزیت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے تعزیت کرتے ہوئے اپنے اس کفش بردار کو ازراہ نوازش تحریر فرمایا:

''آپ کی والدہ صاحبہ کی وفات کا بہت افسوس ہے... اللہ تعالیٰ مرحومہ کو غریقِ رحمت فرمائے اور آپ کو صبرِ جمیل کی توفیق دے۔

آپ کے خطوط سے مرحومہ کی بیماری کی کیفیت کا علم ہوتا رہا اور دعا کی بھی توفیق ملی۔ خدا کی تقدیر غالب آئی۔ اللہ تعالیٰ ان سے رحمت کا سلوک فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ صدمہ کے اس موقع پر میری طرف سے دلی تعزیت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنی امان میں رکھے۔ اپنے ابو جان کو میرا بہت بہت محبت بھرا سلام دیں۔''

حضور انور نے میرے والد محترم کو مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا جو امی کو بہترین خراجِ تحسین ہے۔ حضور رقم فرماتے ہیں:

''آپ کی اہلیہ محترمہ کی وفات کا بہت افسوس ہے۔

امید ہے آپ کو تعزیت کا خط مل چکا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ سے رحمت کا سلوک فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔

مرحومہ نے آپ کی خدماتِ دینیہ میں پورا پورا تعاون کیا اور بچوں کی نیک تربیت کر کے اپنے پیچھے اچھی یاد چھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور بچوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ مرحومہ نے بہت تکلیف پائی اور بیماری کے عرصہ کو صبر سے گزارا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر دے۔ میری طرف سے دلی تعزیت اور تسلی کا پیغام ہے۔ بچوں کو خاص طور پر محبت سے پیش کردیں۔ عزیزم سلطان کو محبت بھرا اسلام دیں۔''

ایک دعا، ایک خواہش

امی کی عمر 55 سال تھی۔ سوچا ہی نہ تھا کہ میری امی اتنی جلدی ہمیں داغ مفارقت دے جائیں گی۔ اب کبھی کبھار خوابوں میں آجاتی ہیں مگر خوابوں سے دل بھی بہلے ہیں کبھی؟ اُن کی یادیں سج دھج کر سامنے آموجود ہوتی ہیں تو آنکھوں سے برسات شروع ہو جاتی ہے۔ آج میرے پیارے والدین جن کو دیکھ کر ہم جیتے تھے اور جن کی دعاؤں اور قربانیوں کے پھل ہم کھا رہے ہیں۔ بہشتی مقبرہ کی مقدس خاک میں لپٹے ہوئے، اپنے رب کی جنتوں میں بیٹھے ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اُن کا اس سرزمین میں دفن ہونا ان کے نیک انجام کا مظہر ہے۔ جب بھی بہشتی مقبرہ میں حاضری کی سعادت ملتی ہے تو احاطہء خاص کے بعد ان کی آخری آرام گاہوں پر حاضر ہو کر دوسری دعاؤں کے ساتھ یہ ضرور عرض کرتا ہوں:

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا

یہ کیا ہی نیک اور خوش قسمت لوگ تھے جنہوں نے دنیا کو تج کر، دینی بادشاہت میں سے حصہ پایا۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَهُمْ۔ اور کیسے ہی اعلیٰ اور ارفع اور مقدس وجود تھے جن کی پیروی سے یہ لوگ کہکشاؤں کے تابندہ ستارے بن گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم.. علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اک خواہش ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ وقت لائے اور اُس دنیا میں میری آنکھ کھلے تو میں اپنے آپ کو اپنے بزرگ والدین کے پہلو میں اور اپنے آقا و مطاع کے قدموں میں حاضر پاؤں۔

مجھے تو دامن رحمت میں ڈھانپ لے یوں ہی
حساب مجھ سے نہ لے، ''بے حساب'' جانے دے



کچھ یہاں اور کچھ وہاں گزری
خوب گزری جہاں جہاں گزری
حالِ دل سن کے ہو گئے خاموش
بات تیکھی تھی، کچھ گراں گزری
ان کا غصہ تھا، پیار تھا، کیا تھا!
اک قیامت تھی ناگہاں گزری
دن گزارا خدا خدا کر کے
رات کانٹوں کے درمیاں گزری
یہ قیامت جو ہم پہ گزری ہے
تجھ پہ اے بے خبر! کہاں گزری

(مکرم چوہدری محمد علی مضطر عارفی صاحب)

”اطلبوا العلم من المھد الی اللحد“ کا حسین نمونہ

دینی اور دنیوی تعلیم کے حصول کی داستان

(مکرم حافظ انوار رسول صاحب۔شعبہ تاریخ احمدیت ربوہ)

عالم تھا مناظر تھا دریا تھا فصاحت کا
تاریخ نویسی میں انداز قیامت کا
آیا رہِ ہستی میں کوئی لحہ نہ غفلت کا
وہ دوست تھا شاہد تھا لمحوں کی صداقت کا

اللہ تعالیٰ سورۃ توبہ میں فرماتا ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ۔ (سورۃ التوبہ آیت 122)

ترجمہ: پس کیوں نہ ہوا کہ ان کی جماعت میں سے ایک گروہ نکل پڑتا تاکہ وہ دین پوری طرح سیکھتے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں جس گروہ کا تفقہ فی الدین کے سلسلہ میں ذکر ہے۔حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد اس کی سچی تصویر تھے۔اور ان کا یہ سفر مسلسل انتھک محنت کے ساتھ ان کی ساری زندگی پر یکساں محیط تھا۔ گویا مھد سے لحد تک کا ایک حسین اور دلفریب سفر تھا۔علم وآگہی اور تحقیق وتفحص سے آپ کو ایک طبعی مناسبت تھی۔

اکثر فرماتے تھے میاں (یہ حضرت مولانا کا تکیہ کلام تھا) کتاب کی بھی ایک عزت ہوتی ہے اور میری یہ کتابیں مجھے اپنے بچوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ بلکہ آپ تو حروف کی عزت کے بھی دل وجان سے قائل تھے ایسا لگتا تھا جیسے حروف، جملے، مضامین اور کتابیں یہی آپ کا خاندان ہے۔

درحقیقت آپ کی زندگی کا اکثر حصہ بیتا بھی انہی کے ساتھ، سچ تو یہ ہے کہ حضرت مولانا حروف کو زندہ کرنے اور انہیں بسانے میں بہت مشاق و ماہر تھے اور اسی میں ان کی اپنی زندگی بھی تھی۔

محترم مبشر احمد محمود صاحب نے آپ کی وفات پر اپنے اس شعر میں آپ کے اس خاندان کے سوگوار ہونے کا گویا حق ادا کر دیا ہے۔

کیا جانئے ہو خامہ وقرطاس بھی گریاں
اک یار کہن رشتہء جاں توڑ گیا ہے

خاکسار کا تقرر اکتوبر 2000ء میں شعبہ تاریخ احمدیت میں ہوا۔میں نے اتنے سالوں میں کبھی آپ کا کوئی لمحہ بظاہر ضائع ہوتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ آپ اپنی سوچوں میں بھی بڑی واضح ترتیب رکھتے تھے اور اپنی فکر اور سوچ کا کوئی لمحہ بھی ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔اور یہ حسن ترتیب آپ کے ہر کام میں نمایاں تھی۔

تمام عمر کیا علم و آگہی کو رقم
تجھے حوالوں کا ایک شاہ لاجواب لکھوں

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی زندگی کا یہ خوشنما اور حسین علمی سفر 1936ء سے مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخلہ سے شروع ہوتا ہے۔جس کا ایک مختصر خاکہ خاکسار

کم وبیش حضرت مولانا کے ہی الفاظ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔ یہ ''نیوکینیڈا'' 24مارچ 2006ء میں شائع شدہ آپ کے سوانحی خاکہ سے اخذ کردہ ہے اور کچھ ذاتی تحقیق پر مبنی ہے۔

1936ء: مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخلہ لیا۔

1942ء: پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان تیسری پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔

مئی **1944ء**: الفضل میں پہلا مضمون چھپا۔

دسمبر **1944**: عربی انعامی تقریری مقابلہ میں اول آئے۔ بیت اقصیٰ قادیان میں پہلی پبلک تقریر کی۔ نظام وصیت کے آسمانی نظام میں شمولیت کی توفیق پائی۔

1946ء: الیکشن تحریک پاکستان میں خدمت سر انجام دی۔

1947ء: قادیان کے ماحول میں واقع گاؤں کُل منج میں پہلی وقف عارضی کی۔ قادیان کی آخری ''دینیات کلاس'' کے منتظم تقاریر رہے۔ نومبر میں قادیان سے ہجرت کی۔

49-1948ء: فرقان بٹالین میں محاذ کشمیر اور سرائے عالمگیر میں عسکری اور انتظامی خدمات بجالانے کی توفیق ملی۔ آپ کا رینک لیفٹیننٹ تھا۔ حکومت پاکستان کی طرف سے خدمت پاکستان کا تمغہ بھی دیا گیا۔

1952ء: جامعۃ المبشرین سے شاہد کی ڈگری حاصل کی اور جماعت اسلامی پر تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس کا عنوان خود حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہ نے تجویز فرمایا۔ مقالہ نگران حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری تھے۔

(1955ء میں آپ کا یہ مقالہ ''الفرقان'' کے ایک خصوصی شمارے میں چھپا)۔ حضرت مصلح موعود کے ارشاد مبارک اور خصوصی ہدایات پر اخبار الفضل کے لیے شذرات کا ایک دلچسپ سلسلہ شروع کیا۔ یہ سلسلہ فروری 1953ء تک جاری رہا۔

1953ء: حضرت مصلح موعود کے حکم پر قصر خلافت میں 1953ء کے فسادات کی اطلاعات اور مرکزی ہدایات اور سرکولرز کے لیے ایک دفتر ریکارڈ بنا جس کے منتظم کے فرائض آپ کے سپرد تھے۔

اسی سال حضرت مصلح موعود نے تاریخ احمدیت کی تدوین کی ذمہ داری سونپی۔ جب تحقیقاتی عدالت کی 1953ء کی کاروائی جاری تھی تو آپ کو سلسلہ احمدیہ کے جید علماء اور بزرگوں کی خدمت میں حاضر رہنے اور ضروری حوالوں کے استخراج میں معاونت کی توفیق ملی۔

1954ء: دسمبر 1954ء تا اکتوبر 1955ء رسالہ ''خالد'' کے نائب مدیر مگر عملاً مدیر رہے۔ نومبر 1956ء سے اپریل 1957ء تک مدیر رہے۔ پھر اکتوبر 1960ء تا جون 1962ء تک مدیر رہے۔ گوجرانوالہ کی تربیتی کلاس نمبر اور خدمت خلق نمبر اس وقت کی خصوصی اشاعتوں کے حوالہ سے یادگار ہیں۔

1957ء: جلسہ سالانہ کے شبینہ اجلاس میں ''جماعت اسلامی پر تبصرہ'' کے موضوع پر تقریر کی جو بعد میں صیغہ نشرواشاعت کی طرف سے متعدد بار شائع کی گئی۔ اور حضرت مصلح موعود نے 1958ء کی مجلس شوریٰ میں بطور خاص

اس کا ذکر فرمایا۔

1974ء: قومی اسمبلی پاکستان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی قیادت وسیادت میں جو نمائندہ وفد گیا اس کے ممبر آپ بھی تھے۔

1974ء تا 1983ء آپ کو جلسہ سالانہ کے مقدس پلیٹ فارم پر مختلف اہم علمی موضوعات پر خطاب کرنے کا موقع ملا۔ آپ کی یہ جملہ تقاریر شائع شدہ ہیں۔

1975ء: حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے آپ کو مجلس افتاء کا نائب صدر مقرر فرمایا:

1981ء: مرکزی وفد کے رکن کی حیثیت سے پہلی بار بنگلہ دیش کا دورہ کیا۔

1982ء: حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو ''حوالوں کے بادشاہ'' کے خطاب سے نوازا۔

1985ء: جلسہ سالانہ انگلستان میں صدر انجمن احمدیہ کے نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس کے بعد جرمنی، سویڈن، ڈنمارک اور ناروے کی جماعتوں کا دورہ کیا اور کامیاب لیکچرز دیے اور مجالس سوال وجواب کا انعقاد کیا۔ لندن کی جماعت نے ان مجالس کی ویڈیو کیسٹس تیار کیں۔

آپ کا قیام فروری 1986ء تک انگلستان میں رہا وہاں کی مختلف جماعتوں میں بھی سوال و جواب کی مجالس منعقد کرنے کی توفیق ملی۔ آپ کی کرائیڈن (انگلستان) کی مجلس سوال وجواب کی کیسٹ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خصوصی ہدایت پر دنیا بھر کے تمام مشنوں کو بھجوائی گئی۔

اس کے علاوہ آپ 1986ء، 1987ء اور 1989ء کے جلسہ سالانہ انگلستان میں بھی شامل ہوئے اور ہر مرتبہ انٹرنیشنل مجلس شوریٰ میں شمولیت کی سعادت پائی۔

1987ء: آپ نے مرکز کی ہدایت پر متحدہ عرب امارات کا تربیتی دورہ کیا اور (دعوت الی اللہ) کا فریضہ بھی سر انجام دیا اس دورہ کے دوران آپ نے ابوظہبی، مسقط اور کویت کی مرکزی لائبریریوں سے بھرپور علمی استفادہ کیا۔

1988ء: آپ پر دفعہ 188، 298سی، 295سی کے تحت ناجائز مقدمہ دائر کردیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں آپ 6 تا 10 اپریل گوجرانوالہ ڈسٹرکٹ جیل میں رہے پھر ضمانت پر رہا ہوئے۔ بعدازاں 3 اپریل 1990ء کو سیشن جج نے آپ کو 2 سال قید بامشقت اور پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنا دی اور آپ کو سنٹرل جیل گوجرانوالہ میں ڈال دیا گیا جہاں سے آپ 3 مئی 1990ء کو ضمانت پر رہا ہوئے۔ اس دوران آپ نے علم وعمل کا حسین سفر جاری رکھا۔ جس کے بعدازاں نہایت نیک اثرات مرتب ہوئے۔ اس دوران حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو ایک خط میں ''اللہ کا شیر'' کے خطاب سے نوازا۔

1989ء: جلسہ سالانہ بنگلہ دیش میں مرکزی نمائندہ کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور ڈھاکہ کے جلسہ سالانہ میں متعدد پُر اثر علمی تقاریر کے علاوہ مؤثر رنگ میں متعدد بار حاضرین کے سوالات کے جوابات دیے۔ بعدازاں چٹا گانگ میں جلسہ عام سے بھی خطاب کیا۔

1992-93ء: کیمبرج کے مشہور بین الاقوامی ادارہ انٹرنیشنل بائیو گرافیکل سنٹر نے آپ کی علمی صلاحیتوں،

کامیابیوں اور قیادت کا عالمی سطح پر اعتراف کرتے ہوئے آپ کو "مین آف دی ائیر 93-1992" کے اعزاز سے نوازا۔

1994ء: بھارت کے صوبہ تامل ناڈو کے شہر کوئمبطور میں جماعت احمدیہ اور جمعیۃ اہل القرآن والحدیث کے مابین ایک تاریخی مناظرہ ہوا یہ مناظرہ نو روز تک جاری رہا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ارشاد پر آپ نے بھی اس میں شریک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو فتح مبین عطا فرمائی۔ حضور نے اظہار خوشنودی فرماتے ہوئے آپ کو ایک ہزار روپے کے انعام سے نوازا۔ بعدازاں آپ نے بھارت کی متعدد جماعتوں کا دورہ بھی کیا۔

1995-99ء: MTA پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ارشاد پر ملفوظات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دروس کی ریکارڈنگ کروائی جواب تک MTA کی سکرین کی زینت ہے۔

2002ء: آخری بار جلسہ سالانہ انگلینڈ میں شرکت کی اور اپنے محبوب آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے آخری بار ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ازاں بعد جلسہ سالانہ جرمنی کے موقع پر خطاب کے علاوہ فرانس، ڈنمارک اور سویڈن کے سالانہ جلسوں میں شرکت فرمائی اور سوال و جواب کی دلچسپ علمی مجالس منعقد کیں۔

2005ء: آخری بار جلسہ سالانہ قادیان میں شرکت کی توفیق پائی اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے آخری ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

2007-08ء: 1974ء میں قومی اسمبلی میں پیش ہونے والے تاریخی وفد کے آخری چشم دید گواہ کی حیثیت سے سربستہ تاریخی حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے متعدد علمی و تاریخی پروگرامز MTA پر ریکارڈ کروائے۔

2009ء: تادم واپسی آپ مجلس افتاء اور ریسرچ سیل کے ممبر کی حیثیت سے آپ علمی و تحقیقی خدمات بجالا رہے تھے۔ اور 2009ء میں آپ کو تاریخ احمدیت کی خدمات کی بجا آوری میں 56 سال عرصہ گزر چکا تھا اور آپ تاریخ سلسلہ پر مشتمل 2004ء تک کے حالات قلم بند کر چکے تھے جو مسودہ کی صورت میں محفوظ ہیں۔ اور 20 جلدیں آپ کے قلم سے سپرد اشاعت ہو چکی ہیں جن میں جلسہ سالانہ 1960ء تک کے حالات محفوظ ہو چکے ہیں۔

جن پر خلفاء احمدیت کے علاوہ حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب، حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس، حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری اور حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم اے مفسر قرآن انگریزی نے شاندار اور مبسوط تبصرے فرمائے ہیں۔ ایک جلد پر روزنامہ "انصاف" راولپنڈی نے ایک مفصل نوٹ میں مصنف کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ تاریخ احمدیت کی 20 جلدوں کے علاوہ آپ کی دیگر تالیفات کی تعداد 43 ہے۔

حضرت مولوی دوست محمد صاحب شاہد کی تصانیف

ریسرچ سیل ربوہ کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب ماسٹر ببلوگرافی آف احمدیہ لٹریچر پراجیکٹ سے جو تصانیف کی تعداد لی گئی تھی وہ 39 ہے جبکہ ریسرچ سیل کی

طرف سے شائع ہونے والی اس کتاب کے بعد بھی حضرت مولانا کی 4 مزید کتب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔اس طرح تاریخ احمدیت کے علاوہ شائع ہونے والی آپکی تصانیف کی تعداد 43 ہی بنتی ہے۔بعد میں شائع ہونے والی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔اقلیم خلافت کے تاجدار

2۔برطانوی پلان اور ایک فرضی کہانی

3۔پرکیف عالم تصور کا مشاعرہ جشن خلافت اور اصحاب مسیح الزمان کے عاشقانہ اشعار

4۔دلچسپ علمی واقعات ومشاہدات از 1943ء تا 2007ء۔

آپ کے بلند پایہ علمی مضامین اخبار الفضل (قادیان و ربوہ)، الفضل انٹرنیشنل (لندن)، فرقان (قادیان)، اخبار بدر (قادیان)، ریویو آف ریلیجنز (قادیان)، الفرقان ربوہ، رسالہ ''خالد''، انصاراللہ'' اور لاہور میں بکثرت شائع شدہ ہیں اسی طرح ''مسلم ہیرالڈ'' (لنڈن)، ''سینار اسلام'' (انڈونیشیا)، ''اخبار احمدیہ'' (جرمنی) اور احمدیہ گزٹ (کینیڈا) کی زینت ہیں۔

خلافت احمدیہ صد سالہ جوبلی 2008ء کے موقع پر دنیا بھر سے اس حوالہ سے شائع ہونے والی خصوصی نمبرز اور سوئیرز میں بھی آپ کے متنوع علمی، تحقیقی اور تاریخی مضامین آپ کی انمول یادگاریں ہیں۔

آپ کی ایک تالیف ''حضرت نعمت اللہ ولی کا اصلی قصیدہ'' لاہور کے ایک غیر احمدی ادارہ نے ''قمر اسلام پوری'' کے قلمی نام سے شائع کی۔اس کتاب کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں آپ کے بعض مضامین پر اخبار امروز اور رسالہ حمایت اسلام لاہور نے گراں قدر تبصرے کئے ہیں۔آپ کا فاضلانہ مقالہ ''مودودی شہ پارے'' غیر احمدی علماء کے ایک ترجمان رسالہ میں بھی شائع ہوا۔اور علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔

متفرق علمی خدمات

آپ کو خلافت ثالثہ اور رابعہ کے عہد مبارک میں کئی بار بیت مبارک میں رمضان المبارک میں درس قرآن دینے کی توفیق ملی۔متعدد بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے عالمگیر بیرونی دوروں کے دوران بیت اقصیٰ ربوہ میں خطبات جمعہ دینے کا موقعہ ملا۔سالہا سال سے آپ مجلس مشاورت کے اعزازی رکن رہے۔آپ پہلے بھی کئی سال افتاء کمیٹی کے ممبر رہے اور تادم واپسی آپ اس کمیٹی کے ممبر تھے اس دوران 1975ء میں نائب صدر افتاء کمیٹی بھی رہے۔1955ء سے 2009ء تک آپ کو بلا مبالغہ سینکڑوں تقاریر کرنے کا موقعہ ملا۔

آپ کے دینی و دنیوی علمی سفر کی اس حسین داستان کا مقصد ومنبع خلافت سے محبت وعقیدت اور راہنمائی تھا۔ آپ کا ہر علم، آپ کی ہر تحقیق، آپ کی ہر کاوش کی تان خلافت سے گہری اطاعت اور فرمانبرداری پر ہی ٹوٹتی تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ اس بات میں آپ دیوانگی کی حد تک بڑھے ہوئے تھے۔جب حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ نے آپ کو تاریخ احمدیت کی نازک ذمہ داری سونپی تو آپ نے دیوانگی کی حد تک اپنے اس کام سے وفا کی اور حضرت مصلح

موعودنوراللہ مرقدہ کے اس مصرعہ

مقصود مرا پورا ہو اگر مل جائیں مجھے دیوانے دو

کی جیتی جاگتی تصویر بن گئے۔

مولانا کی وفات پر ان کے ایک پرستار شاعر جناب مبشر احمد محمود نے آپ کی زندگی کی تصویر کے اس رخ کی اپنے اس شعر میں کسی حد تک عکاس کی ہے۔

اس عہد ستم کیش میں فرزانے ہیں ہر سو
دیوانوں سے منسوب تھا جو دور گیا ہے

خلفاء احمدیت نے جس شاندار طریق پر آپ کے دینی و دنیوی علمی سفر کی اس حسین داستان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ آپ کے لیے دونوں جہان میں سرخروئی اور فلاح ونجات کی ضمانت ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ایک دفعہ فرمایا:

''مکرم محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد سلسلے میں کسی تعارف کے محتاج نہیں بہت ہی عظیم الشان کی خدمت کی توفیق پائی ہے اور بہت گہرا علم رکھتے ہیں۔تاریخ احمدیت میں خدا کے فضل سے سند بن چکے ہیں اس کے علاوہ بھی ہمیشہ بڑی انکساری کے ساتھ سلسلہ کی خدمات پر مامور رہے اور ان خدمات کا حق ادا کیا۔''

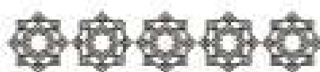
(الفضل 14 دسمبر 1991ء صفحہ 7)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کی وفات پر خطبہ جمعہ میں آپ کی جن خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ سے خوشنودی کا اظہار فرمایا آنے والی نسلوں تک کے لئے مشعل راہ کے طور پر کام کرے گا۔

آخر پر حضرت مولانا کے جگری دوست اور یارغار مکرم ومحترم مسعود احمد صاحب دہلوی کے گل دستہ عقیدت پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

''وہ جو جماعت احمدیہ کے موجودہ دور میں ایک غریب اور نحیف ونزار، عجائب کام کر دکھانے والا جوہر باکمال تھا، جو اپنی دھن کا پکا حال سے بے حال ہو کر ایک ادارے کا تن تنہا کام سرانجام دینے میں آپ اپنی مثال تھا جو زندگی بھر تحقیق وتدقیق میں غرق رہ کر مسلسل قلم گھسائی کے ذریعہ تاریخ احمدیت کی ضخیم جلدوں پر جلدیں مرتب کر کے ان کا ایک بیش قیمت انبار لگانے والا تھا، جو خلفائے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ہر حکم کی بجاآوری میں جاں نثار کرنے والا یکے از مردان کار تھا۔جو علمی اور تحقیقی موضوعات پر ہزار ہا قیمتی مضامین، شذرات اور چھوٹے بڑے قیمتی نوادرات سپرد قلم کرنے والا انتھک قلم کار تھا۔جو علمی میدان میں جملہ برسرکار ہر نوآموز ادنیٰ خدام سلسلہ کا قدردان اور دلی دوست تھا اور ان کی ہمت بڑھانے اور ان کی راہنمائی کرنے میں ان کا آموزگار تھا، اور مجھ جیسے ناپختہ کار قلم کار کا جگری دوست اور بقولیکہ یار غار تھا۔آہ اب دنیا میں نہیں رہا۔میری مراد مشہور ومعروف نامور مؤرخ احمدیت محترم مولانا دوست محمد شاہد سے ہے جن کے علمی اور تحقیقی کارناموں پر ایک زمانہ شاہد ہے۔

(الفضل 24 ستمبر 2009ء صفحہ 2)



اک عجب چھاؤں میں ہم بیٹھے رہے یار کے پاس

خلفاء احمدیت کی محبت، شفقت اور خراج تحسین

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی کامل اطاعت اور شبانہ روز خدمت دین

(مکرم راجہ برہان احمد طالع صاحب۔ ربوہ)

ہماری کامیابی، ہماری تعلیم و تربیت اور ہمارے ہر قول و فعل کو خلافت کی برکت سے چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو بخوبی تھا۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپا یہاں تک کہ وفات کے بعد بھی خلفاء احمدیت کی محبت، شفقت اور ہمدردی حضرت مولانا صاحب نے اپنی کامل اطاعت اور شبانہ روز خدمت دین کے ذریعہ خوب سمیٹی۔ اس مضمون میں اکثر آپ ہی کی زبانی اور گاہے گاہے دوسروں کی زبانی ان خوش کن لمحات کی ایک جھلک پیش کی جا رہی ہے۔ مضمون کا زیادہ تر مواد حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی کتاب ''اقلیم خلافت کے تاجدار'' سے لیا گیا ہے۔

حضرت فضل عمر کی پہلی جھلک

حضرت مولانا صاحب لکھتے ہیں:

1935ء کے آخر میں میں اپنے والد حافظ محمد عبداللہ صاحب کے ساتھ پہلی مرتبہ پنڈی بھٹیاں سے قادیان حاضر ہوا۔ دیار حبیب کی زیارت، قدوسیوں کا اجتماع دیکھا اور 28 دسمبر کو حضرت مصلح موعود کا روح پرور خطبہ عید الفطر سننے کی بھی سعادت پائی۔ حضور پرنور نے یہ خطبہ عید گاہ میں پڑھا اور اس میں ارشاد فرمایا:۔

''میں چاہتا ہوں کہ میں آپ لوگوں کو عید کا یہ تحفہ پیش کروں کہ ہمارا خدا کامل محبت ہے۔ کوئی محبت اس کے مقابل پر نہیں ٹھہر سکتی۔''

(الفضل 4 جنوری 1936ء صفحہ 2)

یہ بھی محض اللہ جلشانہ کا احسان عظیم ہے کہ 1936ء (مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخلہ) سے لے کر 1965ء تک کا زمانہ اس محبوب خدا اور خلیفہ موعود کا مبارک زمانہ پانے کی توفیق ملی۔'' (اقلیم خلافت کے تاجدار صفحہ 1)

مجلس عرفان میں اظہار خوشنودی

پھر لکھتے ہیں: ''اوائل 1947ء کی بات ہے کہ خاکسار نے غیر مبائعین کی اشتعال انگیز تحریروں کو دیکھ کر ایک مضمون لکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں ساری رات قادیان کی مرکزی لائبریری میں (جو ان دنوں بیت مبارک کے نیچے ایک کمرہ میں تھی) اخبار ''پیغام صلح'' کا مطالعہ کر کے نوٹ لیتا رہا۔ میں نے ثابت کیا کہ اہل پیغام اگرچہ مسیح موعودؑ کی کشتی میں بیٹھے ہیں مگر حضرت مصلح موعود کی مخالفت کر کے لیکھرام کا پرچم لہرا رہے ہیں اور ان کی زبان اور لب و لہجہ بھی وہی ہے

جواس شاتم رسول نے کلیات آریہ مسافر میں اختیار کیا تھا۔ یہ مضمون مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب نائب مدیر فرقان نے مارچ 1947ء کے ایشو میں شائع کر دیا جس کے بعد مجھے خوشخبری دی کہ حضور نے اسے بہت پسند فرمایا ہے۔ 1956ء کے فتنہ منافقین کے دوران اس کا پھر ترجمہ و اضافہ کیا تو الفضل میں شائع کیا گیا۔ اس پر حضرت مصلح موعود نے بیت مبارک کی مجلس عرفان میں اظہار خوشنودی فرمایا۔ اس بابرکت مجلس میں استاذی المحترم خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مدیر ''الفرقان'' بھی موجود تھے۔ آپ نے خاتمہ مجلس کے بعد یہ خوشخبری سنائی اور میرا دل باغ باغ کر دیا۔'' (صفحہ 8)

جواب سے خوب محظوظ ہوئے

''قیام ربوہ کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب فرمایا جس کے دوران خدام سے پوچھا کہ اصل فرائض کے علاوہ کیا کسی نے کوئی اور کام بھی بسر اوقات کے لیے سیکھا ہے۔ جس پر میں کھڑا ہوا اور نہایت ادب سے عرض کی کہ حضور! خاکسار نے قادیان میں جلد سازی اپنے چچا میاں عبدالعظیم صاحب (درویش) سے سیکھی تھی۔ جو بوقت ضرورت اب بھی جاری رکھے ہوئے ہوں۔ حضور اس جواب سے خوب محظوظ ہوئے۔''

(صفحہ 10)

تمہاری یہ توجیہہ بھی درست ہے

''افتتاح ربوہ (20 ستمبر 1948ء) کے کچھ عرصہ بعد خاکسار نے ازالہ اوہام کے ایک کشف کی روشنی میں حضور انور کی خدمت میں لکھا کہ ربوہ کے چوتھے مرکز کے ذریعہ ''تین کو چار کرنے'' کی نئی واقعاتی تعبیر سامنے آگئی ہے۔ حضور کی طرف سے مجھے کارڈ پہنچا کہ تمہاری یہ توجیہہ بھی درست ہے جس کے بعد خاکسار نے ''الرحمت'' لاہور میں ''مقام ابراہیم کی تجلیات'' کے زیر عنوان دو قسطوں میں مضمون لکھا اور یہ توجیہہ پہلی بار منظر عام پر آئی۔''

(صفحہ 10،11)

حرف آخر نہ سمجھنا

''فسادات 1953ء کے بعد حضرت اقدس نے مودودی صاحب کے شر انگیز رسالہ ''قادیانی مسئلہ'' کا خود جواب لکھوایا اور پھر فرمایا کہ میاں بشیر احمد صاحب بھی اسے دیکھ لیں۔ چنانچہ عاجز مسودہ لے کر حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اپنے قلم سے اس کے اختتام پر ایک ضروری نوٹ کا اضافہ کیا جسے حضور نے بھی پسند فرمایا اور اشاعت کے لیے کراچی بھجوا دیا گیا۔ دراصل اس میں میرے لیے سبق تھا کہ کبھی اپنی تحریر کو حرف آخر نہ سمجھنا۔''

(صفحہ 14)

دربار خلافت ثالثہ

حضرت مولانا کو 12 نومبر 1965ء خلافت ثالثہ کے پہلے جمعہ کے روز ملاقات کا موقع ملا۔ اس موقع پر آپ نے حضور کے سامنے یہ عہد کیا کہ ''میں بھی یہی عہد کرتا ہوں کہ ایک واقف زندگی کی حیثیت سے شب و روز خدمت دین میں مشغول رہوں گا۔''

اور پھر اس عہد پر قائم بھی رہے۔ اب مولانا کی زبانی

چند اور واقعات پیش ہیں۔

خلافت ثالثہ کی پہلی مشاورت

آپ لکھتے ہیں: ''اس سلسلہ میں دو ایک واقعات دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔ خلافت ثالثہ کی پہلی مشاورت کے دوسرے دن کا پہلا اجلاس شروع ہونے میں بہت تھوڑا وقت باقی تھا کہ حضور اقدس کا ارشاد موصول ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے کہ اشاعت دین کے لیے نئی ایجادات اور جدید طریقوں کا استعمال ضروری ہے۔ یہ حوالہ فوری طور پر درکار ہے۔ تصرف الٰہی ملاحظہ ہو میں نے اس حکم کی تعمیل میں ''آئینہ کمالات اسلام'' اٹھائی اور اپنے اندازہ کے مطابق اسے جس مقام پر کھولا اسی میں مسیح الزمان کا یہ فرمان موجود تھا چنانچہ چند منٹوں کے بعد خاکسار دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں پہنچا حضور انور سیڑھیوں میں کھڑے انتظار فرمارہے تھے۔ حضور انور نے حوالہ ملاحظہ فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ اصل کتاب ساتھ لے چلو اور میری میز پر رکھ دینا چنانچہ خاکسار نے ایسا ہی کیا اور حضور نے اس کتاب کے حوالہ کو پڑھا اور فرمایا جو لوگ ''فضل عمر فاؤنڈیشن'' کے نظام عمل میں متامّل ہیں انہیں حَکَم عدل کے اس فیصلہ کو بغور سن لینا چاہیے۔''

(صفحہ 16)

نصف شب اپنے دفتر میں

''ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر جبکہ میں نے دو ہفتہ کے لیے اپنا بستر رات کو اپنے معمول کے مطابق بچھا رکھا تھا اور دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے فون کے لیے منتظر بیٹھا تھا کہ یکا یک شاعر احمدیت جناب ثاقب زیروی صاحب مدیر ''لاہور'' تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ میں ابھی حضور کی زیارت کر کے آرہا ہوں حضور نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو فرمایا ہے کہ تمہیں فون کریں کہ فلاں حوالہ اوّلین فرصت میں بھجوادو۔ میں نے عرض کیا کہ وہ نصف شب میں کہاں ہوں گے؟ حضور نے فرمایا کہ اپنے دفتر (شعبہ تاریخ) میں۔ چنانچہ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ واقعی دفتر میں موجود ہیں۔''

(صفحہ 16)

شمسی کیلنڈر کے مطابق

''خاکسار نے اوائل میں ایک تحقیقی نوٹ لکھا کہ یہ قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے کہ شمسی کیلنڈر کے مطابق حضرت عمرؓ کا وصال اور حضرت خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کا انتخاب خلافت بھی نومبر ہی کے آغاز میں ہوا۔ آخرین میں بھی یہی تاریخ دوہرائی جارہی ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ نوٹ فوراً ''الفضل'' کو بھجوادو سو الحمدللہ جناب مدیر صاحب ''الفضل'' مولانا مسعود احمد خان صاحب دہلوی نے اوّلین فرصت میں اسے زیب اشاعت کردیا جو مخلصین کے ایمان کی تازگی کا موجب بنا۔''

(صفحہ 16)

شعر پڑھنے کا شرف

''7 ستمبر کے فیصلہ کے چند روز بعد حضور نے اس ناچیز کو یاد فرمایا۔ حضور بالائی منزل میں رونق افروز تھے سامنے ایک میز پر درثمین فارسی رکھی تھی۔ فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں میں نے تمہیں فقط اس لیے بلوایا ہے کہ درثمین کے ایک شعر پر میں نے باریک سا نشان لگادیا ہے میں چاہتا ہوں کہ یہ شعر تم مجھے بھی سنادو بس اتنا کام ہے اس کے بعد

تمہیں جانے کی اجازت ہے۔ اس موقع پر ناچیز کو حضرت مسیح موعود مہدی مسعودؑ کے جس فارسی شعر کا اپنے محبوب آقا کے حضور پڑھنے کا شرف حاصل ہوا وہ یہ تھا۔

بحمد اللہ، کہ خود قطع تعلق کرد ایں قومے

خدا، از رحمت و احساں، میسر کرد خلوت را

یعنی بحمد اللہ اس قوم نے ہم سے خود ہی قطع تعلق کر لیا ہے اور ہمیں (خدمت دین) کے لیے خلوت میسر آ گئی ہے۔"

(صفحہ 17)

ذاتی لائبریری کا انتظام اور جلد بندی

"اب مجھے خلافت ثالثہ کے ابتدائی ایام کا احوال بتاتے ہوئے یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث منصب خلافت پر منتخب ہوتے ہی قصر خلافت میں اقامت گزین ہو گئے اور آپ کی ذاتی لائبریری بھی منتقل کر دی گئی۔ حضور نے ابتدا ہی میں اس کا انتظام عاجز کے سپرد کیا اور ارشاد فرمایا کہ چند گھنٹوں کے اندر اندر سب کتابوں کو ترتیب دے دو۔ چنانچہ خاکسار نے عصر تک ان کو مرتب کر لیا اور ساتھ ہی پورے لٹریچر کو الماریوں میں آویزاں کر کے ان پر ہر مضمون کی چٹیں بھی لگا دیں جس پر حضور نے بہت اظہار خوشنودی فرمایا حتیٰ کہ مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تم تو جن ہو اور ساتھ ہی اپنے دست مبارک سے بہت سا پھل بھی تبرکاً ایک طشت میں میرے سامنے رکھ دیا۔ یہ لائبریری قرآن مجید، احادیث، کتب مسیح موعودؑ، کتب علماء سلسلہ، ادب عربی، معاشیات اور بعض دوسرے قیمتی لٹریچر پر مشتمل تھی۔ اسی طرح بخاری شریف کی شرح کرمانی خاص اہتمام سے لائبریری کی زینت تھی علاوہ ازیں مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کی نصابی کتب بھی تھیں جنہیں دیکھ کر میں دنگ رہ گیا کیونکہ انقلابات لیل ونہار کے باوجود ایسی صاف اور نفیس صورت میں تھیں کہ گمان ہوتا ہے کہ ابھی بازار سے منگوائی گئی ہیں۔ حضور انور نے کتابوں یا رسالوں کی آئندہ جلد بندی کے لیے پہلے ہی روز عاجز کو ایک خاص رقم عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا حساب بتانے کی ضرورت نہیں جب مزید رقم درکار ہو تو بتا دیا کرو۔ ایک مرتبہ یہ مبارک رقم میں نے نیشنل بینک ربوہ میں اپنے ہی نام سے جمع کرا دی۔ اتفاق سے اسی روز بینک کا افتتاح ہوا اور یہ رقم اکاؤنٹ نمبر 1 میں داخل کر دی گئی۔ ان دنوں برادرم ہدایت اللہ صاحب (ابن محمد عبداللہ صاحب جلد ساز قادیان) ربوہ کے بہترین جلد ساز تھے حضور کی عطا فرمودہ جملہ کتب یا رسالوں کی جلد بندی انہی کے ہاتھوں ہوئی۔"

(صفحہ 19-18)

محضر نامہ

"1974ء کے سانحہ ربوہ کے بعد جب "قادیانی مسئلہ کے "حل" کے لیے اسمبلی کی راہبر کمیٹی کا اعلان ریڈیو پر نشر ہوا تو حضرت اقدس نے خاکسار کو ہدایت فرمائی کہ تیرہ سو سال کی تاریخ (...) سے بزرگوں کی تکفیر کے واقعات تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کیے جائیں چنانچہ عاجز نے "مقربان الٰہی کی سرخروئی" کے نام سے ایک مسودہ تیار کیا جسے ملاحظہ کر کے متعلقہ ادارہ کو اشاعت کا حکم دیا۔ خاکسار نے پرنٹر کے بارہ میں راہنمائی چاہی۔ فرمایا صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی بجائے اس پر صرف تمہارا نام ہی ہونا ہے اسی میں احتیاط ہے۔ یہ رسالہ "محضر نامہ

کے ساتھ دوسری بعض کتابوں کے ساتھ بطور ضمیمہ منسلک کر کے رہبر کمیٹی کو بھجوادیا گیا۔ ''محضرنامہ'' کے نام کی تجویز خاکسار کی تھی جسے حضور نے پسند فرمایا۔''

(صفحہ 18,19)

مبارک ہو

''خدا کے فضل وکرم سے استاذی المحترم حضرت مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین، جناب شیخ محبوب عالم صاحب خالدؓ ناظر مال اور خاکسار کو1965ء سے 1981ء تک کے سالانہ جلسوں میں بعض اوقات رات کے ڈیڑھ بجے تک حضور کے قدموں میں بیٹھنے کے مبارک مواقع میسر آئے جس کے دوران حضور کے عطا فرمودہ تبرکات سے متمتع ہونے کی سعادت بھی ملی ایک شب حضور نے ازراہ شفقت اس کفش بردار کو نہایت محبت و پیار سے ایک روپیہ مرحمت فرمایا اور ساتھ ہی میری درخواست پر اپنے مبارک دستخط بھی فرمائے۔ یہ یادگار تبرک ہمیشہ میرے بٹوہ میں رہتا ہے جس کی بے شمار برکات اب تک میرے مشاہدہ میں آئی ہیں۔ خلافت ثالثہ کے عہد مبارک کے آخری جلسہ سالانہ 1981ء کی دوسری شب 27 دسمبر کا ذکر ہے کہ مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب اور خاکسار قریباً ڈیڑھ بجے تک حضور انور کی خدمت میں حاضر رہے۔ خاکسار نے 28 دسمبر کی علمی تقریر کے حوالے پیش کیے فرمایا حوالے تو بفضلہ تعالیٰ بہت جمع ہوگئے ہیں اور شاید میں مکمل طور پر ان کو بیان بھی نہ کرسکوں مگر مشکل یہ پیش آگئی ہے کہ جلسہ کی مصروفیات، تقاریر اور ملاقاتوں کے باعث اب حضرت مسیح ناصری کے الفاظ میں میری حالت یہ ہے کہ ''روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے'' (مرقس باب 14 آیت 38) حالانکہ ابھی پونے دو بجے شب مجھے حسب معمول تحریک جدید کی ڈاک کو بھی دیکھنا ہے۔ میں نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو تفریح طبع کے لیے چند لطائف ہو جائیں۔ حضور انور نے فرمایا یہی تو میرا مقصد ہے۔ اپنے مقدس آقا کی اس اجازت پر میں نے سانگلہ ہل کے ایک معروف بریلوی عالم مولوی عنایت اللہ صاحب کی چک چٹھہ اور باغبانپورہ میں بعض تقاریر کے کچھ انتہائی دلچسپ نمونے انہی کے رنگ میں لہکتے اور گاتے ہوئے سنا دیے جس پر حضور کا چہرہ مسکراہٹوں سے تمتما اٹھا اور آنکھوں سے خوشی کے مارے بے اختیار آنسو تک نکل آئے اور نہایت پیار سے فرمایا تمہیں چھٹی۔ میں تحریک جدید کی ڈاک پڑھنے لگا ہوں چنانچہ جب ہم دونوں فوراً باہر آگئے تو حضرت مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب نے فرمایا کہ حضور سے میرے مراسم و روابط قادیان کے زمانہ سے ہیں اور مجھے حضور کی خدمت میں بے شمار مرتبہ حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔

حضور اس وقت دلچسپ لطائف سے جس طرح محظوظ ہوئے ہیں اس کا نظارہ میں نے آج پہلی دفعہ کیا ہے۔ مبارک ہو۔''

(صفحہ 21,22)

علمی موتی۔ دلچسپ لطائف وظرائف

''اسمبلی کے آخری اجلاس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ کو ارشاد فرمایا کہ آپ اور دوست محمد شاہد ربوہ پہنچیں۔ حضرت میاں صاحب نے مجھے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا اور مرکز احمدیت کی طرف روانہ ہوگئے۔ سفر شب طویل تھا مگر آپ نے اسے اپنے دلچسپ لطائف وظرائف اور علمی موتیوں سے اس شان سے منور کر دیا کہ جب ہم صبح

سویرے ربوہ کی مقدس بستی میں داخل ہوئے تو دونوں ہی تازہ دم تھے اور تھکان کا نام ونشان تک نہ تھا۔'' (صفحہ 27)

سجدۂ شکر

مکرم رانا سلطان احمد خان صاحب لکھتے ہیں:

''پھر ایک اور نظارہ خاکسار نے 1982ء میں دیکھا بیت المبارک کا باہر گراسی پلاٹ میں خیمے لگے ہوئے تھے اور خلافت رابعہ کا انتخاب ہو رہا تھا آپ باہر پلاٹ میں بیٹھے ہوئے تھے سر جھکائے زیر لب دعاؤں میں مصروف تھے۔ جب لاؤڈ اسپیکر پر خلیفۃ المسیح الرابع کے انتخاب کا اعلان ہوا تو مولانا اعلان سنتے ہی سجدہ ریز ہو گئے اور کافی دیر سجدہ میں پڑے رہے۔''

(الفضل 19دسمبر 2009ء صفحہ 3)

مبارک ہو... تم نے ساکت وصامت کر دیا

''اوائل 1989ء کی بات ہے کہ اخبار الفضل میں لنڈن کی ایک معروف شخصیت کا مضمون چھپا کہ مولانا حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف رحمہ اللہ کا (ڈیورنڈ لائن کے موقع پر) شائع شدہ گروپ فوٹو صحیح نہیں۔ جس کے جواب میں خاکسار نے ایک تحقیقی مقالہ لکھا جو ''مدیر الفضل'' مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب سابق رئیس (دعوت الی اللہ) مغربی افریقہ نے 22 مئی 1989ء کی ایک خصوصی اشاعت میں ریکارڈ کر دیا اس کے بعد عاجز نے ''حضرت شہزادہ عبداللطیف شہید'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں یہ تحقیقی مقالہ بھی شامل کیا نیز دیباچہ میں لکھا کہ یہ حیرت انگیز بات ہے کہ احمدیت کی دوسری صدی کی پہلی عید قربان ٹھیک 14 جولائی 1989ء کو منائی جارہی ہے جو حضرت شہید کابل کا یوم شہادت ہے۔ یہ کتاب عاجز نے سب سے پہلے محبوب آقا کی خدمت میں ارسال کی ازاں بعد جلسہ سالانہ میں شرکت کے لیے انگلستان پہنچا تو عجیب اتفاق ہوا کہ خاکسار جونہی بیت الفضل کے احاطہ میں داخل ہوا حضور پُرنور نماز پڑھانے کے لیے تشریف لا رہے تھے۔ حضور نے مجھے دیکھتے ہی میری آمد پر بہت مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا مبارک ہو تم نے حضرت شہید مرحوم کے فوٹو پر تنقید کرنے والوں کو ساکت وصامت کر دیا ہے۔ چند روز بعد حضور آسٹریلیا تشریف لے گئے اور 14 جولائی 1989ء کے خطبہ میں اس حیرت انگیز نکتہ کی طرف عالمگیر جماعت کو خاص توجہ دلائی کہ یہ عجیب توارد ہے کہ احمدیت کی دوسری صدی کی پہلی عید قربان ٹھیک 14 جولائی کو منائی جارہی ہے۔ جس میں یہ پُراسرار پیغام مخفی ہے کہ عشاق احمدیت کو اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا ہوگا۔'' (صفحہ 30)

حوالوں کے بادشاہ

''حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اپنے اکیس سالہ زریں عہد خلافت میں اپنے اس نالائق چاکر پر اس قدر احسانات فرمائے کہ جن کا بلا مبالغہ شمار ممکن نہیں۔ آپ نائب (...) اور (...) تھے اور آپ کے وجود مقدس میں ربوبیت، رحمانیت اور رحیمیت کی صفات پوری شان سے جلوہ گر تھیں جن کی جھلکیاں کسی نہ کسی شکل میں صبح وشام صاف دکھلائی دیتی تھیں۔ خلیفہ بننے کے چند روز بعد حضور انور نے اس ناچیز کو پگڑی اور آموں کا تبرک عطا فرمایا۔ خاکسار نے تحریری شکریہ ادا کرتے ہوئے حضرت سید عزیز الرحمان صاحب بریلوی مالک عزیز ہوٹل بانس بریلی (متوفی 17 جولائی

1936ء) کی یہ روایت بھی لکھ دی کہ کسی دوست نے حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کیا کہ جنت کا پھل کیا ہوگا فرمایا'' آم۔ جو اللہ سے شروع ہوتا اور محمدؐ پر ختم ہوتا ہے۔'' (روایات غیر مطبوعہ جلد 14 صفحہ 553) پیارے اور محسن حضور نے اپنے قلم مبارک سے جواب دیا کہ میرے آموں سے حضرت مسیح موعودؑ کی روایت زیادہ قیمتی اور لذیذ ہے یہاں تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ خدا کے فضل وکرم سے اس احقر العباد کے نام خلفاء اربعہ کے جملہ خطوط کا ریکارڈ بھی (جو علم ومعرفت کا آسمانی خزانہ ہے) میرے پاس محفوظ ہے۔

ابتداء ہی میں حضور نے جناب وکیل اعلیٰ صاحب تحریک جدید کو خاکسار کی نسبت ارشاد فرمایا کہ تحریک جدید کی سالانہ رپورٹیں جو مجھے بھجوائی جاتی ہیں انہیں بھی دکھلائی جائیں تا ضروری واقعات کا اس کے پاس بھی اندراج ہو اسی طرح چوہدری بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کو بھی حکم دیا کہ جو خلاصے مجھے بھجوا رہے ہیں وہ اسے بھی ضرور دکھلا دیا کریں نوٹ لے سکیں۔

جولائی 1984ء میں یہ عاجز وفاقی شرعی عدالت کی کارروائی کے سلسلہ میں لاہور تھا۔ حضور نے میرے ایک عریضہ کے جواب میں 25 جولائی 1984ء کو تحریر فرمایا:

''آپ تو ماشاء اللہ حوالوں کے بادشاہ ہیں۔ سارے مولوی مل کر بھی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہر میدان میں آپ کا حامی وناصر ہو۔'' (صفحہ 27,28)

منٹ میں حوالے ہی حوالے

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 23 اکتوبر 1982ء کو بیت مبارک میں مجلس عرفان میں فرمایا:

''مولوی دوست محمد صاحب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حوالوں کے بادشاہ ہیں ایسی جلدی ان کو حوالہ ملتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ جب قومی اسمبلی میں پیش ہوتے تھے تو وہاں بعض غیر از دوستوں نے آپس میں تبصرہ کیا اور بعض احمدی دوستوں کو بتایا کہ:

''ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آتی کہ ہمارے اتنے موٹے موٹے مولوی ہیں ان کو ایک حوالہ ڈھونڈنے کے لیے کئی کئی دن لگ جاتے ہیں لیکن ان کا دبلا پتلا سا مولوی ہے اور منٹ میں حوالے ہی حوالے نکال کر پیش کر دیتا ہے۔''

(الفضل 11 جون 1983ء)

شفقت کے مختلف انداز

''قیام لندن کے دوران حضور کے فرمان مبارک پر ''سنسنی خیز انکشافات'' تالیف ہوئی جو دوبارہ لنڈن سے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوئی۔

حضرت اقدس نے 26 دسمبر 1985ء کو اس کفش بردار کو ایک خصوصی مکتوب میں لکھا:

''آپ کی (دعوۃ الی اللہ کی) کوششیں انتہائی قابل قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے بہتر نتائج برآمد فرمائے ماشاء اللہ پھل بھی اچھے لگ رہے ہیں۔ جماعتوں میں بیداری کی لہر نظر آرہی ہے آپ جہاں جائیں ان کے جذبہ (دعوت الی اللہ) کو بھی ابھاریں خدا کے فضل سے توقع سے زیادہ خوشکن نتائج ظاہر ہوں گے۔ الحمدللہ آپ کی کوششوں سے یوکے کی

جماعتوں کے چہرے پر رونق آ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اپنے فرشتوں سے مدد فرمائے اور علم اور معرفت میں ترقی دے اور لوگ مستفیض ہوں۔"

خاکسار 20 فروری 1986ء تک حضور کے زیر سایہ انگلستان میں مقیم رہا اس دوران حضور نے ازراہ شفقت وذرہ نوازی میری بیگم سلیمہ اختر صاحبہ اور میری پیاری بیٹی طاہرہ صدیقہ سلمہا تعالیٰ کو بھی انگلستان آنے کی اجازت بخشی اور نہ صرف میری بیٹی کے رخصتانہ کی تقریب میں شمولیت فرمائی بلکہ اس کے کبھی اخراجات کا بھی خود انتظام فرمایا۔ اس موقعہ پر لنڈن کے عشاق خلافت نے محبت وخلوص کا جو نمونہ دکھلایا اس نے قرن اول کی یاد تازہ کر دی بارگاہ خلافت کی طرف سے ہم دونوں میاں بیوی کے قیام کے لیے اسلام آباد کے اس کمرہ کی منظوری عطا ہوئی جس میں بیگم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب صدر لجنہ اماء اللہ انگلستان کا دفتر یا قیام تھا۔

دوران قیام انگلستان حضور کی نظر کرم سے حضرت مرزا عبدالحق صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اور خاکسار کو لیگ ڈسٹرکٹ، گلاسکو اور انگلستان کے کئی اور مقامات دیکھنے کی بھی سعادت ملی اور معلومات میں از حد اضافہ ہوا۔

ایک شب (ایک دوست) لنڈن سے اسلام آباد پہنچے اور ہمارے کیبن میں انڈوں کا ایک ٹوکرہ دے گئے اور بتایا کہ حضور نے آپ میاں بیوی کے لیے تحفہ بھجوایا ہے۔"

(صفحہ 33,34)

شیر پنجرے میں

"خاکسار 1990ء میں تلونڈی موسیٰ خان کیس میں تعزیرات پاکستان کی دفعات 298، 188 اور 295 کے تحت سنٹرل جیل گوجرانوالہ میں تھا۔ حضور انور نے ہمارے کیس کی پیروی کے لیے محترم خواجہ سرفراز احمد صاحب ایڈووکیٹ سیالکوٹ کو مقرر فرمایا آپ نے اس شان سے وکالت کا حق ادا کیا کہ حضور نے ایک خصوصی مکتوب ان کے نام لکھا جس میں آپ کو زبردست خراج تحسین ادا کیا آپ کا وصال 22 مئی 2000ء کو ہوا۔

میرے مشفق آقا نے ان دنوں ہم ناچیز خدام کے لیے نہ صرف خود نہایت گریہ وزاری سے اور نیم شبی دعاؤں سے عرش الٰہی کو ہلا دیا بلکہ 13 اپریل 1990ء کو محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر امور عامہ (حال ناظر اعلیٰ) کو بذریعہ ٹیلیفون پیغام دیا۔

"اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مولوی دوست محمد صاحب اور دوسرے احمدی احباب کی قربانی قبول فرمائے۔ عسى ان تکرهوا شيأ وهو خير لكم خدا کی خاطر تکلیف پہنچی ہے۔"

میں نے اپنی رپورٹ میں دینی سرگرمیوں کی رپورٹ حضور انور کی خدمت میں بھجوائی تو حضور نے بے انتہا مسرت کا اظہار فرمایا اور 19 جون 1990ء کو تحریر فرمایا:

"پیارے مکرم مولوی دوست محمد صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کا خط ملا جیل میں ماشاء اللہ آپ نے خوب (دعوت الی اللہ) کی اور زبردست جماعت قائم کی ہے اللہ کرے آپ لوگوں کے بعد جو قیدی رہ گئے ہیں ان میں بھی باقاعدہ جماعت مستقل رہے۔"

علاوہ ازیں حضور نے اپنے قلم مبارک سے 16 اپریل 1990ء کو عزیزم ڈاکٹر سلطان مبشر صاحب کو حسب ذیل مکتوب گرامی ارسال فرمایا جو آپ کے ان قلبی جذبات کا عکاس تھا جو حضور کے قلب صافی میں بحر ناپیدا کنار کی طرح موجیں مار رہے تھے۔ یہ روح پرور مکتوب انہوں نے خود جیل میں ہمیں پہنچایا اور ہم سب کے اندر زندگی کی ایک نئی برقی لہر دوڑ گئی اور پھر جلد ہی رہائی کے غیبی سامان بھی ہو گئے۔ اس مبارک مکتوب کا مبارک متن ہدیہ قارئین ہے۔

20 رمضان 1990ء۔ پیارے عزیزم سلطان!

شیر پنجرے میں بھی شیر ہی رہتا ہے اور زنداں میں یوسف کی بوئے یوسفی نہیں جاتی۔ اللہ کے شیروں سے ملنے جاؤ تو میرا محبت بھرا سلام اور پیار دینا۔ یہ شیر عصائے موسیٰ کی صفات بھی رکھتے ہیں۔ صاحب عصا کو ان کی طرف سے کوئی خوف نہیں۔ یہ شیر والذین معہ کا پرتو بھی ہیں کہ ان کے جلال کا چہرہ صرف حملہ آور دشمن کی طرف کھلتا ہے جبکہ اپنوں کے لیے رحماء بینھم ہو کر اپنے جمال کی نرم چاندنی ان پر نچھاور کرتے ہیں۔

سلاخوں سے پار بازو تو جا ہی سکتے ہوں گے۔ دلوں کی راہ میں تو کوئی آہنی دیوار بھی حائل نہیں ہو سکتی۔ پس بن پڑے تو سلاخوں میں سے گلے لگا کر دل سے دل ملا کر محبت بھرا سلام اور پیار بھرا عید مبارک کا تحفہ پیش کرنا۔ پھر اس چہرے کی کیفیت لکھنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں اس وقت بھی تمہارے ابا کا وہ کھلا ہوا چہرہ دیکھ رہا ہوں اور ان کی خوشیوں کی چاندنی میری آنکھوں کی شبنم بن رہی ہے۔ خدا حافظ

امی کو بھی سلام اور عید مبارک۔ تمہارے خاندان کو یہ سعادتیں اللہ تعالیٰ تا ابد مبارک فرمائے۔

والسلام۔ خاکسار

''مرزا طاہر احمد''

(اقلیم خلافت کے تاجدار صفحہ 30 تا 32)

تاریخ احمدیت پر سند

''حضور اقدس نے ازراہ نوازش خاکسار کے لخت جگر ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب کا 22 ستمبر 1991ء کو اسلام آباد لندن میں خطبہ نکاح پڑھا جس میں فرمایا:

''عزیزم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر کے والد مکرم محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد سلسلے میں کسی تعارف کے محتاج نہیں بہت ہی عظیم الشان خدمت کی توفیق پائی ہے اور بہت گہرا علم رکھتے ہیں۔ تاریخ احمدیت پر خدا کے فضل سے سند بن چکے ہیں اس کے علاوہ بھی ہمیشہ بڑی انکساری کے ساتھ سلسلہ کی مختلف خدمات پر مامور ہے اور ان خدمات کا حق ادا کر دیا۔ ان کا بچہ سلطان احمد بھی (ماشاء اللہ) انہیں کے رنگ میں رنگین ہے۔''

(الفضل 14 دسمبر 1991ء صفحہ 7)

ہم زندہ ہیں

مولوی فضل احمد صاحب شاہد کا بیان ہے:

''حضرت مولانا کو خلافت سے جو والہانہ تعلق تھا اس کا بھی عینی شاہد ہوں۔ مولانا مجالس سوال و جواب اور دیگر کاموں کی رپورٹیں حضور کو بھجواتے اور جب حضور کی طرف سے خوشنودی کا اظہار ہوتا تو مولانا خوشی سے پھولے نہ سماتے بلکہ خوشی کے عالم میں دکھاتے کہ یہ دیکھیں نالائقوں

پر امام وقت کی شفقتیں۔

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ربوہ سے باہر پاکستان کے کسی مقام پر تشریف لے گئے جب حضور ربوہ تشریف لائے تو کاروں کا پُر رونق جلوس بیت مبارک کی حدود میں داخل ہوا۔ فرط مسرت سے خدام نے پُر جوش انداز میں نعرے لگا دیے۔ حضرت مولانا نے جو میرے پاس کھڑے تھے مجھے یہ دیکھ کر فرمایا ''اب پتہ لگتا ہے نا کہ ہم زندہ ہیں۔'' یعنی جماعت کی یہ زندگی اور حرارت تو خلافت سے ہی وابستہ ہے۔ اور خلیفۃ وقت کے بغیر ارض ربوہ بے رونق اور بے جان ہے۔'' (روزنامہ الفضل 4 مارچ 2010ء صفحہ 3)

خیر مبارک

مولانا صاحب رقمطراز ہیں:

''خاکسار اکتوبر 2002ء میں جرمنی، سویڈن، ناروے اور ہالینڈ کے (دعوت الی اللہ) دورہ پر تھا ہر جگہ خدا کے فضل وکرم سے تقاریر اور مذاکرات کے پروگرام غیر معمولی طور پر کامیابی سے ہمکنار ہوئے جو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی قوت قدسیہ کا اعجاز تھا۔

خدا تعالیٰ جزائے عظیم بخشے جناب عبداللہ واگس ہاؤزر صاحب نیشنل امیر جماعت احمدیہ جرمنی کو جنہوں نے بذریعہ جہاز فرینکفورٹ سے میرے لندن جانے کا انتظام کیا اور مجھے 25 اکتوبر 2002ء کو اپنی جان سے عزیز، محبوب ترین آقا اور امام عالی مقام کی آخری زیارت کا شرف حاصل ہوگیا۔

حضور ان دنوں شدید علالت کے باعث ذاتی ملاقاتوں میں بھی اکثر بالکل خاموش رہتے تھے۔ مکرم جناب مولانا منیر احمد صاحب جاوید پرائیویٹ سیکرٹری نے جرمنی میں ہی مجھے برقی پیغام دیا کہ 25 اکتوبر کی عصر بیت الفضل لندن میں پڑھیں اس وقت ہی ملاقات ہو جائے گی۔

سو الحمدللہ ثم الحمدللہ حضور انور نماز عصر پڑھانے کے بعد جب واپسی کے لئے جونہی محراب میں کھڑے ہوئے حضور کی شفقت انگیز نظر مجھ ناچیز پر پڑ گئی۔ حضور انور نے افسر حفاظت میجر محمود احمد صاحب سے دریافت فرمایا مولوی دوست محمد شاہد ہیں؟

یہ دیکھتے ہی میں دیوانہ وار عقبی دروازہ کے آگے خالی جگہ پر پہنچ گیا اور اپنے محبوب آقا کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور مبارک باد دی کہ حضور کے ترجمہ قرآن مجید کا دوسرا ایڈیشن بھی چھپ گیا ہے جس پر حضور نے دروازہ سے باہر پہنچ کر بلند اور سحر آفریں آواز میں فرمایا ''خیر مبارک'' آہ مجھے کیا معلوم تھا کہ اپنے مقدس امام سے یہ میری آخری ملاقات ہے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

(صفحہ 37,38)

بادشاہ وقت حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خراج تحسین

2005ء جلسہ سالانہ قادیان کے دنوں میں حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کبھی بیت اقصیٰ اور کبھی دار الضیافت میں علم وعرفان کی محفل لگاتے۔ ایک دن اس دوران کچھ اس طرح کے الفاظ خاکسار نے خود ان سے سنے

کہ ''اس خاکپائے خلافت نے حضرت (خلیفۃ المسیح) سے یہ عاجزانہ درخواست کی ہے کہ جب (...) کی چابیاں حضور انور کے ہاتھ میں ہوں اور عاجزانہ شان کے ساتھ دنیا بھر سے احمدیوں کے قافلے حضور پُر نور کی قیادت میں زیارت (...) کو جائیں تو اس وقت اس عاجز کو یاد رکھیے گا۔

حضرت مولانا یہ الفاظ اپنے مخصوص انداز اور عالم رقت میں اس طرح بیان کرتے کہ گویا یہ نظارہ جو انشاء اللہ ضرور پورا ہوگا اپنی چشم تصور سے دیکھ رہے ہوں۔

عالم باعمل زبردست خراج تحسین

آپ مورخ بھی تھے اور محقق بھی، خطیب بھی تھے اور جید عالم دین بھی، مناظر بھی تھے اور دانشور بھی تھے اور بے شمار کتب کے مصنف بھی تھے۔ آپ کی شخصیت عجز و انکسار اور سادگی کا مرقع تھی۔ دن رات خدمت دین میں مصروف رہنے والے عالم باعمل تھے۔ ہر وقت خدمت دین کی دھن آپ پر سوار رہتی تھی۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 2009ء میں حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی وفات پر ان کا ذکر خیر کیا جو احمدیت کے اس عظیم مؤرخ کے لیے عظیم خراج تحسین ہے۔

خط کے اختتام پر الفاظ

محترمہ امۃ الباری ناصر صاحبہ لکھتی ہیں:

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کی یاد میں جو شاندار خراج محبت پیش کیا اس کا ایک لفظ سنتے ہوئے مجھے خیال آرہا تھا۔ خدمت دین کا جو معیار آپ کو ملا تھا کاش ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے عاجزانہ راہیں اختیار کیں اور قابل رشک مقام حاصل کیا۔ میری نظروں کے سامنے وہ الفاظ آرہے تھے جو آپ خط کے اختتام پر لکھتے تھے۔

سلسلہ کا ادنیٰ ترین خادم، درخلافت کا خادم، ایوان خلافت کا کفش بردار، ایوان خلافت کا خاک در، خاک پائے مسرور۔

(روزنامہ الفضل 18 دسمبر 2009 صفحہ 6)

ایوان خلافت کا ایک فقیر بے نوا

اس مضمون کا اختتام حضرت مولانا کے انہی الفاظ پر کرتا ہوں جو ہم سب کے لیے مشعل راہ ہیں، لکھتے ہیں:

ایوان خلافت کا ایک فقیر بے نوا ہے۔ میں اپنے عمر بھر کے وسیع تجربات کی بنا پر اب ذوالجلال کی قسم کھا کر علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ آج ہر نوع کے فیضان محمدی کی سرچشمہ تک رسائی نظام خلافت کے وسیلہ سے ممکن ہے اور خدا کی پاک جماعت کے ہر فرد یا ادارہ پر تمام برکات فرشتوں کی ان آسمانی افواج کے ذریعہ نازل ہو رہی ہیں جن کو اب محمد ﷺ نے اپنے محبوب خلیفہ کا تاج خلافت پہنانے ہی تابع فرمان کر دیا ہے اور ہر مخلص احمدی اس کے نائب سے حد درجہ وفا کرتا ہے۔ اسی نسبت سے خدائی دستے متعین کر دیے گئے ہیں جو اس کے ہر دینی کام میں اس کے غیبی معاون بن جاتے ہیں۔

اسی لیے خلیفہ موعود سیدنا حضرت محمود المصلح موعود فرماتے ہیں:

''وہی شخص سلسلہ کا مفید کام کر سکتا ہے جو اپنے آپ

کو امام سے وابستہ رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ نہ رکھے اتنا بھی کام نہیں کرسکتا جتنا بکری کا بکروٹا کرسکتا ہے۔''

(الفضل 20 نومبر 1946ء صفحہ 7)

نیز ارشاد فرمایا:

''خلیفہ استاد ہے اور جماعت کا ہر فرد شاگرد۔ جو لفظ بھی خلیفہ کے منہ سے نکلے وہ عمل کیے بغیر نہیں چھوڑنا۔''

(الفضل 2 مارچ 1946ء صفحہ 3)



...ہر کہا پورا ہوا ہے

زمیں پر آسماں اُترا ہوا ہے
یہ کیسا نُور سا بکھرا ہوا ہے

سہانا ہو گیا ہے دل کا موسم
کوئی اس شہر میں ٹھہرا ہوا ہے

ہوئے ہیں خواب سارے دلنشیں سے
امیدوں کا چمن نکھرا ہوا ہے

معطّر ہوگئی ہیں سب ہوائیں
کوئی اس راہ سے گزرا ہوا ہے

ہم اس کی ذات کے قربان جائیں
کہ جس کا ہر کہا پُورا ہوا ہے

(مکرم عبدالصمد قریشی صاحب)

بیاد محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد

رحلت سے ایک عالم کے ہے غمزدہ
نادر وجود تھا جو جدا ہم سے ہوگیا
منبع تھے علم و فضل کے اس کے دل و باغ
دیں کے لیے جو وقف تھے شام و سحر صدا
تنہا تھا وہ ادب میں ''حوالوں کا بادشاہ''
کیا خوب اس کو ''مرد خدا'' نے لقب دیا
تقریر اور تحریر میں اک امتیاز تھا
نادر حوالہ جات کا دریا بہا گیا
پروانہ تھا وہ شمع خلافت کا جاں نثار
جس وقت اس کو دیکھا وہ محو طواف تھا
کیسے بھلا سکیں گے ہم اس نادر وجود کو
جس کے ہر ایک نقش قدم پر ہے اک دیا
جب بھی کسی عنوان پر وہ لب کشا ہوا
وہ اپنی خوش گفتاری سے مجلس پر چھا گیا
اللہ نے اس میں رکھے تھے اوصاف اس قدر
کہ ''مین آف دی ایئر'' کا اعزاز پا گیا
یا رب صمیم قلب سے ہم بہر مغفرت
کرتے ہیں اس فدائی کے حق میں یہی دعا
درجات کی بلندی سے اس کو نوازیو
کچھ اسے فردوس میں اعلیٰ مقام عطا
شبیر کو نہ بھولے گا وہ خوش نصیب دن
باغ و بہار ہستی کا جب ہمسفر ہوا

(مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب)

ایک تربیتی دورہ میں پشاور تک ہمسفر رہے۔

سلطان البیان کے غلام

’’تحریر وتقریر میں ایک خاص ملکہ تھا‘‘

(مکرم محمد محمود طاہر صاحب۔ ایڈیٹر ماہنامہ انصار اللہ ربوہ)

میرے مضمون کے دو حصے ہیں۔ اول محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی شخصیت بطور مناظر سلسلہ اور دوم مجھے مولانا صاحب کی خدمت بطور مقرر جلسہ سالانہ کے بیان کرنا ہے۔ دراصل یہ دونوں سلطان البیانی کی ہی دو اقسام ہیں جس کا تعلق فن خطابت کے ذریعہ خدمت دین ہے۔

مولانا صاحب بطور مناظر سلسلہ

جہاں تک محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی خدمات بطور مناظر سلسلہ کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں قارئین کرام کو یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ جس دور میں محترم مولانا صاحب نے میدان عمل میں قدم رکھا اور خدمات دینیہ کا آغاز فرمایا اس دور میں ملکی حالات جس میں سرکاری عمل دخل بھی شامل تھا اور مخالفت احمدیت کی شدت شر انگیزی، اشتعال اور تعصب کا روپ اختیار کرتی چلی گئی۔ اس کا آغاز 1953ء کے فسادات سے شروع ہوتا ہے اور پھر 1974ء میں قومی اسمبلی کے ذریعہ جماعت کو اقلیت قرار دیا گیا اور 1984ء میں صدارتی محل سے بدنام زمانہ امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری کر دیا گیا۔ ان حالات کے تناظر میں صنف مناظرہ دم توڑ تا گیا لیکن اس کی جگہ مذاکروں، علمی مباحثوں اور مجالس سوال وجواب نے لے لی۔ جس میں براہ راست مباحثہ کی نسبت چھوٹے پیمانے پر متلاشیان حق کیلئے حقانیت احمدیت ثابت کرنے کے مواقع پیدا کئے جاتے رہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ مؤخر الذکر طریق اثبات حق میں محترم مولانا صاحب کو خوب خدمت احمدیت کی توفیق ملی ہے۔ تاہم آپ کی زندگی میں جن مناظروں کی صورت پیدا ہوئی ان میں بھی آپ کو مخالف کیمپ پر کپکپی طاری کرنے کا موقع ملا۔ ان کا مختصر احوال درج کیا جاتا ہے:

محترم مولانا صاحب کا پہلا اور آخری باقاعدہ پبلک مناظرہ 1951ء کے لگ بھگ بیدادپور ضلع شیخوپورہ میں ہوا جبکہ آپ کی عمر صرف 24 سال تھی۔ فریق ثانی کے مناظر حکیم محمد اسحٰق صاحب وزیرآبادی تھے جو غالباً ماہنامہ ’’اولی الامر‘‘ کے ایڈیٹر بھی تھے آپ کیم وشحیم اور فربہ جسم کے تھے جبکہ آپ کے مقابلہ پر ایک دبلا پتلا میانہ قد نوعمر جوان تھا۔ مولانا صاحب کے عمر اور جسم کو دیکھ کر حکیم صاحب نے مذاق بھی اڑایا۔ مسیح کے اس غلام نے میدان مناظرہ میں اترنے سے پہلے اپنی سجدہ گاہ کو رقت بھری دعا سے تر کر لیا۔ حکیم صاحب نے جب یہ مذاق اڑایا کہ کسی آدمی کو میرے مقابل لانا تھا تو مولانا نے پر جوش آواز میں کہا انشاء اللہ ابھی پتا چل جائے گا کہ ’’اصحاب الفیل کون ہیں اور ابابیل کون‘‘ یہ سن کر محفل پر سناٹا چھا گیا۔ مناظرہ کا عنوان مسئلہ حیات ووفات مسیح تھا۔

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے حکیم صاحب کو چیلنج کیا کہ وہ کسی مسلک کی مطبوعہ احادیث میں کوئی ایک اصل حدیث دکھادیں جس میں آنحضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ آسمان پر (معراج کے موقع پر) میں نے جملہ انبیاء کی صرف روحوں کی امامت کروائی ماسوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جن کا خاکی جسم تھا۔ اس چیلنج پر حکیم صاحب لاجواب ہو گئے اور کہا کہ میری طبیعت خراب ہو گئی ہے اس پر ان کے ساتھیوں نے ان کی سخت ملامت کی کہ تم نے ایک بچے کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ مولانا صاحب نے حاضرین کو کہا کہ حکیم صاحب کی طبیعت خراب ہے انہیں کچھ نہ کہیں میں دو روز تک یہاں ہی ہوں جب حکیم کی طبیعت سنبھل جائے میں حاضر ہو جاؤں گا لیکن آپ کے قیام کے دوران حکیم صاحب کی ''طبیعت نہ سنبھل سکی'' اور محترم مولانا صاحب کامیاب و کامران مرکز سلسلہ واپس لوٹ آئے۔

(ملخص از دلچسپ علمی واقعات ومشاہدات صفحہ 44-47)

خلافت ثانیہ کے آخری دور کا واقعہ ہے آپ کو دنیا پور مرکز کی طرف سے بھجوایا گیا جہاں مشہور احراری سائیں لال حسین اختر صاحب اشتعال انگیز تقریریں کر رہے تھے۔ صدر جماعت دنیا پور شیخ محمد اسلم صاحب نے ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا جس میں محترم مولانا صاحب نے اختر صاحب کے تمام ضروری سوالوں کے جواب دیے۔ اس دوران ان کی طرف سے مولانا صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیا گیا۔ آپ نے فوراً منظور کر کے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کیا مگر ساتھ یہ شرط رکھی کہ تینوں متنازعہ موضوعات پر مباحثہ صرف قرآن سے ہوگا۔ سائیں جی نے یہ کہا ہمیں یہ منظور نہیں۔ چنانچہ آپ نے سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اس جواب سے روز روشن کی طرح کھل گیا کہ منکرین احمدیت کے پاس گالیاں، استہزاء اور پھکڑ بازی کے شعبدے تو موجود ہیں مگر قرآن ہرگز نہیں یہ صرف احمدیوں کے پاس ہے۔

(ایضاً صفحہ 12-13)

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا ابتداء سے یہ طریق تھا کہ جب بھی آپ (دعوت الی اللہ) کے سلسلہ میں یا جماعتی مہم کے سلسلہ میں سفر پر جائے تو حوالہ جاتی کتب کا صندوق بھر کر ساتھ رکھتے تا اپنے مؤقف اور دعویٰ کے ثبوت میں اس وقت اصل حوالہ پیش کر کے مخالف کی تشفی کر دی جائے اس بارہ میں آپ فرماتے ہیں:

''خاکسار خلافت ثانیہ وثالثہ کے مبارک زمانہ میں اتمام حجت کے لیے ہر سفر (دعوت الی اللہ) میں کتابوں کا صندوق ساتھ رکھتا تھا۔ بعد میں فوٹو کاپیوں نے بہت آسانی پیدا کر دی تو میں نے بھی انہی کو ترجیح دی بلکہ پہلی بار جب میں مارچ 1985ء میں لنڈن آیا تو میرے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ اس لیے میں انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کا ممبر بن گیا اور بہت سی کتابوں کے عکسی صفحات خود ''محمود ہال'' کی فوٹو اسٹیٹ مشین سے کر لیں اور یہ فوٹو کاپیاں مہیا کر کے ان کی فائلیں بنا لیں جن سے پورے یورپ میں مجھے بہت فائدہ ہوا۔''

(دلچسپ علمی واقعات ومشاہدات صفحہ 82-83)

حوالوں کے بادشاہ نے اپنے اس فن کے ذریعہ براہ راست اور بالواسطہ مناظروں اور مناظرہ نما صورت حال میں غیر معمولی جماعتی خدمت کی توفیق پائی۔ چنانچہ 1974ء میں قومی اسمبلی میں پیش ہونے والے وفد میں سیدنا حضرت

خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے معین و مددگاروں میں آپ کو بھی شامل ہونے کی تاریخی سعادت حاصل ہوئی۔13 روز تک بیان و ابلاغ اور سوال جواب کے اس سلسلہ کے دوران میں آپ کو حضورؒ کے زیر سایہ خدمت کی توفیق ملی۔حق ابلاغ جس طرح ادا کیا گیا اس کا احوال خود مولانا صاحب نے ایم ٹی اے کی ریکارڈنگ کے ذریعہ بیان کر دیا کہ کس طرح اللہ نے حق و باطل میں فرق کر کے دکھایا۔

1984ء میں جماعت کے خلاف ناروا پابندیوں کو چار درخواست دہندگان نے شرعی کورٹ میں چیلنج کیا۔کیس کی سماعت کے دوران اپیلانٹس کی معاونت کیلئے وفد میں محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد بھی شامل تھے جو کیس کی تیاری میں معاونت کے لیے بعض دفعہ رات دو دو بجے تک بڑی بشاشت سے کام کرتے۔اس کام کی سعادت حاصل کرنے والوں کے لیے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے محترم حافظ مظفر احمد صاحب کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا کہ"یہ ایک عظیم سعادت جو تاریخ احمدیت میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھی اور یاد کی جائے گی اور آنے والی نسلیں آپ پر سلام اور رحمتیں بھیجیں گی۔"

(روزنامہ الفضل 25 فروری 2010ء)

نومبر 1994ء کی بات ہے کہ جنوبی ہندوستان کے علاقہ کوئمبٹور (Coimbatoor) میں ایک عالم دین مولوی زین العابدین صدر جمعیۃ القرآن والحدیث نے احمدیوں کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔چنانچہ مناظرہ طے پا گیا۔مولانا محمد عمر صاحب اور مولوی ایوب صاحب جماعت کی طرف سے مقرر ہوئے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے احمدی علماء کی معاونت کیلئے محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب اور محترم حافظ مظفر احمد صاحب کو وہاں جانے کا ارشاد فرمایا۔یہ مناظرہ 21 تا 29 نومبر 1994ء مسلسل نو دن جاری رہا۔اس کی مکمل ریکارڈنگ ہوئی۔مخالف مناظر کے اعتراضات ساتھ ساتھ نوٹ کر کے دونوں علماء احمدی مناظر کو دے دیتے جس سے وہ مخالف کو تسلی بخش جواب دیتے۔مناظرہ میں جماعت کی غیر معمولی برتری ہوئی اور دلائل کے میدان میں دشمن پسپا ہوا۔حضورؒ نے اس کامیابی پر دعاؤں کے علاوہ شامل مناظرہ پانچ علماء کرام کو دس ہزار روپیہ انعام بھی بھجوایا۔اللہ کے فضل سے اس مناظرے کے نتیجہ میں اس علاقے میں جماعت کو ترقیات نصیب ہوئیں۔

اس کامیاب مناظرہ کے بعد حضور کے ارشاد پر محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے حیدرآباد دکن، بنگلور اور بمبئی کا دورہ کیا اور احباب جماعت کو اپنے علمی تجربات و مشاہدات سے مستفیض کیا اور واپسی پر قادیان میں ایک جلسہ میں آپ نے اور محترم حافظ مظفر احمد صاحب نے مناظرہ کی روداد احباب جماعت کو سنائی اور حضورؒ نے جلسہ سالانہ میں دونوں احباب کو اپنا نمائندہ مقرر فرمایا۔

(الفضل 25 فروری 2010 صفحہ 5)

یہ تذکرہ ہوا مناظروں اور مناظرہ نما صورت حال کا ہے۔جیسا کہ ابتداء میں خاکسار نے تحریر کیا ہے کہ مناظروں کی جگہ معروضی حالات میں مذاکروں اور مجالس سوال و جواب نے لے لی تھی۔اس میدان میں محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نصف صدی سے زائد عرصہ تک شہسوار کی طرح نظر آتے ہیں۔انتہائی علمی اور دلچسپ اور مسکت جوابات

دینے کا فن آپ کو آتا تھا اور اس کی تائید میں فوراً حوالہ پیش کر کے سائل اور معترض کی تشفی کر دیتے تھے۔

آپ کا سوال و جواب میں دلچسپی قائم رکھنے کا عنصر نمایاں تھا۔ اس کے لیے اپنی طبیعت میں موجود حس ظرافت کو بھی بروئے کار لاتے اور لطائف کی پھلجڑیاں محفل کی تازگی کو برقرار رکھتی تھیں۔ 25 فروری 2001ء کی بات ہے خاکسار ناظم اصلاح و ارشاد خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ تھا۔ (اس شعبہ کے تحت خدام کا شعور و آگاہی بڑھانے اور انہیں (دعوت الی اللہ) کے لیے تیار کرنے کے لیے علمی سیمینارز کا انعقاد کرنا شروع کیا گیا تھا)۔ محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو سیمینار میں مدعو کیا گیا۔ آپ کی گفتگو کا موضوع تھا ''جدید علم کلام کے عالمی اثرات'' سٹیج پر میزبانی کے فرائض خاکسار کے ساتھ محترم جناب مؤرخ ابن مورخ ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب مہتمم مقامی سرانجام دے رہے تھے۔ خدام الاحمدیہ مقامی کا بالائی ہال، چھوٹا ہال اور چھت خدام ربوہ سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی 400 کے قریب حاضری تھی۔

مولانا صاحب کی گفتگو اور سوال و جواب تقریباً اڑھائی گھنٹہ جاری رہی اور کسی وقت بھی خدام کی دلچسپی میں کمی نہ آئی بلکہ ابھی تشنگی باقی تھی کہ تاریک شی کے پیش نظر مکرم و محترم مہتمم صاحب مقامی نے مولانا صاحب سے درخواست کی کہ اب محفل برخاست کر دی جائے ورنہ مولانا صاحب تازہ دم تھے اور سامعین بھی۔

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد سوال و جواب میں نئے نکات اور علمی معارف بکھیرتے تھے اور جامع و مانع جوابات دیا کرتے تھے۔ ایک فاضل دوست نے سوال کیا کہ قرآن کریم تو ایک محدود صفحات پر مشتمل کتاب ہے اس کے حقائق و معارف بانی سلسلہ احمدیہ کے مطابق غیر محدود کیونکر ہو سکتے ہیں؟ آپ نے بے ساختہ جواب دیا کہ اردو کے حروف تہجی 37، فارسی کے 32 اور عربی کے 29 ہیں۔ بایں ہمہ انہی چند حروف کو مختلف الفاظ میں ڈھال کر آج تک بے شمار کتابیں چھپ چکی ہیں اور یہ سلسلہ روز قیامت تک جاری رہے گا۔

(دلچسپ علمی واقعات و مشاہدات صفحہ 11)

سوال و جواب کی محفلوں اور مذاکروں میں محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد میں غیر معمولی طور پر خدمت دین کی توفیق عطا ہوئی۔ یہ محفلیں اور مذاکرے آپ کی بالغ نظری، تبحر علمی، محنت شاقہ، شوق و لگن اور حضرت سلطان البیان کے غلام اور سلطان نصیر ہونے پر گواہ ہیں جس سے سامعین، ناظرین اور قارئین اکتساب علم کرتے رہے ہیں اور آپ کے مشاہدات تجربات اور علمی خدمات سے آئندہ نسلیں بھی مستفیض ہوتی رہیں گی۔ انشاء اللہ

مولانا صاحب بطور مقرر جلسہ سالانہ

یہ 29 اکتوبر 1951ء کی بات ہے کہ جامعۃ المبشرین کی طرف سے کامیاب ہونے والی پہلی شاہد کلاس جس میں محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد بھی شامل تھے ان کو الوداعی پارٹی دی گئی۔ جامعۃ المبشرین کی تاریخ میں یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ اس تقریب میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ بنفس نفیس رونق افروز تھے۔ اس موقع پر الوداع ہونے والے طلبہ کو ایڈریس پیش کیا گیا۔ یہ ایڈریس سیکرٹری درجہ ثالثہ مکرم محمد شفیع اشرف صاحب (سابقہ ناظر امور عامہ) نے

پیش کیا۔ جوابی ایڈریس محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے پڑھا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے بصیرت افروز خطاب میں جواب ایڈریس پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھے ایک چیز سے خوشی ہوئی ہے کہ مولوی دوست محمد صاحب نے جو جواب ایڈریس پیش کیا ہے وہ گو لکھا ہوا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے انہوں نے اردو کے تلفظ کو سیکھنے کی کوشش کی ہے اور تقریر کرنے کی انہیں مشق ہے۔''

(الفضل 7دسمبر 1951 صفحہ 4)

سلطان البیان حضرت مصلح موعود کی طرف سے یہ مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو ایک بہت بڑا خراج تحسین ہے جو انہیں جامعۃ المبشرین سے الوداع ہوتے وقت پیش کیا گیا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کا محاورہ بھی یہاں صادق آتا ہے۔ تقریر کی مشق کا جو مشاہدہ حضرت مصلح موعود نے فرمایا تھا پھر یہی جواب ایڈریس پیش کرنے والا خطابت کا شہسوار بنا جو اپنی شوکت آواز اور سوز لَے سے سامعین پر لرزہ طاری کرنے کا ملکہ بھی رکھتا تھا اور لطائف کی پھلجڑیوں سے اس محفل کو کشت زعفران بھی بنا دیتا اور ہمہ وقت سامعین کی توجہ حاصل کئے رکھتا انہیں معلومات بھی دیتا اور ان کی دلچسپی بھی برقرار رکھتا۔

جلسہ ہائے سالانہ پر محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اپنے فن خطابت کے جوہر دکھانے کا موقع ملا اور آپ کی تقریر حوالہ جات سے پُر، دلچسپی کے عناصر سے تر اور سامع کو اپنی طرف کھینچنے کے تمام تر سامان لیے ہوئے ہوتی تھی۔ جوش بھی ہوتا اور معلومات سے بھری ہوتی اور آغاز سے اختتام تک دلچسپی برقرار رکھنے کا فن آپ کو آتا تھا۔ اصل حوالہ جات کی نقول پیش کر کے بھی سامعین کی توجہ حاصل کرتے اور اپنی تقریر کو پُر اثر اور ثقہ بناتے تھے۔

جامعۃ المبشرین میں ''شاہد'' کی ڈگری کیلئے آپ نے جو مقالہ تحریر فرمایا اس کا عنوان تھا ''مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریک پر تبصرہ'' مئی 1955ء کے الفرقان میں یہ مقالہ شائع بھی ہو گیا اس کے دو سال بعد جلسہ سالانہ 1957ء کے موقع پر جلسہ سالانہ کے سٹیج سے آپ کو پہلی بار تقریر کی سعادت ملی۔ یہ شبینہ اجلاس تھا۔ جس کی صدارت حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے فرمائی اور حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد کی فرمائش پر محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی ''جماعت اسلامی پر تبصرہ'' کے عنوان سے تقریر کرنے کا موقع ملا جس کو اللہ کے فضل سے بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ شعبہ نشرو اشاعت کی طرف سے 1958ء کی مشاورت کے موقع پر اسے شائع بھی کر دیا گیا۔ حضرت مصلح موعود نے مشاورت میں اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا اور اس کی خرید کی تحریک فرمائی۔

(الفضل 10 مئی 2002ء، علمی واقعات و مشاہدات صفحہ 94)

اس پہلی تقریر کے بعد جو کہ عین جوانی میں آپ نے کی تھی 1969ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر شبینہ اجلاس میں ''خلافت احمدیہ'' کے موضوع پر آپ کو تقریر کی توفیق ملی۔

شبینہ اجلاس کی دو تقریریوں کے بعد 1974ء سے

1983ء تک مسلسل آپ کو جلسہ سالانہ کے سٹیج سے اپنے عالمانہ اور فاضلانہ خطاب سے احباب جماعت کو مستفیض کرنے کا موقع ملا۔اللہ کے فضل سے آپ کی تمام تقاریر جلسہ سالانہ طبع ہو چکی ہیں۔سن اور عنوان تقریر ترتیب کے ساتھ ذیل میں درج ہیں:

جلسہ سالانہ	عنوان تقریر
1974ء	شان قرآن مجید
1975ء	خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
1976ء	احمدیت کی امتیازی شان
1977ء	تفسیر خاتم النبیین اور بزرگان سلف
1978ء	وفات مسیح اور احیائے (...)
1979ء	جماعت احمدیہ کی ملی خدمات
1980ء	چودھویں صدی کی غیر معمولی اہمیت
1981ء	کلام اللہ کا مرتبہ اور حضرت مصلح موعود
1982ء	خداتعالیٰ کی ذات وصفات کا اسلامی تصور
1983ء	عقائد احمدیت پر اعتراضات کے جوابات

نوٹ:1983ء کے بعد سرکاری اجازت نہ ملنے کی وجہ سے ربوہ میں جلسہ سالانہ کا انعقاد نہیں ہو سکا۔

جلسہ سالانہ کے سٹیج کے آپ 1974ء کے بعد سے مستقل مقرر تھے اور 1983ء کے بعد ملکی حالات کی وجہ سے یہ سلسلہ تو جاری نہ رہ سکا لیکن محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کے فن خطابت اور فاضلانہ تقاریر سے احباب جماعت جلسہ سالانہ کے علاوہ بھی مستفیض ہو رہے تھے اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

جلسہ سالانہ کے علاوہ ربوہ میں ہونے والے جماعتی جلسوں جن میں جلسہ ہائے سیرۃ النبیؐ، جلسہ ہائے یوم مسیح موعودؑ، جلسہ ہائے یوم مصلح موعود، جلسہ ہائے یوم خلافت کے موقع پر محترم مولانا صاحب ہر دلعزیز مقرر کے طور پر سامعین کی توجہ کا مرکز بنتے تھے۔خاکسار کو بیت المبارک اور بیت المہدی میں ہونے والے ان جلسوں میں شرکت اور محترم مولانا صاحب کو براہ راست سننے کا موقع ملا ہے۔ پاکستان بھر میں ہونے والے تربیتی اجتماعات اور جماعتی جلسوں میں بطور مہمان مقرر کے آپ کو نصف صدی تک خطابات کرنے کا موقع ملا۔آپ جاتے ہوئے اصل حوالہ جات اور تراشے ہمراہ لے جاتے اور دوران تقریر ثبوت کے طور پر پیش کر کے دلچسپی اور معلومات کے سامان پیدا کیا کرتے تھے۔پاکستان کے علاوہ آپ کو یورپ، متحدہ عرب امارات اور انڈیا میں بھی جماعتی دورہ جات کے دوران اپنے تقریری جوہر دکھانے کی توفیق ملی اور یوں اس بہتی ندیا سے احباب جماعت سیراب ہوتے رہے۔ بیت المبارک کی امامت کے فرائض بھی ایک عرصہ تک انجام دیتے رہے اور بیت المبارک میں لاتعداد جوڑوں کے نکاح پڑھانے کا آپ کو موقع ملتا رہا۔خطبات نکاح کے دوران میں علمی اور تاریخی حوالے سے دلچسپ معلومات دے کر احباب کو مستفیض کرتے اور آپ کا کمال تھا کہ اگر روزانہ بھی خطبہ نکاح دے رہے ہیں تو روزانہ نیا موضوع اور متنوع معلومات مہیا کر رہے تھے۔حوالوں کے بادشاہ تھے،تاریخ دنیا، تاریخ اسلام اور تاریخ احمدیت پر دسترس تھی۔اس طرح اپنے بحر علم سے احباب کو فیض پہنچاتے رہے۔ بیت اقصیٰ میں ایک لمبا عرصہ

تک آپ کو خطبات جمعہ دینے کی بھی سعادت حاصل ہوئی ہے۔شعبہ تاریخ میں نصف صدی سے زائد عرصہ تک احباب جماعت، غیراز جماعت مہمانان اور اہم علمی شخصیات کا آنا جانا لگا رہا۔متلاشیان حق بھی آتے تھے اور احباب جماعت بھی اکتساب علم کے لیے تشریف لاتے ان سب کی علمی سیرابی کے سامان آپ خطیبانہ انداز میں بھی کرتے رہے اور اصل حوالہ جات اور تراشہ جات بھی ساتھ مہیا کر کے فرماتے رہے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خلفاء احمدیت کے ارشادات کے مطابق مختلف دینی مہمات پر مختلف مقامات پر تشریف لے جاتے اور اپنے علم وعرفان کے ذریعہ احباب کو استفادہ کرنے کا موقع فراہم کرتے تھے۔

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اپنی ان علمی و تقریری خدمات پر خلفائے احمدیت کی طرف سے ہمیشہ خراج تحسین ملتا رہا۔''حوالوں کے بادشاہ'' کا خطاب بھی خلیفۃ المسیح کی طرف سے عطا ہوا جو ایک مناظر اور مقرر کے لیے توپ وتفنگ سے کم نہیں۔آپ کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ میں آپ کے تحریر وتقریر کے فن کو بھی خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''تحریر وتقریر میں ایک خاص ملکہ تھا''

اس خاص ملکہ کی چند جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کے علمی وتقریری خدمات کو قبول فرمائے اور آپ کے فیض کو جاری رکھے۔آمین

☆☆☆

رپورٹ پہلا آل پاکستان مسرور باسکٹ بال ٹورنامنٹ

زیراہتمام مجلس خدام الاحمدیہ علاقہ سرگودھا

اللہ تعالیٰ کے فضل سے خدام الاحمدیہ علاقہ سرگودھا کو آل پاکستان مسرور باسکٹ بال ٹورنامنٹ 23 تا 25 اپریل منعقد کروانے کی توفیق ملی۔اس ٹورنامنٹ میں 7 علاقہ جات کے 84 کھلاڑی 7 نگران 50 مہمان 80 ڈیوٹی والے خدام شامل ہوئے۔کھلاڑیوں کی رہائش اور کھانے کے لیے 52 گلشن بشیر قینچی موڑ سرگودھا میں انتظام کیا گیا۔اور اس ٹورنامنٹ کے لیے باسکٹ بال گراؤنڈ کی بکنگ 52 گلشن بشیر قینچی موڑ سرگودھا کے قریب Catholic Public School میں کروائی گئی۔جہاں ٹورنامنٹ کے میچز کھلے گئے۔

مورخہ 23 اپریل کو اس ٹورنامنٹ کا آغاز ہوا اس کی افتتاحی تقریب کے مہمان خصوصی مکرم ومحترم خان وقار احمد خان صاحب امیر ضلع سرگودھا تھے۔ٹورنامنٹ کے تمام میچز لیگ سسٹم کی بنیاد پر انٹرنیشنل رولز کے مطابق کھیلے گئے۔تمام میچز فلڈ لائٹ میں کروائے گئے۔مورخہ 25 اپریل بروز اتوار ٹورنامنٹ کے آخری روز نماز فجر کے بعد تیسری پوزیشن کے میچز کا انعقاد کیا گیا جبکہ فائنل میچ صبح 8:30 بجے شروع ہوا۔مکرم نائب صدر صاحب اول مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی قیادت میں ایک مرکزی وفد نے شرکت کی۔مہمان خصوصی نے اپنے دست مبارک سے اول، دوم اور سوم آنے والے علاقہ جات میں انعامات تقسیم کیے اور قیمتی نصائح سے نوازا۔



سنہری تاریخ کا ایک فدائی مؤرخ

(مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب۔ دفتر شعبہ تاریخ احمدیت)

چاند ہیں آفتاب ہیں یہ لوگ
زندگی کا نصاب ہیں یہ لوگ

حضرت مصلح موعود کو اپنے زمانہ خلافت کے آغاز ہی سے سلسلہ احمدیہ کی ابتدائی تاریخ محفوظ کئے جانے کا خیال دامنگیر رہا۔ چنانچہ جلسہ سالانہ 1914ء کے موقعہ پر آپ نے اس اہم کام کی طرف احباب جماعت کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا

''ہمارے بڑے فرائض میں سے ایک یہ بھی فرض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات اور آپ کے سوانح کو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے محفوظ کردیں.... آج بہت سے لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیکھنے والے اور آپ کی صحبت میں بیٹھنے والے موجود ہیں اور ان سے بہت سے واقعات معلوم ہوسکتے ہیں.... اس لیے جہاں تک ہوسکے بہت جلد اس کام کو پورا کرنا چاہیئے۔'' (تاریخ احمدیت جلد 17 صفحہ 40)

آپ کی تحریک پر متعدد بزرگان سلسلہ نے لبیک کہا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے حالات مرتب فرمائے۔ جن میں حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب نے ''حیات النبی''، ''حیات احمدؑ'' اور ''سیرت حضرت مسیح موعودؑ'' کی متعدد جلدیں شائع فرمائیں۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے نے ''سیرت المہدیؑ'' پانچ حصوں میں مرتب فرمائی۔ اسی طرح حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ''ذکر حبیبؑ'' کے نام سے ایمان افروز کتاب لکھی۔ اور حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے ''تذکرۃ المہدیؑ'' کے نام سے سفر نامہ مرتب کیا۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت مصلح موعود نے 1937ء میں روایات رفقاء جمع کرنے کی ایک اور موثر تحریک فرمائی۔ اس تحریک کے نتیجہ میں بھی اس قسم کا لٹریچر معرض وجود میں آیا۔

ان تالیفات کا زمانہ 1938ء سے 1951ء کا ہے۔ 1953ء کا سال جو جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ابتلاء کا سال تھا اسی سال تاریخ احمدیت کی تدوین واشاعت کی بنیاد پڑی۔

24 مارچ 1953ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں خط لکھا کہ ''کوائف 1953ء سے متعلق حکومت پاکستان کے مرکزی اور صوبائی افسروں کے بیانات ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہونے چاہئیں۔''

حضرت مصلح موعود نے فرمایا:

''اچھی بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کی مکمل تاریخ لکھی جائے۔ میرے نزدیک مہاشہ فضل حسین... کو بلوا کر اس کام پر لگا دیا جائے یا دوست محمد بھی یہ کام کرسکتے ہیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد 17 صفحہ 43)

اس کے بعد حضرت مصلح موعود کی توجہ سلسلہ احمدیہ کی پوری تاریخ محفوظ کرنے کی طرف منعطف ہوئی اور آپ

نے اس سلسلہ میں درج ذیل الفاظ میں تحریک فرمائی:

''ہماری جماعت کی تاریخ اب تک غیر محفوظ ہے... پس سلسلہ کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تاریخ سلسلہ احمدیہ کے مکمل کرانے کا انتظام کیا گیا ہے۔سب سے پہلے قریب کے زمانہ کی تاریخ مرتب کی جائے گی تاکہ ضروری واقعات محفوظ ہوسکیں۔سلسلہ کی تاریخ کئی جلدوں میں مکمل ہوگی۔'' (تاریخ احمدیت جلد 17 صفحہ 43-44)

حضور نے اس کے لیے مالی اخراجات کا ذکر کرتے ہوئے ابتداء میں بارہ ہزار روپیہ کی تحریک بھی فرمائی۔

25 جون 1953ء کو حضرت مصلح موعود نے مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اپنے پاس بلا کر تاریخ احمدیت مرتب کرنے کے سلسلہ میں اہم ہدایات سے نوازا۔

ابتداءً تاریخ احمدیت کی تدوین کا آغاز پرائیوٹ سیکرٹری صاحب کے دفتر کے کمرۂ ملاقات میں ہوا۔بعد ازاں جب خلافت لائبریری کے نئے کمرے تعمیر ہوگئے تو اسے لائبریری میں منتقل کر دیا گیا۔حضرت مصلح موعود نے تدوین تاریخ احمدیت کی مسلسل نگرانی اور راہنمائی فرمائی۔

ابتداء میں کچھ عرصہ مکرم ملک فضل حسین صاحب مہاجر نے بھی تاریخ احمدیت کے کچھ حصہ کو مرتب کیا۔آپ نے 30 اپریل 1953ء سے 20 مئی 1955ء تک یہ خدمت انجام دی۔آپ نے 1953ء کے دورِ ابتلاء کے حالات مرتب کیے۔

محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب کے ذمہ اس وقت 1946ء سے اگست 1952ء تک کے حالات مرتب کرنا تھے۔اس حصہ کے مرتب کرنے کے بعد پھر دوسرے حصوں کو مرتب کرنے کی ہدایت کی گئی۔

22 مئی 1955ء کو جبکہ حضرت مصلح موعود زیورچ (سوئٹزرلینڈ) میں تشریف فرما تھے ایک خط کے ذریعہ پیغام دیا کہ''مہاشہ صاحب نے جتنا کام کرلیا کرلیا۔باقی دوست محمد صاحب شروع کردیں۔بہرحال تاریخ سلسلہ ہم نے لکھنی ہے 1938ء سے پہلے لکھ لیں پچھلی بعد میں لکھ لی جائے گی۔'' (تاریخ احمدیت جلد 17 صفحہ 45-46)

ادارۃ المصنفین جس کی بنیاد 1957ء میں رکھی گئی۔ اس کے بنیادی مقاصد میں تاریخ احمدیت کی اشاعت کو بھی شامل فرمایا گیا۔

مکرم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب اس ادارہ کے مینجنگ ڈائریکٹر مقرر ہوئے انہوں نے سب سے پہلے مکرم ملک فضل حسین صاحب کے مرتبہ مسودہ کے متعلقہ حالات 1953ء کو''فسادات 1953ء کا پس منظر'' کے عنوان سے طبع کروایا۔اس کے بعد 1975ء تک مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی مرتبہ تاریخ احمدیت کی پندرہ جلدیں شائع کرائیں۔جو 1835ء سے مارچ 1953ء تک کے حالات پر مشتمل ہیں۔

تاریخ احمدیت کی پہلی پانچ جلدیں خلافت ثانیہ کے مبارک عہد میں اور بقیہ دس جلدیں خلافت ثالثہ کے بابرکت عہد میں منظر عام پر آئیں۔

1963ء میں جب تاریخ احمدیت کی جلد چہارم (طبع اول) شائع ہوئی تو حضرت مصلح موعود نے احباب جماعت کے نام اپنے پیغام میں فرمایا''جیسا کہ احباب کو علم ہے کہ مولوی دوست محمد صاحب شاہد میری ہدایت کے ماتحت تاریخ احمدیت

لکھ رہے ہیں۔ الحمدللہ کہ خدا کے فضل سے انہوں نے اس کا چوتھا حصہ بھی مکمل کر لیا ہے۔ استاذی المکرم حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ کے بلند مقام اور آپ کے عظیم الشان احسانات کا کم ازکم تقاضا یہ ہے کہ جماعت کا ہر فرد آپ کے زمانہ کی تاریخ کی اشاعت میں پورے جوش وخروش سے حصہ لے۔ اسے خود بھی پڑھے اور دوسروں کو بھی پڑھائے۔‘‘

(الفضل 10 دسمبر 1963ء صفحہ 1)

مکرم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تاریخ احمدیت کی اسی جلد کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’مکرم مولوی دوست محمد صاحب نے اس قلیل عرصہ میں مسودہ کے تیار کرنے اور .... مواد حاصل کرنے کے لیے قادیان، بھیرہ، لاہور، ملتان اور بعض دیگر مقامات کا سفر بھی کیا اور اسی طرح بہت سے ایسے دوستوں سے جن کو حضرت خلیفۃ اول کی ذات گرامی کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا تھا۔ مل کر روایات حاصل کیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی سعی کو قبول فرمائے اور بہترین بدلہ عطا کرے۔‘‘

(تاریخ احمدیت جلد 3 طبع جدید صفحہ 12)

محترم مولانا صاحب کی زندگی میں تاریخ احمدیت کی بیس جلدیں شائع ہوئیں جو 1960ء تک کے حالات و واقعات سلسلہ عالیہ پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح 1968ء میں جب تاریخ احمدیت جلد 9 (طبع اول) مرتب ہوئی تو محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب نے اس کے پیش لفظ میں تحریر فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد کو جزائے خیر دے اور اپنی برکتوں اور فضلوں سے نوازے کہ وہ نہایت ہی محنت اور جانفشانی سے ہر سال ایک جلد کا مواد اکٹھا کرتے اسے مرتب کرتے اور لکھتے ہیں اور مواد اکٹھا کرنے اور تصاویر حاصل کرنے کے لیے انہیں کئی سفر بھی کرنے پڑے۔‘‘

(تاریخ احمدیت جلد 8 طبع جدید)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد فرماتے ہیں: ’’12 نومبر 1965ء خلافت ثالثہ کے تاریخ ساز عہد کا پہلا جمعہ تھا۔ اس روز حضور پرنور نے صبح کے ابتدائی وقت میں شرف باریابی بخشا اور فرمایا کہ ’’آج جمعہ کو تعطیل ہوتی ہے۔ میں نے تمہیں تکلیف دی ہے .... کہ جب میں نے وقف زندگی کا فارم پُر کر کے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا .... یاد رکھو اب تم نے زندگی وقف کر دی ہے اب مرنے سے پہلے تمہارے لیے کوئی چھٹی نہیں۔‘‘

میں نے ادب سے عرض کیا کہ حضور میں بھی یہی عہد کرتا ہوں کہ ایک واقف زندگی کی حیثیت سے شب و روز خدمت دین میں مشغول رہوں گا۔

(اقلیم خلافت کے تاجدار صفحہ 15)

محترم مولانا صاحب اپنے کیے ہوئے عہد کے مطابق ہمیشہ اور ہر دم مصروف جہاد رہے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ محترم ثاقب زیروی صاحب مدیر ہفت روزہ رسالہ ’’لاہور‘‘ نصف شب آپ کو دفتر ملنے آئے اور بتایا کہ میں ابھی حضور کی زیارت کر کے آ رہا ہوں۔ حضرت نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو فرمایا ہے کہ تمہیں فون کریں کہ فلاں حوالہ اولین فرصت میں بھجوا دو۔ میں نے عرض کیا کہ وہ نصف شب میں کہاں ہوں گے؟ حضور نے فرمایا کہ اپنے دفتر (شعبہ

تاریخ) میں۔ چنانچہ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ واقعی دفتر میں موجود ہیں۔'' (''اقلیم خلافت کے تاجدار'' صفحہ 16)

محترم مولانا صاحب کی محنت اور کاوش اور جہد مسلسل کا اندازہ آپ کی تحریرات اور تالیفات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کس قدر حوالوں سے مزین اور معمور ہیں۔ آپ نے جماعتی لٹریچر کو نہایت مفید اور مؤثر حوالوں سے بھر دیا ہے۔

آپ کی اس منفرد خوبی پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اپنی مجلس عرفان 23 اکتوبر 1982ء میں فرمایا ''مولوی دوست محمد صاحب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حوالوں کے بادشاہ ہیں۔ ایسی جلدی ان کو حوالہ ملتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔''

(الفضل ربوہ 11 جون 1983ء صفحہ 1)

اسی طرح 25 جولائی 1984ء کو ایک عریضہ کے جواب میں فرمایا ''آپ تو ماشاء اللہ حوالوں کے بادشاہ ہیں۔ سارے مولوی مل کر بھی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہر میدان میں آپ کا حامی و ناصر ہو۔'' (''اقلیم خلافت کے تاجدار'' صفحہ 29)

22 ستمبر 1991ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب کے نکاح کا اعلان فرمایا جس میں محترم مولانا صاحب کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان فرمائے:

''مکرم محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد سلسلے میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ بہت ہی عظیم الشان خدمت کی توفیق پائی ہے اور بہت گہرا علم رکھتے ہیں۔ تاریخ احمدیت پر خدا کے فضل سے سند بن چکے ہیں۔'' (الفضل 14 دسمبر 1991ء صفحہ 7)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے محترم مولانا صاحب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 28 اگست 2009ء میں آپ کی تاریخ دانی کا بھرپور ذکر فرمایا۔

1953ء سے 2009ء تک تدوین تاریخ احمدیت کے فریضہ کو نہایت جانفشانی اور دلجمعی سے ادا کیا۔ اور کوئی عذر اس راہ میں آڑے نہ آیا۔ اکثر ایسا دیکھنے میں آیا کہ طبیعت کافی ناساز ہونے کے باوجود دفتر آ کر پوری توجہ اور انہماک سے کام کرتے رہتے۔ خاکسار کو آپ کے ساتھ بیس سال سے زائد عرصہ کام کرنے کی توفیق ملی۔ جونہی آپ دفتر آتے بس پھر دوڑ سی لگ جاتی۔ کتابیں ڈھونڈنا، حوالے تلاش کرنا، فوٹو کاپیز کروانا وغیرہ روزانہ کا معمول ہوتا تھا۔

وقت ضائع کئے بغیر بھرپور سرگرمی سے کام ہوتا۔ اور اس دوران آپ پر کبھی اکتاہٹ کے آثار نظر نہ آتے۔ ایسے لگتا کہ کام تو ان کی غذا ہے جو آپ کو تروتازہ کر دیتا ہے۔ تسلسل سے کام کرنا اور پُرجوش رہنا یہ خاصہ آپ میں نمایاں طور پر پایا جاتا تھا۔

تیزی سے کام کرنے کی مہارت آپ میں درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ الٰہی تائید و نصرت اور تصرفات بھی عجیب رنگ میں آپ کے شامل حال دیکھے۔ آپ کی ذاتی ضرورتوں کے پورے ہونے کے بھی حیرت انگیز نظارے دیکھنے کو ملتے رہے۔ ایک جوش اور جذبہ تھا جو دین کی خدمت کا آپ کے سینہ میں موجزن تھا۔ نئی نسل کے لیے آپ کا نمونہ نہایت ہی قابل رشک اور قابل تقلید تھا۔ آپ نے وقف زندگی کی روح کو سمجھا بھی اور اس کے مطابق عمل بھی کیا۔

جنوری 2000ء میں آپ سائیکل سے گر گئے۔ جس سے کولہے کی ہڈی میں فریکچر ہو گیا۔ کچھ عرصہ فضل عمر ہسپتال میں

رہے۔ جونہی گھر آئے اور ابھی چل پھر نہیں سکتے تھے۔ وہیل چیئر پر بیٹھ کر دفتر آنا شروع کر دیا اور دفتری کام کرتے رہے۔

ایک دفعہ دفتر آئے طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ دفتر آتے ہی بیماری نے اثر دکھایا۔ شدید کپکپاہٹ کا دورہ شروع ہوا۔ جیسے ملیریا کے اثر سے عام طور پر ہوتا ہے۔ ہم نے مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب کو بذریعہ فون اطلاع دی، انہوں نے آکر دوائی کھلائی۔ جس سے جلد ہی افاقہ ہوا اور پھر معمول کے مطابق سارا وقت دفتری کام کرتے رہے اور ذرا بھی محسوس نہ ہونے دیا کہ مجھے کوئی مسئلہ ہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر ہمیں حضرت مصلح موعود کا یہ شعر یاد آجاتا:

ہم تو جس طرح بنے کام کئے جاتے ہیں
آپ کے وقت میں یہ سلسلہ بدنام نہ ہو

کام کرتے ہوئے محویت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن آپ مصروف کار تھے۔ خاکسار آپ کے پاس کسی کام سے گیا۔ نیچے دیکھا تو بہت سی چیونٹیاں نظر آئیں اور اکثر آپ کے پاؤں اور ٹانگوں پر بھی تھیں۔ میرے توجہ دلانے پر آپ نے ان کو جھاڑ دیا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

آپ کی ہر تحریر اور تالیف ریسرچ اور تحقیق کا شاہکار ہے۔ کوئی بات بھی ایسی نہیں ملتی جس کا حوالہ نہ دیا ہو۔ پھر جماعت کے لیے نئی سے نئی معلومات سپرد اشاعت کرتے رہے۔

آپ نے شمسی کیلنڈر کے مطابق یہ ثابت کیا کہ حضرت عثمان کا بطور خلیفۃ المسلمین انتخاب نومبر کے آغاز ہی میں ہوا تھا۔ آپ نے گریگورین کیلنڈر کی روشنی میں ثابت کیا کہ قریش کی پارلیمنٹ (دارالندوہ) میں آنحضرت ﷺ کے خلاف جو ناپاک فیصلہ ہوا تھا اس کی شمسی تاریخ 7 ستمبر ہی تھی۔

1976ء میں آپ نے ایک تحقیق یہ بھی پیش کی کہ تمام قدیم اسلامی حکومتوں میں قلعوں، سکول اور اہم عمارتوں، مساجد بلکہ مزاروں پر چھ کونی ستارہ ہی قومی نشان کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ یہ ریسرچ ہفت روزہ رسالہ ''لاہور'' کے یکم مارچ، 10 مئی اور 7 جون 1976ء کی تاریخوں میں شائع شدہ ہے۔ ایک ریسرچ آپ نے ''حضرت نعمت اللہ ولیؒ کا اصلی قصیدہ'' کے عنوان سے پیش کی جو رسالہ میں شائع شدہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشاد پر آپ نے ایک اہم ریسرچ یہ بھی مکمل کی کہ تیرہ سو سال کی اسلامی تاریخ سے بزرگان اُمت کی تکفیر کے واقعات تاریخی ترتیب سے جمع کیے۔ اور ''مقربان الٰہی کی سرخروئی'' کے عنوان سے اس ریسرچ کو کتابی صورت میں شائع کرایا۔

جماعت احمدیہ کی بنیاد کی معین تاریخ کے حوالے سے تحقیقی کام بھی آپ نے سرانجام دیا اور ثابت کیا کہ جماعت احمدیہ کی بنیاد 23 مارچ 1889ء کو رکھی گئی۔ یہ ریسرچ تاریخ احمدیت جلد 1 جدید ایڈیشن کے صفحہ 362-374 پر شائع شدہ ہے۔ مکرم و محترم محمود مجیب اصغر صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ ضلع مظفر گڑھ کو فروری 1997ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ایک استفسار کے جواب میں راہنمائی فرمائی کہ ''تاریخی نکات کے متعلق محترم مولوی دوست محمد صاحب سے پوچھ لیا کریں۔ ہم بھی ان سے ریسرچ کرواتے ہیں۔

(اقلیم خلافت کے تاجدار صفحہ 37)

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

مجلس خدام الاحمدیہ کے خادم

بطور مہتمم اشاعت اور مدیر خالد دو اہم عہدوں پر خدمت کا اعزاز پایا

(مکرم عطاء الوحید باجوہ صاحب۔ ربوہ)

مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد ایک ہمہ جہت شخصیت تھے آپ کو ابتداء ہی سے علمی میدان میں اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملتا رہا اور آپ نے بھی ہر موقع پر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے خدمت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ جہاں تک خدام الاحمدیہ میں آپ کی خدمات کا سوال ہے تو آپ کو اس سلسلہ میں دو اہم عہدوں پر خدمت کی توفیق ملی۔

1960-61ء میں آپ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی مرکزی عاملہ کا بطور مہتمم اشاعت حصہ رہے۔ اس شعبہ کی اہمیت اور نزاکت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس شعبہ کے تحت خدام الاحمدیہ کی طرف سے چھپنے والی تمام کتب و رسائل کا کام ہوتا ہے۔ خصوصاً ایک مستقل نوعیت کا کام جو اس شعبہ کے تحت ہوتا ہے وہ رسائل ماہنامہ خالد اور تشحیذ الاذہان کی اشاعت ہے۔ حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے اشاعت وتصنیف کی اس ذمہ داری کو باحسن نبھایا۔

اس کے علاوہ خدام الاحمدیہ میں آپ کو دو مختلف ادوار میں بطور نائب مدیر اور مدیر ماہنامہ خالد بھرپور خدمت کی توفیق ملی۔ دسمبر 1954ء سے اکتوبر 1956ء تک آپ رسالہ خالد کے نائب مدیر تھے مگر ادارت کا اکثر کام جیسا کے اس دور کے اداریوں سے ظاہر ہے، آپ کے سپرد رہا۔ بطور مدیر آپ نے نومبر 1956ء تا اپریل 1957ء اور پھر اکتوبر 1960ء تا جون 1962ء خدمات سرانجام دیں۔

بطور نائب مدیر آپ کی ایک بہترین کاوش 68 صفحات پر مشتمل جنوری 1956ء میں چھپنے والا ''ریلیف نمبر'' ہے۔ اس شمارہ کے متعلق لکھا گیا تھا کہ ''جلسہ سالانہ کی تقریب پر شمولیت فرمانے والے مقدس مہمانوں کی خدمت میں ادارہ خالد کی طرف سے ہدیہ تہنیت۔ گر قبول افتذ زہے عزوشرف''۔

اس نمبر کے متعلق مولوی صاحب نے خود اس عنوان کے تحت ''کچھ اس شمارہ کے متعلق'' میں اس کی اشاعت کی تین اغراض بیان فرمائی ہیں۔ پہلی غرض ان نوجوانوں کی خدمت میں نہایت تشکر آمیز جذبات کے ساتھ ہدیہ تبریک پیش کرکے مزید گذارشات کرنا ہے اور دوسری غرض ان نوجوانوں کی خدمت میں گذارشات کرنا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے ایک سعادت سے محروم رہے۔ اور تیسری اور اہم غرض یہ ہے کہ ملک کے ہر فرد کو یہ احساس دلانا کہ اس قیامت خیز سیلاب یا اور قدرتی آفات کی وجہ اپنے اعمال ہی تو نہیں۔

اور تحریر کے آخر پر اس وقت کی صاحب اقتدار سول اور فوجی شخصیات کے تعاون پر شکریہ ادا کیا گیا ہے۔

اس نمبر کے آغاز میں پیغام حضرت مصلح موعود کے ساتھ جہاں نظم اور نثر میں دین اور اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں ''مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمت خلق است'' کی حقیقت

کو واضح کیا گیا ہے وہاں حضرت مولوی صاحب نے ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں زلزلہ کوئٹہ اور سیلاب میں مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی قومی اور ملکی خدمات کا بظاہر مختصر مگر تفصیلی رنگ میں باتصویر ذکر کیا گیا ہے۔

اس نمبر کے ٹائٹل پر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد کی تصویر شائع کی گئی ہے اور رسالہ کے آخر پر انکی وفات پر قرارداد تعزیت شامل ہے۔

ستمبر، اکتوبر 1956ء میں آپ کی ادارت میں ''خلافت نمبر'' شائع ہوا۔

ان ادوار کے خالد کا اگر مطالعہ کیا جائے تو مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی شخصیت میں ایک اچھے ایڈیٹر کی تمام خوبیاں نظر آتی ہیں۔ اس دور کے جاندار اداریے اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کس قدر محنت اور توجہ سے ان خدمات کو سرانجام دے رہے تھے۔ ایک اچھے ایڈیٹر کے لیے ضروری ہے کہ اس کی حالات حاضرہ پر گہری نظر ہو اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخ میں ید طولیٰ حاصل ہو۔ حضرت مولانا صاحب میں یہ دونوں خوبیاں باحسن موجود ہیں۔ آپ جب اداریہ لکھتے تو جہاں حالات حاضرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے وہاں ان کا تطابق و تقابل تاریخ کے واقعات سے بھی کرتے اور اگر کوئی اہم واقعہ ایسا وقوع پذیر ہوتا کہ جس کی نشان وہی حضرت اقدس مسیح موعودؑ یا خلفاء احمدیت کے ارشادات میں پہلے سے ہو چکی ہوتی تو اپنے قارئین کو اس سے بھی آگاہی بخشتے۔ مثال کے طور پر جب مدینہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی تجویز ہوئی تو آپ نے دسمبر 1960ء کے شمارے میں اداریہ میں اس کا ذکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اس ارشاد کے تحت کیا جس میں آپ نے فرمایا:

''یونیورسٹیاں بغداد میں بنیں حالانکہ ان کا صحیح مقام مدینہ تھا۔ جامعہ ازہر قاہرہ میں بنا حالانکہ اس کا صحیح مقام مکہ تھا۔''

(الفضل یکم فروری 1951ء)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی آمد کی اغراض جو احادیث میں بیان ہوئی ہیں ان میں سب سے بڑی غرض کسر صلیب کو قرار دیا گیا ہے آپ کے دور ادارت کے شماروں میں عیسائیت کے بارہ میں مضامین کی اشاعت کا خاص اہتمام اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ اس موضوع کی اہمیت و ضرورت کو نہ صرف یہ کہ خود بخوبی سمجھتے تھے بلکہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے اس مشن کو آگے بڑھانے اور پھیلانے کے لیے بھی مستعد و کوشاں تھے۔

اسی طرح آپ کے دور ادارت میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ، خاندان حضرت اقدس اور خلفاء کی تحریرات کے تبرکات بھی خالد رسالہ کی زینت بنتے رہے۔ بعض بزرگان سلسلہ کے مقالہ جات کو بھی آپ نے خالد کی زینت بنایا جن میں حضرت میر محمد اسحاق صاحب کا مقالہ ''رسول کریم ﷺ کا طریق عمل تربیت اولاد کے متعلق''، مئی 1961ء میں شامل ہے۔ جولائی 1961 میں حضرت مرزا عبدالحق صاحب کا مقالہ ''بہترین (مربی) کی خصوصیات شامل اشاعت کیا گیا۔ اسی ماہ ''بچوں کا صفحہ'' بھی لگایا گیا۔ اگست 1961 میں حضرت مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابعؒ) کا ایک معرکۃ الآراء مقالہ ''مغرب میں طلوع (دین حق)'' شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ''الفرقان'' سے بھی بعض علمی اور تربیتی مضامین شامل

اشاعت کئے جاتے۔اس دور میں ''شذرات'' کے نام سے شاہد عجمی نے تحریر کا ایک سلسلہ جاری رکھا (شاہد عجمی حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد ہی تھے)۔جنوری 1961ء میں مجلس خدام الاحمدیہ کے اس وقت کے مرکزی عہدیداران کا تعارف بغرض رابطہ و ہم آہنگی نہایت ہی دلچسپ الفاظ میں کروایا گیا ہے جن میں صدر مجلس سے لے کر مہتمم اشاعت و مدیر خالد تک تمام احباب کا تعارف ہے۔ اس دور کا خالد جہاں روحانی، علمی، ادبی اور تربیتی حوالوں سے بلندیوں کو چھورہا تھا مزاح اور حالات حاضرہ کے پیش کرنے میں بھی پیچھے نہ تھا۔اعلانات و پیغامات بھی شائع ہوتے۔اس دور میں وفات پاجانے والے رفقاء مسیح موعودؑ کی نایاب تصاویر کے علاوہ اور بھی کئی اہم اور یادگار تصاویر ٹائٹل کی زینت بنتی رہیں اور بزرگان سلسلہ کی وفات کی خبریں اور قرار داد تعزیت بھی شائع ہوتیں۔پھر وصایا کی وصیت کا اعلان بھی رسالہ کا خصوصی فیچر رہا ہے۔بعض شماروں میں اداریہ کو افتتاحیہ کے طور پر لکھا گیا۔

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی مساعی کا ذکر بھی اکثر شامل اشاعت ہوتا تھا۔جنوری 1961 کے شمارہ کو ''سالانہ جلسہ نمبر'' کے طور پر شائع کیا گیا جو اپنی ذات میں بھرپور روحانی اور علمی اشاعت ہے۔اگست 1961 کے شمارہ میں جامعہ احمدیہ کے وادی کاغان اور سیرن ویلی کی سیر کی داستان اور ٹائٹل پر تصویری جھلکیاں شائع کیں۔ نومبر، دسمبر 1961ء میں آپ نے لاہور ڈویژن ''تربیتی کلاس نمبر'' شائع کیا۔یہ شمارہ 144 صفحات پر مشتمل تھا۔اس میں آپ نے تربیتی کلاس کے حوالے سے تفصیلی رپورٹیں، پیغامات اور تصاویر کو حصہ اشاعت بنایا۔

پیغامات میں پیغام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب،حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ،محترم صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب، (صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ربوہ) محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب (صدر مجلس خدام الاحمدیہ قادیان) شامل ہیں۔اسکے علاوہ تقریب افتتاح کے خطابات کے علاوہ روحانی،تربیتی اور اصلاحی امور پر مشتمل مقالہ جات شامل ہیں۔

آخر پر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی پاکستان اور غیر ممالک میں تربیتی،امدادی اور اصلاحی سرگرمیوں پر مشتمل ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی گئی۔

اس شمارہ کے آخر پر حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابعؒ) نائب صدر مجلس کی ایک تحریر ''آج کا خالد'' کے زیر عنوان شائع کی گئی جس میں خدام کو رسالہ کے متعلق ضروری نصائح فرمائی گئی ہیں۔

آپ ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ قارئین خالد کا خلافت کے ساتھ عقیدت و محبت کا مضبوط تعلق قائم ہو۔آپ نے ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ زبان دانی کے معیار کو بھی قابل تحسین رکھا۔یہاں ایک مثال پیش کرتا ہوں جس میں جلسہ سالانہ کی آمد کے ذریعہ آنے والی بہار کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''مرکز احمدیت میں شمع احمدیت کے پروانوں کا مقدس اجتماع کیا ہوتا ہے،گلشن (دین حق) میں ایک نئی بہار آجاتی ہے۔کیونکہ دنیا کے پردہ پر اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس وقت یہ واحد اجتماع ہے جس میں کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی

زبان میں قرآن مجید کے فضائل، رسول کائنات حضرت محمد عربی ﷺ (فداہ ابی وامی) کی بے مثال شان، تزکیہ نفس اور دوسرے اہم علمی ودینی مسائل پر مسلسل تین روز تک خالص (دینی) نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالی جاتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت امام جماعت اس میں رونق افروز ہوتے اور حقائق و معارف کے دلآویز موتی بکھیرتے ہوئے فکر وعمل کی ایک نئی دنیا آباد کردیتے ہیں۔''

جنوری 1962 کے اداریہ میں ''حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کا المناک انتقال اور آپ کا ایک ولولہ انگیز پیغام جماعت احمدیہ کے نام'' لکھا اور سرورق پر آپ کی یادگار تصاویر شائع ہوئیں۔

پھر شذرات کو ہی اداریہ کا بھی نام دیا جانے لگا۔ فروری، اپریل 1962 کے شمارہ کے ٹائٹل پر بھی بعض بزرگان سلسلہ کی (جنکی وفات ہوئی) تصاویر شائع کیں۔ ان شماروں میں جہاں مربیان سلسلہ کی دعوۃ الی اللہ کے واقعات کو شائع کیا وہاں ان سعید فطرت روحوں کی آپ بیتی بھی شائع کی جن کو سلسلہ میں داخل ہونے کی سعادت ملتی۔

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان میں خدمات کے دوران آپ کی ایک اہم خدمت ''مشعل راہ'' کی از سرنو تدوین اور پاکٹ سائز میں بطور ضمیمہ خالد اشاعت تھی۔ اس کے علاوہ اس عرصہ میں آپ مجلس خدام الاحمدیہ کے مختلف اجتماعات میں بطور مقرر، مدرس اور مجالس سوال وجواب میں بھی تشریف لے جاتے۔ مرکزی سالانہ اجتماع میں بھی آپ کا درس، مجالس سوال وجواب اور تقاریر کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کے ساتھ بطور نائب ایڈیٹر مکرم محمد شفیق قیصر صاحب، قاضی نعیم الدین صاحب، مکرم مسعود احمد جہلمی صاحب اور مکرم نذیر احمد ریحان صاحب کو مختلف ادوار میں خدمت کی توفیق ملتی رہی۔



خدام احمدیت

خدام احمدیت نعرے لگا رہے ہیں
اے سونے والو جاگو! طوفان آ رہے ہیں
اٹھو! نمازیں پڑھ لو اور کچھ دعائیں کرلو
ہم فائدے کی باتیں تم کو بتا رہے ہیں
کس لو کمر۔ اگر تم خادم ہو سلسلے کے
یہ دن جوانیوں کے سرعت سے جا رہے ہیں
فضل عمر ہیں رہبر، جو نور ہیں سراسر
تاریکیوں میں ہم کو رستہ دکھا رہے ہیں
خدمت ہو اور صداقت، محنت ہو اور دیانت
ان خصلتوں کو حضرت ہم میں رچا رہے ہیں
پروردگار اکبر! اک لطف کی نظر کر
ہم تیرے آستاں پر سر کو جھکا رہے ہیں
ہر لب پہ یہ صدا ہو، جب ہم گھروں سے نکلیں
''خدام احمدیت خدمت کو جا رہے ہیں''

(از حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب بحوالہ خالد اکتوبر 1962)

علم و تحقیق کے میدان کی قندیل

(مکرم احمد طاہر مرزا صاحب بدوملہوی۔ لائبریرین)

1993ء میں بیت مبارک ربوہ میں مربیان کرام کا ریفریشر کورس تھا جس میں خاکسار بھی شامل ہوا۔ ریفریشر کورس میں ہر روز کوئی نہ کوئی بزرگ پند و نصائح کیلئے تشریف لاتے۔ حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے تحقیق و تحریر اور کتب کے اصل ماخذ تک رسائی کے عنوان پر ایک لیکچر دیا جس میں اور مفید باتوں کے علاوہ یہ بھی اصول تحقیق بتایا کہ جب تک آپ خود کتاب سے حوالہ نہ دیکھ لیں اسے آگے بیان کرنا یا تحریر کرنا حرام سمجھیں بیشک خواہ وہ کتنا ہی معروف و اہم حوالہ کیوں نہ ہو کیونکہ مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ اصل ماخذ دیکھنے سے کئی نئی چیزوں کا علم ہو جاتا ہے اور آپ کے بیان اور تحریر و تحقیق میں مشاہداتی وزن بھی پیدا ہو جاتا ہے جو مضمون کا لازمی عنصر ہے۔

محترم مولانا موصوف میں یہ خوبی بھی دیکھی کہ اگر کوئی اچھا مضمون لکھتا تو اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتے۔ 1999ء ماہنامہ انصاراللہ میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کی علمی خدمات پر خاکسار کا ایک مضمون چھپا۔ ایک دن خاکسار خلافت لائبریری سے باہر نکل رہا تھا آپ اندر داخل ہو رہے تھے مجھے دیکھ کر فرمانے لگے "میاں وہ مضمون اچھا لکھا ہے۔" جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی اور حوصلہ افزائی بھی ہوئی تاہم اصلاح بھی کرتے تھے۔ چند ایک نایاب کتب تھیں جن سے حوالہ جات نہیں مل رہے تھے بلکہ کتب کی عدم دستیابی تھی چنانچہ وہ کتب اور حوالے مل گئے۔ جس کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے نصیحت کی کہ اصل مقصد تو سلسلہ کی خدمت ہے چند ایک نئی باتیں اگر مل جائیں تو اس پر بس نہیں کر دینی چاہئے یہ تو لامتناہی محنت کے متقاضی ابواب ہیں۔

اگر کوئی نایاب یا اہم کتاب آپ کو پیش کی جاتی تو بہت خوش ہوتے اور غیر معمولی شکریہ کا اظہار کرتے۔ ایک دفعہ گورنمنٹ کالج لاہور کی لائبریری میں حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب اور بعض بزرگان سلسلہ کے سوانح کے سلسلہ کے سلسلہ میں گیا تو وہاں کے لائبریرین نے ایک کتاب "All in One" تحفۃً پیش کی جس میں گورنمنٹ کالج سے فارغ التحصیل صد سالہ بیسیوں طلباء کے مختصر کوائف تھے۔ جن میں بعض احمدی بزرگ ڈاکٹرز بھی شامل تھے۔ وہ کتاب ملنے کے کچھ دن بعد سرراہ آپ سے ملاقات ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ واقعی وہ کتاب میرے پاس پہلے نہ تھی۔

ریسرچ سیل جامعہ احمدیہ میں چند ایک میٹنگز میں حضرت مولوی صاحب سے استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی کیونکہ آپ ریسرچ سیل کے بھی ممبر تھے۔ اکثر و بیشتر ہر اجلاس کی روح رواں آپ ہی ہوتے اور اس مجلس کو علمی نکات و لطائف سے گرما دیا کرتے تھے۔ کتب کی خریداری

کے سلسلہ میں آپ کا یہ نکتہ ہوتا کہ کتب ضرور خریدیں تاہم اس بات کا خیال رہے کہ وہ کتب جن کے نئے ایڈیشنوں میں تحریفات کی جارہی ہیں اور جہاں جماعتی موقف میں کسی حوالہ سے تائید ملتی ہو اور اب نئے ایڈیشنوں میں نکالے جاچکے ہیں ایسی کتب خریدنے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

آپ کا یہ اصول تحقیق بھی دیکھا کہ کوئی ایسا حوالہ نہیں جو مل نہیں سکتا۔ جب تک تحقیق کرنے والی کی یہ نیت نہ ہو کامیابی نہیں ہوسکتی۔ یہ تلقین کرتے کہ میاں ڈھونڈو پھر ڈھونڈو بار بار ڈھونڈو بالآخر کامیابی ہوجاتی ہے۔ الاماشاء اللہ

آپ کی علمی وقلمی خدمات کا دائرہ تو بہت پھیلا ہوا ہے اخبار بدر قادیان، ریویو آف ریلیجنز اردو قادیان، رسالہ فرقان قادیان اور رسالہ الفرقان ربوہ، روزنامہ الفضل، المصلح کراچی، تحریک جدید، انصار اللہ، خالد، مصباح، تشحیذ الاذہان، اور رسالہ لاہور کے علاوہ جرمنی، امریکہ، کینیڈا، انگلستان اور دوسرے بعض ممالک کے جماعتی رسائل میں بھی آپ کے متعدد تحقیقی مضامین اور مقالات شائع ہوتے رہے۔ جن کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ صرف آپ کے مضامین کو اگر انسائیکلوپیڈیا کے طور پر شائع کیا جائے تو ایک ایک ہزار صفحات پر مشتمل دس سے زائد مفید علوم کی جلدیں بن سکتی ہیں۔

سلسلہ احمدیہ کے مخالفین کے لٹریچر کا جواب دینا آپ کا ایک خاصا تھا۔ پاکستان کے بیسیوں شہروں اور بیسیوں دیہات میں آپ نے سینکڑوں تقریریں کیں اور مجالس سوال جواب میں سلسلہ احمدیہ کی نمائندگی کی اور کئی مناظروں میں سلسلہ کی نمائندگی کی سعادت حاصل کی۔ ایک دفعہ کی بات ہے بدوملہی ضلع نارووال میں ایک جلسہ تھا جس میں مرکز سے آمدہ وفد میں آپ بھی شامل تھے۔ اپنی تقریر میں کئی کتابوں اور حوالوں کو حاضرین جلسہ کے سامنے لہرا لہرا کر بار بار پیش کرتے کہ یہ کتاب میں فلاں ملک کی فلاں لائبریری سے لایا ہوں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہوچکے ہیں۔ یہ رسالہ وہ میں فلاں لائبریری سے لایا ہوں جس میں فلاں حوالہ ہے جس سے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ثابت ہوتی ہے۔ اور جب بھی بیرونی ممالک کے دورہ پر جاتے تو وہاں کی لائبریریوں میں گھس جاتے اور وہاں سے کتب یا حوالہ کا بکسہ بھر کے لاتے۔ اور اپنے بچوں کو بتاتے کہ میں تو بیرونی ممالک سے یہی کچھ لاسکتا ہوں۔

فن حوالہ نگاری میں آپ ید طولیٰ کے حامل تھے۔ خلفائے سلسلہ احمدیہ نے یونہی آپ کو ''حوالوں کے بادشاہ'' کے خطاب سے نہیں نوازا۔ اور آپ میں یہ ملکہ تھا کہ حوالہ خواہ کتنا ہی مشکل ہو ڈھونڈ نکالتے۔ آپ کے ساتھ جو عملہ کام کرتا رہا اسے بھی یہی تلقین کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ شعبہ تاریخ سے بعض مربیان کو جامعہ کی لائبریری میں بھی بھجواتے اور چند مرتبہ کی کوششوں سے حوالے مل جاتے۔

آپ کی تالیفات خصوصاً تاریخ احمدیت کی سیریز علوم کا ایک بہا خزانہ ہیں اور تاریخ احمدیت پر مزید کام کرنے والوں کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تاریخ احمدیت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر حوالہ آپ نے خود چیک کر اور اس کی جانچ پڑتال کر کے خود لکھا ہے جو محققین کی ایک غیر معمولی خوبی ہے۔ جبھی تو آپ یہ کہا کرتے تھے کہ بغیر جانچ پڑتال کے حوالہ آگے دینا حرام سمجھیں۔

آپ کی علمی میدان میں کامیابی کا ایک راز یہ بھی

ہے کہ آپ تادم زیست اپنے علمی و تحقیقی امور میں باقاعدہ تھے۔آپ کے دفتر کے ایک دوست نے بتایا کہ آپ کا دماغ کتب و دستاویزات، ریکارڈز اور فائلوں کی درجہ بندی و ترتیب اور کتب کو سمیٹنے میں کمپیوٹر کی طرح کام کرتا تھا۔آپ کو اس بات کا علم ہوتا تھا کہ اگر کسی فرقہ پر کوئی فائل تلاش کرنی ہے یا کسی خاص گروہ کے مولوی کے بارہ میں ریکارڈ شدہ فائل دیکھنی ہے تو وہ فائل کہاں ہوگی۔ چند لمحات میں بتا دیتے کہ فلاں الماری کے فلاں خانہ میں موجود ہے۔ اور یہی صورت حال گھر کے ذاتی کتب خانہ کی تھی۔

آپ باقاعدہ ڈائری لکھتے تھے اور یہ ڈائریاں کئی سالوں پر محیط ہیں۔ ایک دفعہ ایک موضوع پر رہنمائی کیلئے حاضر ہوا تو آپ نے بتایا کہ میں نے تو اپنی ڈائریوں کے بھی خلاصے نکال رکھے ہیں اور اپنی ضخیم ڈائریوں کو بھی چند منٹوں میں دہرا لیتا ہوں۔

مکرم مولانا ابوالمنیر صاحب نورالحق مرحوم کے گھر میں ایک پرائیویٹ نشست تھی۔اس میں آپ نے ایک واقعہ یہ بھی بتایا کہ قادیان میں رسالہ فرقان میں ایک آرٹیکل لکھا جس میں میرا نظریہ یہ تھا کہ اہل پیغام کی بعض تحریریں لیکھرام سے ملتی ہیں چنانچہ میں نے اپنی تحریروں کی رو سے اپنا یہ نظریہ ثابت کر کے دکھا دیا۔

پاکستان کے 30 سے زائد مکتبہ ہائے فکر کے ترجمان رسائل و جرائد آپ کے پاس آتے تھے اور سالہا سال شذرات یا حاصل مطالعہ کے نام سے باقاعدہ سلسلہ احمدیہ کیلئے علمی اور مفید نکات لکھتے رہے اور ساتھ ساتھ معترضین کے دلچسپ انداز میں جوابات بھی دیتے رہے۔ سالہا سال کی آپ کی علمی میدانوں کی اس طرح کی باقاعدگیاں نئی نسل کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔

نوخیز اہل علم و قلم حضرات کیلئے اس میں پیغام اور نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہی عمل پسند ہے جس میں باقاعدگی اور دوام ہو۔ بلاشبہ آپ کی مضامین کی تعداد سینکڑوں میں ہے جو کئی ممالک کے جماعتی رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ جو انشاء اللہ جب چھپیں گے تو نئی نسل کیلئے بیش بہا دینی و علمی خزانہ ہوگا۔

تاریخ احمدیت کی بیس جلدوں کے علاوہ آپ نے 40 سے زائد کتب تحریر کیں۔اس کے علاوہ آپ کی تقاریر جلسہ ہائے سالانہ میں سے بعض کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔ انشاء اللہ جب کبھی یہ ساری کتب دوبارہ ایک سیریز کی صورت میں شائع ہوں گی تو بہتوں کیلئے مفید و معاون ثابت ہوں گی۔

حضرت مولانا موصوف کی ایک اہم علمی خدمت کے بغیر یہ مضمون ادھورا رہے گا اور وہ آپ کا سلسلہ ہائے مضامین ہے جو شذرات، اقتباسات اور مفید علمی حوالہ جات پر مشتمل ''عالم روحانی کے لعل و جواہر'' کے نام سے سالہا سال سے شائع ہو رہا ہے۔اس عالم روحانی کے لعل و جواہر کی اب تک سینکڑوں اقساط روزنامہ الفضل ربوہ میں شائع ہو چکی ہیں اور آپ کی رحلت کے بعد بھی تادم تحریر یہ سلسلہ جاری ہے۔ غالباً سلسلہ احمدیہ میں بالاقساط یہ سب سے طویل سلسلہ ہائے مضامین ہے جو چھ سالوں پر پھیلا ہوا ہے۔'' حاصل مطالعہ'' کے نام سے الفضل انٹرنیشنل میں آپ کی تحریروں کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کہ وہ جماعت احمدیہ میں ہزاروں ''دوست محمد'' اور پاسبان دین متین پیدا کرے جو دراصل سلسلہ کی محبت میں ہر قسم کی قربانی کیلئے ہمہ وقت تیار ہوں۔آمین۔

اس مضمون کے آخر میں حضرت مولوی صاحب کی بعض کتب کے نام پیش ہے تاہم اس فہرست میں آپ کی جملہ کتب شامل نہیں ہوسکیں۔

فہرست کتب

1۔احمدیت کی امتیازی شان

2۔اسلامی لٹریچر میں خوفناک تحریف

3۔اقلیم خلافت کے تاجدار

4۔اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا اسلامی تصور

5۔ایک حیرت انگیز انکشاف

6۔آنحضورؐ کا عدیم المثال فیضان

7۔برطانوی پلان اور ایک فرضی کہانی

8۔بیسوی صدی کا علمی شاہکار

9۔قیام پاکستان کا روحانی پس منظر

10۔جشن خلافت پُرکیف عالم تصور کا مشاعرہ

11۔تاریخ احمدیت جلد اول تا بیس۔طبع اول

12۔تاریخ احمدیت جلد اول تا نہم۔طبع جدید

13۔تحریک احمدیت اور اس کے نقاد

14۔تحریک پاکستان اور جماعت احمدیہ

15۔تحریک پاکستان میں جماعت احمدیہ کردار

16۔ترجمہ تفسیر صغیر کے بے مثال معنی ولغوی و ادبی کمالات

17۔تفسیر خاتم النبین اور بزرگان سلف

18۔تفسیر صغیر۔ترجمہ کے کمالات

19۔جدید علم کلام کے عالمی اثرات

20۔جماعت احمدیہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ

21۔جماعت احمدیہ کی ملی خدمات تقریر جلسہ سالانہ 1979ء

22۔جماعت اسلامی پر تبصرہ

23۔جماعت اسلامی کا ماضی وحال

24۔جماعت اسلامی کی تاریخ (1952ء میں جامعہ احمدیہ کا مقالہ ''شاہد'')

25۔چودھویں صدی کی غیر معمولی اہمیت

26۔خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ صوفیاء اولیاامت کے ایمان افروز ارشادات

27۔خلافت احمدیہ

28۔خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ

29۔دلچسپ علمی واقعات ومشاہدات

30۔سوانح حضرت مسیح موعود علیہ السلام

31۔سیدۃ النساء حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

32۔(سیرت) حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ

اوصاف قرآن مجید

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا!
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا!
یا الٰہی! تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی یاد میں

☆ ایک دفعہ گھوڑ دوڑ میدان میں سالانہ اجتماع تھا سوال وجواب کی مجلس میں کسی خادم نے کہا کہ کھانا تقسیم کرتے وقت بدنظمی دیکھنے میں آتی ہے۔فرمایا کھانا تقسیم ہونا شروع ہو تو مجھے بلا لیا کرو میں تقریر شروع کردوں گا کھانے کے لیے کوئی جائے گا ہی نہیں۔

☆ 1977ء کی بات ہے خاکسار کی خالہ زاد اوران کے میاں واہ کینٹ میں ملازم تھے۔ایک اتوار ان سے ملنے گیا تو پتہ چلا کہ مکرم مولوی صاحب کی والدہ تشریف لائی ہیں۔خاکسار نے بھی ان سے سلام عرض کیا اور خیریت دریافت کی۔خاکسار نے ان سے سوال کیا کہ کیا مولانا بچپن میں بھی تقریریں وغیرہ کرنے کا شوق رکھتے تھے۔تو محترمہ نے فرمایا کہ بچپن میں تو یہ بہت ہی خاموش طبع تھا۔

(مرسلہ: مکرم سید انوار احمد شاہ صاحب۔راولپنڈی)

ایک صاحب ذوق وجود

(مکرم فضل احمد شاہد صاحب۔سابق کارکن شعبہ تاریخ احمدیت)

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد اس جہان فانی سے یوں تو رحلت فرما گئے مگر اپنی متعدد یادوں کو اپنے قیمتی سرمایہ کے طور پر چھوڑ گئے۔خاکسار آج ان یادوں کے حوالہ سے انکے شعروادب کے ذوق اور کاوش کا تذکرہ کرے گا۔

اس ضمن میں یہ یادر ہے کہ ایک دفعہ آپ نے ایک دوست سے دفتر میں گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا اور میں نے اس گفتگو کو سنا کہ ''میں نے اپنے بیٹے سے یہ کہہ دیا ہے کہ میرے بعد میری سب سے بڑی جائیداد میری کتب اور میری لائبریری ہوگی'' یہ ذاتی لائبریری مولانا اپنی زندگی میں ہی اپنے گھر میں منتقل کر گئے۔

جو شخص مالی سرمایہ بالکل نہ رکھتا ہو مگر اس نے کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیا اسکی اس حیثیت سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے کتابیں جمع کرنے میں کس قدر محنت اور جانفشانی اور قربانی سے کام لیا۔اس لائبریری بلکہ خلافت لائبریری کی کتب کو دیکھنے سے اندازہ لگ جاتا ہے کہ کتابوں کے ابتدائی صفحات پر بعض نشان کس نے لگائے اور کس وجہ سے لگائے۔اس کی وجہ اور کوئی نہیں کہ مولانا ہر قسم کی کتابوں کے عاشق اور دلدادہ تھے۔موصوف کو کتابوں کے اس عشق کی وجہ سے شعروسخن اور ادب اردو سے بھی لگاؤ تھا۔کتابوں کے اور ہر قسم کی کتابوں کے عشق کے حوالہ سے اپنے دفتر میں آنے والے غیر از جماعت دوستوں سے میرے سامنے یہ بھی کہا کہ ''ساری لائبریری میرے سینے میں محفوظ ہے'' کثرت مطالعہ کی وجہ سے آپ اپنی گفتگو،مضامین،تقاریر اور سوال وجواب کی مجالس میں عین موقع اور محل کے مناسبت سے شعروں کا استعمال کرتے۔اس اجمال کی کسی قدر تفصیل درج ذیل ہے۔

آپ جب 1985ء میں لندن تشریف لے گئے تو وہاں سے مجھے اپنی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے خط وکتابت کی۔اپنے ایک خط میں جہاں اور باتوں کا ذکر کیا وہیں یہ شعر بھی رقم فرمایا:

کام مشکل ہے بہت منزل مقصود ہے دور
اے میرے اہل وفا ست کبھی گام نہ ہو''

معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کو ذمہ داریوں کا احساس دلانے کی خاطر آپ کو حضرت مصلح موعود کا یہ شعر بہت پسند تھا جسے آپ نے بار بار استعمال کیا۔مجھے 8 جنوری 1986ء کو ایک خط لکھا جس میں دعا اور احساس ذمہ داری کے طور پر اس شعر کا مصرعہ لکھا ''براہ نوازش اپنی نیم شبی دعاؤں میں احقر کو یاد رکھیں نیز مفوضہ کاموں کی سرانجام دہی اور بخیریت واپسی کے لیے خصوصی دعاوں کی درخواست ہے کہ

کام مشکل ہے بہت منزل مقصود ہے دور

حضرت مولانا اکتوبر 1960ء سے جون 1962ء تک رسالہ خالد کے مدیر رہے۔اکتوبر 1960ء کے رسالہ کے اداریہ نوٹ میں ''ہمارا سالانہ اجتماع'' کے زیر عنوان

خدام کو انکی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مصلح موعود کا فقرہ لکھا ’’خدام الاحمدیہ کا یہ اجتماع تربیتی اور تعلیمی ہوتا ہے کھیلیں وغیرہ ایک زائد چیزیں ہیں۔‘‘

پھر لکھا ’’خدا کرے ہم اس مقدس تقریب پر مرکزی برکات سے متمتع ہونے کے ساتھ ساتھ یہ جائزہ بھی لیں کہ 1938ء سے لے کر آج تک ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ منزل کتنی دور ہے؟ ہم کہاں ہیں اور کس رفتار سے چل رہے ہیں؟ یاد رکھیے:

کام مشکل ہے بہت منزل مقصود ہے دور
اے میرے اہل وفا ست کبھی گام نہ ہو‘‘

حضرت مولانا کو حضرت مصلح موعود کا یہ شعر بھی بہت پسند تھا:

ہر گام پر فرشتوں کا لشکر ہو ساتھ ساتھ
ہر ملک میں تمہاری حفاظت خدا کرے

جب بھی کوئی بیرون ملک جا رہا ہوا اور مولانا کو دعا کی درخواست کرنے دفتر آتا اس کو اسی شعر کے رنگ میں دعا دے کر رخصت کرتے۔

غیر از جماعت کے ساتھ سوال و جواب کی مجالس میں شعبہ تاریخ میں مولانا کا یہ طریق بھی ہوتا کہ جو لوگ آئے ہیں ان کا کس مکتبہ فکر سے تعلق ہے؟ اور پھر ان کے ذہنوں کے مطابق ان سے کلام کرتے۔ اہل تشیع حضرات کے لیے یہ شعر پڑھتے:

کٹا کر گردنیں بتلا گئے یہ کربلا والے
کبھی بندوں کے آگے جھک نہیں سکتے خدا والے

غیر از جماعت سے گفتگو کرتے ہوئے مولانا موصوف اکبر الہ آبادی کا یہ شعر بھی پڑھتے

مسلماں تو وہ ہیں جو ہیں مسلماں علم باری میں
کروڑوں یوں تو ہیں لکھے ہوئے مردم شماری میں

مولانا نے اپنی کتاب ’’دلچسپ علمی واقعات و مشاہدات‘‘ صفحہ 73 پر بھی یہ شعر درج کیا ہے۔

’’اقلیم خلافت کے تاجدار‘‘ کے زیر عنوان مولانا موصوف نے ایک کتاب میں تحدیث نعمت کے طور پر خلفاء احمدیت سے ذاتی تعلق کو بیان کیا ہے اس کتاب کو جگہ جگہ شعروں سے سجایا گیا ہے۔ کتاب میں دیگر بزرگوں کا بھی ذکر ہے۔

’’آہ میرے محسن بزرگ بہشتی مقبرہ ربوہ میں ابدی نیند سو رہے ہیں

محمود کے سپاہی احمد کے خاص پیارے
اب رہ گئے ہیں ایسے جیسے سحر کے تارے

اس کتاب کے صفحہ 10 پر حضرت فضل عمر کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا

آمد تھی انکی یا کہ خدا کا نزول تھا
صدیوں کا کام تھوڑے سے عرصے میں کر گئے

صفحہ 4 پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا ذکر یوں کیا

’’یہ عاجز عمر بھر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی ذرہ نوازیوں کا مہبط بنا رہا جیسا کہ میں بتا چکا ہوں میری دلچسپی علم کلام سے تھی۔ میں تاریخ کے میدان میں بالکل نو وارد تھا اور طفل مکتب بھی۔ آپ کی قیمتی راہنمائی عاجز

کو تاریخ احمدیت کی تدوین کے ہر مرحلے پر رہی اور آپ کے احسانات و تلطفات میری زندگی کا بہترین سرمایہ تھے۔ نور اللہ مرقدہ

وہ عکس بن کے میری چشم تر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے "

(بسمل صابری)

شعروں کے حوالے سے مولانا کی یہ روایت ایمان افروز ہے آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" 7 ستمبر کے فیصلہ کے چند روز بعد حضور نے اس ناچیز کو یاد فرمایا۔حضور بالائی منزل میں رونق افروز تھے سامنے میز پر ایک درثمین فارسی رکھی تھی۔فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں میں نے تمہیں فقط اس لیے بلوایا ہے کہ درثمین کے ایک شعر پر میں نے باریک سا نشان لگا دیا ہے میں چاہتا ہوں کہ یہ شعر تم مجھے بھی سنا دو بس اتنا کام ہے اس کے بعد تمہیں جانے کی اجازت ہے۔اس موقع پر ناچیز کو حضرت مسیح موعود و مہدی مسعودؑ کے جس فارسی شعر کا اپنے محبوب آقا کے حضور پڑھنے کا شرف حاصل ہوا وہ یہ تھا:

بحمد اللہ، کہ خود قطع تعلق کرد ایں قومے
خدا ، از رحمت و احساں، میسر کرد خلوت را

بحمد اللہ اس قوم نے ہم سے خود ہی قطع تعلق کر لیا ہے اور ہمیں خدمت دین کے لیے خلوت میسر آ گئی ہے۔

(اقلیم خلافت کے تاجدار صفحہ 17)

راقم الحروف کو مولانا دوست محمد شاہد مرحوم کی یہ روایت اس قدر پیاری لگی کہ وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔اس شعر میں حضرت مسیح موعودؑ کا مقام عجب رنگ میں آ گیا ہے۔ مامور زمانہ کا فنافی اللہ ہونا اور حضرت امام جماعت کا فنافی اللہ ہونا۔کس قدر تعلق باللہ میں مزہ آتا ہوگا۔راقم کو اس موقع پر مامور زمانہ کا یہ شعر یاد آ گیا۔

عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں
نہاں ہم ہوگئے یار نہاں میں

ایک اور بات جو اس روایت سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ 1974ء سے لے کر اب تک دوسرے لوگ تو سیاست کی دلدل کی وجہ سے بیشمار مصائب کا شکار ہیں لیکن اس فیصلہ کے بعد جماعت ہر طرف سے توجہ ہٹا کر صرف خدمت دین اور نیکیوں کے میدان میں سرگرم عمل ہے۔مولانا صاحب کے فارسی اشعار سے شغف کی چند مزید مثالیں درج ذیل ہیں۔ آپ خواجہ سرفراز احمد ایڈووکیٹ کو یوں دعا دیتے ہیں۔

اے خدا بر تربت او ابر رحمت ہا ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

(اقلیم خلافت کے تاجدار صفحہ 31،30)

ڈاکٹر شمس الحق طیب صاحب مرحوم کو یوں دعا دیتے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی مبارک زندگی کے متعلق بھی اس کتاب میں تذکرہ فرمایا۔

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''خاکسار کو 1944ء سے آپ کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔ 1948ء کے جلسہ سالانہ لاہور کے اسٹیج سے آپکی زبان مبارک سے پہلی بار مصلح موعود کا کلام

''پہنچائیں در پہ یار کے وہ بال و پر کہاں''

نہایت خوش الحانی سے سننے کی سعادت ملی اور قلب و روح میں ایک نئی روحانی برقی لہر دوڑ گئی خصوصاً اس شعر نے تو پورے مجمع پر خاص کیفیت طاری کردی۔

سجدہ کا اذن دے کر مجھے تاجور کیا
پاؤں تیرے کہاں مرا ناچیز سر کہاں

اس وقت آپ کی عمر مبارک بیس سال کے لگ بھگ تھی۔ عنفوان شباب میں اس پرمعارف نظم کا انتخاب بھی آپ کے فنافی اللہ ہونے پر شاہد ناطق ہے''

(اقلیم خلافت کے تاجدار صفحہ 25)

محترم مولانا موصوف نے 25 اکتوبر 2002ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے آخری ملاقات کی جس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔''آہ مجھے کیا معلوم تھا کہ اپنے مقدس امام سے یہ میری آخری ملاقات ہے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

(اقلیم خلافت کے تاجدار صفحہ 38)

ایک حیرت انگیز کتاب

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کے شعروں کے شوق ذوق کو اگر معلوم کرنا چاہیں تو ان کی ہر گفتگو، تقریر، تحریر، کتاب اس کی گواہی دے گی۔ الفضل میں شائع ہونے والے مضامین ۔ پھر ''عالم روحانی کے لعل و جواہر'' ان تمام امور میں آپ کے شعری ذوق کی زبردست مثالیں ملتی ہیں۔

یہ بہت قابل تعجب اور حیران کن بات ہے کہ مولانا نے ایک کتاب لکھی جسے مجھے بھی تحفہ کے طور پر وصول کرنے کا موقع ملا۔ میں اس کتاب کو دیکھ کر کافی دیر غور کرتا رہا کہ یہ کیا ہے؟ مولانا کیا چاہتے ہیں؟ کافی غور وفکر کے بعد پتہ چلا کہ یہ کتاب آپ نے حضرت مصلح موعود کی کتاب ''سیر روحانی'' کے تتبع میں لکھی ہے۔ کتاب کا عنوان ہے ''پرکیف عالم تصور کا مشاعرہ جشن خلافت اور (رفقائے) مسیح الزماں کے عاشقانہ اشعار''

اس کتاب کو سرسری دیکھ کر انسان یہ سمجھتا ہے یا کم از کم میں سمجھا کہ یہ کسی مخصوص مشاعرے کا ذکر ہے مگر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک تصوراتی مشاعرہ ہے جو حضرت مولانا کے دماغ کی تخلیق ہے۔ اور اسکی نظموں کو پانچ تصوراتی نشستوں کا رنگ دیکر بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب 48 صفحات پر مشتمل ہے اور شعروں کا ذوق رکھنے والے حضرات کے لیے اس کا مطالعہ دلچسپی کا موجب ہوگا۔ اس کتاب میں جن ہستیوں کے اشعار کو پیش کیا گیا ہے انکے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام، حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلوی، حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکمل صاحب گولیکی، حضرت ماسٹر نعمت اللہ صاحب گوہر بی۔اے، حضرت حافظ صوفی تصور حسین صاحب اولیس، حضرت منشی نعمت اللہ خان صاحب انور بدایونی، حضرت نواب محمد علی خان صاحب، حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری، حضرت چوہدری محمد علی

خاں صاحب اشرف ہوشیار پوری ، حضرت قاسم علی خاں صاحب رامپوری ، حضرت حکیم ڈاکٹر احمد حسین صاحب لائلپوری (غلہ منڈی) ، حضرت ڈاکٹر سید میر محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی ، حضرت ڈاکٹر منظور احمد صاحب منظور بھیروی، حضرت منشی محمد حسن رہتاسی صاحب، حضرت خاں ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر رامپوری صاحب، حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی، حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، حضرت ماسٹر چوہدری علی محمد سرور صاحب۔

حضرت مولانا کے شعر و ادب کے ذوق کے حوالہ سے انکی کتابوں کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

''مسیح الزماں کی قوت قدسیہ کا یہ اعجاز ہے کہ قادیان کی فضاؤں میں سانس لیتے ہی اشاعت حق کا بے پناہ جذبہ، جوش اور ولولہ ذوق وشوق پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت سید میر محمد اسمٰعیل صاحب نے 1920ء میں ''حالات قادیان دارالامان'' کے عنوان سے ایک پر اثر نظم کہی تھی جس کے دو شعر یہ ہیں کہ:

دیکھنا یورپ میں جا گونجی کہاں
واہ کیا کہنے اذان قادیاں
مرحبا تسخیر مغرب کے لیے
نکلے ہیں کچھ خالدان قادیاں

شاعر احمدیت حضرت ثاقب زیروی مرحوم نے مرکز احمدیت کی شان میں ترانہ لکھا:

اے قادیاں دارالاماں
اونچا رہے تیرا نشاں

عرفان و حکمت کی مچلتی آبشاروں کے وطن
اخلاق اور ایمان زا روشن بہاروں کے وطن
اے مصطفیٰ کے دیں کے سچے جاں نثاروں کے وطن
تیری شجاعت کے ترانے گا رہا ہے آسماں
اے قادیاں دارالاماں
اونچا رہے تیرا نشاں
ہر اک زباں پر آج ہے بے تاب افسانہ تیرا
ہے مرجع اقوام عالم آج ے خانہ تیرا
فرزانگی پر چھا گیا اٹھا جو دیوانہ تیرا
ہر دوڑ میں، ہر راہ میں، آگے ہے تیرا نوجواں
اے قادیاں دارالاماں
اونچا رہے تیرا نشاں

(''دور خسروی'' قادیان دسمبر 1945ء)

میرے پیارے مولیٰ کریم کے اس ذرہ ناچیز اور لاشئی محض پر بے شمار افضال ہیں۔

اگر ہر بال ہو جاوے سخنور
تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر

منجملہ ان عنایات کے یہ بھی ہے کہ اس نے مسلسل گیارہ برس (1936ء سے 1947ء تک) اس خدا نما بستی (جس کی ایک ایک اینٹ شعائر اللہ میں سے ہے) براہ راست فیضیاب ہونے کی سعادت بخشی ۔ اس کتاب کی زینت میرے چشمدید اور گوش شنید واقعات یورپ سے جنوبی ایشیا تک ممالک پر محیط ہیں جو بلا مبالغہ دیار حبیب قادیان کی اسی مقناطیسی تاثیرات کا کرشمہ ہیں جس کے

پاکیزہ ماحول اور روحانیت کی برقی لہریں مردہ دلوں میں اشاعت حق کی زندہ روح پھونک دیتی ہیں۔

اس مختصر مقالہ سے مقصود احمدیت کی نئی اور پرجوش نسل کی خدمت میں صرف بنیادی معلومات پیش کرنا ہے۔ اس لیے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے طرز تحریر اور اسلوب کی راہنمائی میں حشو وزوائد سے حتی الوسع اجتناب کیا گیا ہے اور جملہ واقعات مختلف اہم مباحث کے زیر عنوان درج کیے گئے ہیں تا دنیا بھر میں سرگرم عمل کروڑوں نونہالان احمدیت احمدی علم کلام کے زبردست دلائل و براہین سے بآسانی متعارف ہوسکیں۔

مجھے یاد ہے منصب خلافت پر فائز ہونے سے قبل سیدی حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ (خلیفۃ المسیح الرابع) ایک مرتبہ منڈی بہاؤالدین تشریف لے گئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحبؒ نے یہاں پہلے نہایت ولولہ انگیز خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا پھر ایک مجلس سوال وجواب سے اثر انگیز خطاب کیا۔ آپ کا خطبہ جمعہ اول سے آخر تک دعوت الی اللہ کی مؤثر تحریک پر مشتمل تھا۔ آپ نے پورے جلال وتمکنت سے فرمایا اسی میں ہماری جان ہے اور یہی ہماری پہچان اور قومی نشان ہے جس سے احمدیوں نے بفضلہ تعالیٰ اپنی دعاؤں اور نمونہ کے ساتھ قلوب عالم کی تسخیر کرنی ہے۔

اس تعلق میں سیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موجد شطرنج کے مطالبہ انعام کی طرف اشارہ کیا اور مخلصین احمدیت کے درد بھرے اور مؤثر انداز میں توجہ دلائی کہ 1889ء سے اب تک ہر احمدی ہر سال ایک نیا احمدی بھی بنانے کی کوشش کرتا تو آج ساری دنیا احمدی ہوتی اور جس طرح سمندر پانی کے قطروں سے لبریز ہے اور آسمان بے شمار ستاروں سے چمک دمک رہا ہے اور زمین لاتعداد ذروں سے بھری ہوئی ہے اسی طرح ہر جگہ صرف اور صرف احمدیت کا پھریرا لہراتا ہوا نظر آتا۔ گو یہ الفاظ قطعی طور پر میرے ہیں مگر سیدی صاحبزادہ صاحب کے خطبہ کی اصل روح یقیناً یہی تھی۔ ع

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات ان کی

(از دلچسپ علمی واقعات ومشاہدات (از 1943ء تا 2003ء) صفحہ 5 تا 7)

لکھتے ہیں ”یہ عاجز دفتری کام میں مصروف تھا کہ یکایک حضرت مولانا عبدالمالک صاحب کی السلام علیکم کی آواز سنائی دی اور آپ ایک باریش بزرگ ساتھ کمرہ شعبہ تاریخ میں تشریف لائے اور فرمایا میں انہیں تم سے ملانے کے لیے آیا ہوں۔ میرے معزز مہمان کے پاس وقت بہت تھوڑا ہے۔ کوئی ایک مختصر سی بات سنا دیجئے۔ میں نے ان بزرگ پر نگاہ ڈالی تو حق تعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ یہ سیال شریف والوں کے مرید ہیں مگر ہیں بہت شریف مزاج۔ یہ ذہن میں آتے ہی خاکسار نے عرض کیا خدا کے فضل وکرم سے آپ بھی آنحضرت ﷺ کو احمد یقین کرتے ہیں لہذا میری ادب کے ساتھ یہ درخواست ہے کہ اپنے تئیں ہمیشہ احمدی کہا کریں۔ جھٹ بولے میں احمدی تو ہوں مگر مرزائی ہرگز نہیں۔ یہ سنتے ہی میں نے انیسویں صدی کے نامور چشتی بزرگ حضرت خواجہ شمس الدینؒ سیال شریف کے حسب ذیل ارشادات وملفوظات عالیہ ان کے مطالعہ کے لیے سامنے رکھ دیئے۔ ان میں لکھا تھا:

”آپ کے پوتے صاحبزادہ محمد امین صاحب آئے۔ آپ نے پوچھا اے بیٹا کون سی سورت پڑھتے ہو؟ انہوں نے

کہا سورۃ نور۔آپ نے تبسم فرماتے ہوئے یہ شعر کہا:

صورت مرزے یار دی ساری سورت نور
والشمس والضحیٰ پڑھیا رب غفور

بندہ نے عرض کیا مرزا سے کیا مراد ہے؟ فرمایا۔ رسول خدا اور تینوں مذکورہ سورتیں آپ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔پھر فرمایا

عاشقوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے معشوق کو مرزا یا رانجھا کہہ کر یاد کرتے ہیں۔''

(مرءۃ العاشقین صفحہ 272 مرتبہ سید محمد سعید اسلامک بک فاؤنڈیشن)

وہ بزرگ یہ عبارت پڑھتے ہی پورے جوش سے فرمانے لگے۔آج سے میں احمدی بھی ہوں اور مرزائی بھی اور ساتھ ہی بتایا میرا مسلک چشتی ہے اور میں سیال شریف سے ارادت رکھتا ہوں''۔

(از دلچسپ علمی واقعات ومشاہدات از 1943ء تا 2003ء صفحہ 28)

اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں:۔

(دین حق) واحد قانون آسمانی اور ابدی اور کامل ومکمل ضابطہ حیات ہے جس کا ہر حکم حق وحکمت پر مبنی اور روحانی فلسفہ سے پر ہے اور اس کی پشت پر عقل وفہم اور تدبیر وفقاہت کی افواج صف بستہ کھڑی ہیں جو دلی اور دماغی قوی کی حفاظت کر رہی ہیں اور سورہ جمعہ کے پہلے رکوع میں یہ خبر دی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قوت قدسیہ کے طفیل آخرین جہاں ربانی نشانوں کا مشاہدہ کریں گے، تزکیہ نفوس کا سامان ہوگا اور تعلیم کتاب کی برکت پائیں گے، وہاں کتاب اللہ کی حکمت اور فلسفہ بھی ان پر کھولا جائے گا اور بانی سلسلہ احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا پیدا کردہ عظیم الشان لٹریچر ان سب پہلوؤں پر مشتمل اور حاوی ہے خصوصاً (دینی) عقائد و نظریات اور فقہی مسائل ومضامین اور دیگر تعلیموں اور اصولوں کی فلاسفی اور حکمت جس حکیمانہ شان سے اجاگر کی ہے اس کی کوئی نظیر نہیں۔حضور نے اپنے مخصوص انداز بیان سے تمام (دینی) مسائل کو ایسے آسان مگر پر شوکت طریق پر حل کیا ہے شریعت (...) کا مغز اور اس کی حقیقت وعظمت دل پر نقش ہو جاتی ہے اور زبان پر محسن اعظم فخر موجودات محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے درود جاری ہو جاتا ہے۔**کل برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ فتبارک من علم و تعلم**

جو راز دیں تھے اس نے بتائے سارے
دولت کا دینے والا فرمانروا یہی ہے
سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا
وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

(درثمین)

''اسلامی لٹریچر میں خوفناک تحریف'' کے زیر عنوان آپ نے کس طرح امت مسلمہ کی غیرت کو خوبصورت الفاظ اور اشعار کے ذریعہ جگانے کی کوشش کی، ملاحظہ ہو:

دوستو! اک نظر خدا کے لیے
سید الخلق مصطفیٰ کے لیے

''صحافت پاکستان کا انکشاف

29 مئی 1974ء کے مبینہ سانحہ ربوہ سے صرف بارہ دن پیشتر صحافت پاکستان کے ذریعہ سے پہلی بار یہ سنسنی خیز انکشاف منظر عام پر آیا کہ ایک خصوصی سازش کے تحت اسلام کے قدیم اور بیش قیمت لٹریچر میں تیزی سے تحریف کی جارہی

ہے۔جو مجموعہ خطب سے لے کر احادیث بلکہ تراجم وتفاسیر قرآن پر محیط ہو چکا ہے اس سلسلہ میں لاہور کے موقر اخبار امروز 17 مئی 1974ء صفحہ 4 پر حسب ذیل نوٹ سپرد اشاعت کیا جو ملک میں علمی اور دردمند حلقوں میں پوری توجہ اور اضطراب وتشویش سے پڑھا گیا۔یہ نوٹ خاکسار کی برسوں کی تحقیق کا نہایت مختصر سا خلاصہ تھا جس کا مقصد عشاق رسول عربی کو اس لرزہ خیز منصوبہ سے خبردار کرنا تھا

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی

دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

اور اگر خدائے ذوالعرش کا وعدہ حفاظت نہ ہوتا تو قرآن مجید کا محرف ومبدل ہونا بھی ممکن تھا مگر کسی ماں نے ایسا بیٹا نہیں جنا جو خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب کا ایک حرف بلکہ ایک نقطہ یا شعشہ تک کو بدل سکے آسمانی صحیفوں میں یہ واحد کتاب جو صرف کاغذ کے اوراق میں ہی نہیں لاکھوں کروڑوں حفاظ کے سینے میں بھی محفوظ رہی ہے اور قیامت تک رہے گی۔

نہ ہوا سلام کیوں ممتاز دنیا بھر کے دینوں میں

وہاں مذہب کتابوں میں یہاں قرآن سینوں میں"

عربی اشعار کا ذوق

محترم مولانا صاحب موصوف کو عربی اشعار کے مطالعہ اور انکے استعمال کا بھی شوق تھا جس کے ثبوت کے لیے آپ کی کتاب "کلام اللہ کا مرتبہ اور حضرت مصلح موعودؓ" کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"برادران (دین حق)! ہر عارف وسالک اس نکتہ معرفت سے بخوبی آشنا ہے کہ جس طرح گذشتہ تمام نبیوں کا ظہور ہمارے نبی حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے استقبال کی خاطر ہوا۔اسی طرح پہلی سب آسمانی کتابیں محض اس لیے نازل ہوئیں تا اقوام عالم کو خاتم الکتب قرآن مجید کی خدمت کے لیے تیار کیا جائے اور غار حرا سے پھوٹنے والے آسمانی چشمہ سے تمام بنی نوع انسان قیامت تک فیضیاب ہوتے رہیں۔

شَمْسُ الْھُدیٰ طَلَعَتْ لَنَا مِنْ مَکَّۃَ

عَیْنُ النَّدیٰ نبعت لنا بحراء

تقاریر میں شعروں کا استعمال

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد تقاریر میں بھی عین مناسب موقع پر شعروں کا استعمال کرتے تھے۔تقریر جلسہ سالانہ 1976ء میں "احمدیت کی امتیازی شان" کے عنوان سے تقریر کرنے کے بعد آخر میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن خادم خالد احمدیت کے درج ذیل شعر پڑھے:

خدا خود جبر و استبداد کو برباد کر دے گا

وہ ہر سو احمدی ہی احمدی آباد کر دے گا

صداقت میرے آقا کی زمانے پر عیاں ہو گی

جہاں میں احمدیت کامیاب و کامراں ہو گی

جہاں تک میرا علم ہے یہ شعر بھی آپ کا پسندیدہ تھا جسے بارہا کئی مقامات پر استعمال کیا اور واقعی یہ شعر بھی تو بہت اعلیٰ ہے۔

اپنے ایک اور مضمون میں تحریر کرتے ہیں۔

برادران (دین حق)!

موضوع تقریر ہے: ''وفات مسیح ناصریؑ اور احیاء (دین حق)۔'' عہد حاضر کا یہ ایک نہایت اہم مضمون ہے کیونکہ حضرت مسیح ابن مریمؑ انجیل کی رو سے بھی محض ''صبح کا ستارہ'' تھے جو اپنے بعد مطلوب کائنات اور مرکز کائنات حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے آنے کی خوشخبری دینے کے لیے ظاہر ہوئے اور آفتاب محمدیت کے افق بطحاء پر طلوع ہونے سے قبل ہی غائب ہوگئے۔ لہذا اگر ایک لحظہ کے لیے بھی فرض کرلیا جائے کہ حضرت مسیح ناصریؑ ابھی تک زندہ ہیں تو ماننا پڑے گا کہ ہمارے نبی نبیوں کے شہنشاہ رسول عربی ﷺ بھی اب تک اس عالم میں تشریف فرما نہیں ہوئے۔ ظاہر ہے کہ کوئی کلمہ گو بالخصوص ایک احمدی (مومن) اس ناپاک خیال کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتا اس کی تو پوری زندگی ہی غیر مسلمان کو (مومن) بنانے اور یہ دعا کرنے کے لیے وقف ہے۔

اس دیں کی شان و شوکت یا رب مجھے دکھا دے
سب جھوٹے دیں مٹا دے میری دعا یہی ہے

پس آج مجھے تاریخی حقائق اور واقعاتی شواہد سے ثابت کرنا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی موت اور (دین حق) کی زندگی دونوں ہی متوازی صداقتیں ہیں جو سید الکل، افضل الرسل، سید الانبیاء، سید الاحیاء، محمد مصطفیٰ ﷺ کے ظہور سے لے کر قیامت تک لازم وملزوم رہیں گی، اس نقطہ نگاہ سے بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ (دین حق) کی بنیاد آج سے تیرہ سو سال قبل مسیحیت کے جعلی اور خود ساختہ عقیدہ حیات مسیح کے خلاف جہاد پر رکھی گئی تھی۔ (دین حق) کے شاندار ماضی کا راز بھی اسی علمی جہاد میں مخفی تھا اور اس کا روشن مستقبل بھی اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

ذاتی کلام

مولانا کی ایک ذاتی نظم محترم سلیم شاہجہانپوری کی کتاب شعرائے احمدیت کے صفحہ 515 سے ملی ہے جو درج ذیل ہے:۔

''بارگاہ رسالت کی راہ میں ایک گدائے بے نوا کا ہدیہ عقیدت''

اس ضمن میں حضرت مولانا صاحب کا ایک واقعہ درج ہے:

''3 اپریل سے 31 مئی 1990 تک میں اپنے دوسرے آٹھ اسیران راہ مولیٰ کے ساتھ گوجرانوالہ سنٹرل جیل میں رہا۔ ہمیں پہلے روز قید خانہ کے ایک وسیع کمرہ میں رکھا گیا جو قیدیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہاں جو صاحب نمازیں پڑھاتے ہیں وہ غالباً تیسری چوتھی بار اغوا کے کیس کی سزا بھگت رہے ہیں۔ ہم احمدیوں نے الگ نماز پڑھی اور پھر مختلف (دعوت الی اللہ کے) مسائل پر گفتگو کرنے لگے۔ ایک شریف النفس اہل حدیث نوجوان میرے قریب بیٹھا نہایت عقیدت سے میری باتیں سن رہا تھا کہ یکا یک اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کس جرم کی پاداش میں یہاں پہنچے ہیں؟ میں نے کہا میاں آپ اپنے سوال کے جواب سے پہلے مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے ہدیہ نعت کے چند اشعار سناؤں۔ نوجوان نے کہا بڑے شوق سے۔ جس پر خاکسار نے یہ نظم خوش لحانی سے پڑھی:

مولا میری بگڑی ہوئی تقدیر بنانے والے
فرش سے عرش تک جلوہ دکھانے والے
تیرے احسانوں کا ہو شکر، بھلا کیسے ادا
ہم غریبوں کو محمد (ﷺ) سے ملانے والے
ارض یثرب تیری عظمت پہ ہیں افلاک جھکے
شاہ لولاک کو سینے پہ بسانے والے
اک نظر شاہدتشنہ کی طرف بھی آقا
آب کوثر سے بھرے جام پلانے والے

یہ شعر پڑھنے کے بعد میں نے نوجوان کو بتلایا کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کے خلاف گوجرانوالہ کے علماء صاحبان نے ایف آئی آر درج کرائی تھی کہ یہ سب گستاخ رسول ہیں۔انہیں پھانسی کے تختہ پر لٹکا دینا چاہیے۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

(اکبر الٰہ آبادی)

(دلچسپ علمی واقعات و مشاہدات صفحہ 29)

جہیز یا بری کی چیزوں کی نمائش

حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہ نے 9 فروری 1921ء کو ایک نکاح کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگوں میں رواج ہے کہ چیزیں وغیرہ دکھاتے ہیں اس رسم کو چھوڑنا چاہئے۔ جب لوگ دکھاتے ہیں تو دوسرے پوچھتے ہیں جب دکھانے کی رسم بند ہوگئی تو لوگ پوچھنے سے بھی ہٹ جائیں گے۔" (الفضل 17 فروری 1921ء)

ارشاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو! اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو! میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہے۔ جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اسکی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔"

(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد نمبر 15 صفحہ 141)

سنوکر ٹورنامنٹ زیر اہتمام مجلس خدام الاحمدیہ ضلع کراچی

محض خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجلس خدام الاحمدیہ ضلع کراچی کو شعبہ صحت جسمانی کے تحت مورخہ 11 اپریل 2010ء کو آل کراچی سنوکر ٹورنامنٹ منعقد کروانے کی توفیق ملی۔

اس ٹورنامنٹ میں ضلع بھر کی 34 مجالس میں سے 22 مجالس کے 32 خدام کھلاڑیوں نے شرکت کی۔

ناک آؤٹ بیس پر ٹورنامنٹ کا انعقاد ہوا۔ٹورنامنٹ کا انعقاد سنوکر کلب میں ہوا۔ٹورنامنٹ کا افتتاح مکرم محترم قائد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ ضلع کراچی نے کیا۔

فائنل میچ مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ کالونی اور مجلس خدام الاحمدیہ النور کے مابین کھیلا گیا۔ مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ کالونی کے مکرم نوید احمد مجید صاحب فاتح قرار پائے۔

1974ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں

حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب (مؤرخ احمدیت) کی خدمات کا تذکرہ

(مکرم حافظ محمد نصر اللہ صاحب۔ ربوہ)

1974ء میں حکومت پاکستان نے اپنی سیاسی حیثیت مضبوط کرنے کے لئے اور پاکستان کی مذہبی جماعتوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی خاطر جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا سیاسی فیصلہ کیا۔ اس سلسلہ کا عملی آغاز باقاعدہ منصوبہ کے تحت 29 مئی 1974ء کو ہوا جب نشتر کالج ملتان کے طلباء ربوہ ریلوے اسٹیشن پر اخلاق سوز حرکات، عورتوں پر فحش فقرات، نعرے بازی اور گالی گلوچ کرتے رہے۔ پلیٹ فارم پر موجود افراد پر پتھراؤ کرتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ اس کی جوابی کارروائی پر طرفین کے دس افراد زخمی ہوئے تاہم کوئی بھی شخص شدید زخمی نہیں ہوا۔

ضرب خفیف کے اس معمولی واقعہ کو جس کی پاکستان میں ہونے والی روزانہ کی قتل غارت وڈاکہ زنی کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہ تھی، پاکستان کی مذہبی جماعتوں نے انتہائی بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ انتہائی کذب بیانی کرتے ہوئے بیان کیا گیا کہ نشتر کالج کے طلباء کی زبانیں اور دوسرے اعضاء کاٹے گئے ہیں۔ اس کے بعد کئی احمدی احباب کو بے دردی سے شہید کیا گیا۔ ان کی جائیدادیں اور کاروباری مراکز جلادیئے گئے۔ پاکستان کے اخبارات میں اس سلسلہ میں مذہبی جماعتوں کا مکمل ساتھ دیا۔

اس وقت کے وزیر اعلیٰ پنجاب نے اس کے اگلے روز ہی 30 مئی 1974ء کو یک رکنی تحقیقاتی ٹریبونل قائم کردیا جو لاہور ہائیکورٹ کے جج مسٹر جسٹس کے۔ ایم صمدانی پر مشتمل تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے محترم مولانا قاضی محمد نذیر صاحب اور محترم مولانا غلام باری سیف صاحب کے ساتھ ساتھ مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب کو بھی ارشاد فرمایا کہ صمدانی کمیشن میں پیش ہونے والے احمدی وکلا کی معاونت کیلئے راتوں رات لاہور پہنچ جائیں۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب کو اسی وقت یہ اطلاع بھی موصول ہوئی کہ ان کے برادر نسبتی ٹیکسلا میں شہید کردیئے گئے۔ محترم مولانا حضور انور رحمہ اللہ کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے فوراً اس وفد کی اعانت کے لئے پہنچے۔

10 جولائی 1974ء کو اس ٹریبونل نے فیصلہ سنایا کہ اب تک شہادتوں کے مطابق نشتر کالج کے کسی طالب علم کی نہ زبان کاٹی گئی نہ کوئی اور عضو۔ میڈیکل رپورٹوں سے بھی سب افواہیں سراسر غلط ثابت ہوئی ہیں۔

(نوائے وقت 11 رجولائی 1974)

اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے اس وقت کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے 30 جون 1974ء کو پورے ایوان کو ایک کمیٹی کی شکل دی جس کا نام ''رہبر کمیٹی'' رکھا گیا۔ اس کے چیر مین کے طور پر سپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ

فاروق علی صاحب کو مقرر کیا۔ رہبر کمیٹی کے سپرد یہ کام کیے گئے:

1۔ ان لوگوں کی حیثیت متعین کی جائے جو آنحضور محمد مصطفی ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے۔

2۔ اس سلسلے میں کمیٹی کی پیش کردہ تجاویز، مشوروں اور قراردادوں پر معینہ مدت کے اندر غور وخوض مکمل کرلیا جائے جس کا تعین کمیٹی کرے۔

3۔ اس غور وخوض کے نتیجہ میں شہادتیں قلمبند اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے کے بعد کمیٹی اپنی سفارشات ایوان میں پیش کرے گی۔

(نوائے وقت یکم جولائی 1974ء ص 1 تا 6)

دنیا کی کسی بھی کمیٹی کو کسی دوسرے کے مذہب کے درست یا غلط قرار دینے اور پھر بزور اس فیصلہ کو ان پر ٹھونسنے کا اختیار نہیں ہے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کو اس کمیٹی میں تشریف لانے کا کہا گیا تو کمیٹی کی راہنمائی، اپنے موقف کی وضاحت اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے جماعت احمدیہ نے ''محضر نامہ'' کے نام سے ایک جامع اور مستند باحوالہ دستاویز تیار کی جو ایوان میں بحث سے قبل مکرم ناظر صاحب اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے کمیٹی کو پیش کی گئی محضر نامہ کی تدوین حضرت مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ) کے سپرد تھی۔ ''محضر نامہ'' کی تیاری میں آپؒ کی معاونت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مرحوم اور مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مرحوم نے بھی کی۔ محضر نامہ کو چھپوا کر قومی اسمبلی اور سینٹ کے تمام ممبرز کو بھجوایا گیا۔

یہ رسالہ 192 صفحات پر مشتمل تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے مکمل محضر نامہ 22، 23 جولائی 1974ء کو اسمبلی کے تمام ممبرز کو پڑھ کر بھی سنایا۔

قومی اسمبلی میں جماعت احمدیہ کے شائع شدہ لٹریچر اور جماعت کے موقف کی تائید میں لاتعداد کتب اور فائلیں جمع کروائی گئیں۔ محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ خلافت لائبریری ربوہ سے ایک ہزار سے زائد کتب ایشو کروائی گئیں، محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب سے روحانی خزائن کا سیٹ لیا گیا اور کچھ نایاب کتب محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب کی ذاتی لائبریری سے بھی لی گئیں۔ بوقت ضرورت جماعت راولپنڈی اور اسلام آباد سے بھی کتب مہیا کی جاتیں۔ بعض اوقات لاہور سے مکرم ملک منور احمد جاوید صاحب اور مکرم شیخ مبارک محمود صاحب پانی پتی بھی کتب کا انتظام کردیتے۔

اسمبلی کے دفتر میں جماعت کی طرف سے جو کتب جمع کروائی گئیں ان میں سے درج ذیل محترم مولانا دوست محمد شاہد مرحوم کی تصنیف کردہ تھیں:

1۔ خاتم النبیین

2۔ ابتلائے کفرگری میں مقربان الٰہی کی سرخروئی

3۔ تحریک پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار

4۔ مودودی شہ پارے

حضور رحمہ اللہ نے 22، 23 جولائی 1974ء کو رہبر کمیٹی (قومی اسمبلی) میں محضر نامہ پڑھ کر سنایا۔ بعدازاں 5 تا 10 اگست 1974ء، اور پھر 20 تا 24 اگست 1974ء سوالات پوچھے گئے۔ اس طرح کل 13 ایام حضور رحمہ اللہ اسمبلی کی اس کمیٹی میں تشریف لے جاتے رہے۔ حضور رحمہ اللہ

کے ساتھ وفد میں حضرت مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ)، حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر، حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری اور حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب شامل تھے۔

قومی اسمبلی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ اپنی میز پر قرآن کریم، ورثمین عربی و فارسی اور محضر نامہ رکھتے۔ یہ کتب داخلہ کے وقت اور واپسی پر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ کے ہاتھ میں ہوتی تھیں۔ حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب اپنے ساتھ ''رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات 1953'' اور کتاب ''مسئلہ وحی و الہام کے متعلق اسلامی نظریہ'' رکھتے تھے۔ حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری اپنے ساتھ اپنی دو تصنیفات ''تفہیمات ربانیہ'' اور ''القول المبین'' کے علاوہ ''مباحثہ راولپنڈی'' بھی رکھتے تھے۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مطبوعہ لٹریچر، مسودات اور فوٹو کاپیوں پر مشتمل تین سوٹ کیس لے جاتے۔

ایک موقعہ پر شیعہ لٹریچر کی ضرورت پڑ گئی۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب اور مکرم چوہدری رحمت علی صاحب (حال دارالبرکات ربوہ) فوراً اسلام آباد سے بذریعہ کار مردان پہنچے، حضرت قاضی محمد یوسف صاحب مرحوم کی ذاتی لائبریری سے مطلوبہ کتب حاصل کیں اور راتوں رات واپس پہنچے۔ آج تو دو رویہ موٹروے بن جانے سے یہ سفر بہت آسان ہو گیا ہے لیکن تقریباً 36 سال قبل دو طرفہ ٹریفک اور تنگ سڑک اور دیگر سفری مشکلات کہیں زیادہ تھیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ ان پریشان کن ایام میں بھی اپنے اللہ تعالیٰ پر کامل توکل اور یقین محکم پر قائم تھے۔ آپؒ اپنے ساتھیوں کی بھی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے تھے۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

''جونہی چیئرمین صاحب کمیٹی کی طرف سے وفد کو جانے کی اجازت دی جاتی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ دیگر بزرگوں کے جلو میں باہر تشریف لے آتے اور ازراہ شفقت و ذرہ نوازی اس وقت تک برآمدے میں کھڑے انتظار فرماتے جب تک حضور کا یہ ادنیٰ ترین چاکر سب ریکارڈ سمیٹے حاضر خدمت نہ ہو جاتا۔ ایک بار ذرا تاخیر سی ہو گئی غالباً وجہ اس کی یہ ہوئی کہ میں اپنا ریکارڈ سنبھالے تیزی سے دروازہ کی طرف جا رہا تھا کہ کسی ممبر نے بلند آواز سے کہا کہ یہ (ریکارڈ) ہمیں دیئے جائیں۔ پھر ساتھ ہی یہ آواز آئی نہیں نہیں!! ان ''بموں'' کی یہاں ضرورت نہیں۔ اس پر میں یہ کہہ کے فوراً باہر آ گیا کہ یہ بم زندوں کو مارنے کے لئے نہیں، مردوں کو زندہ کرنے کے لئے ہیں۔ حضور مجھ ناچیز خادم کو دیکھتے ہی مسکرائے اور نہایت شفقت بھرے انداز میں فرمایا: ''شیر آ گیا؟''۔

اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کی جلوے ہر قدم پر دیکھے جا رہے تھے۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب بیان کرتے ہیں کہ:

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ اور ممبران وفد میں سے کسی کو بھی کچھ علم نہ ہوتا تھا کہ آج کس قسم کے اور کون کون سے سوالات ہوں گے۔ اس کے باوجود حضور رحمہ اللہ کی طرف سے ہر سوال کا جواب حقائق اور معلومات سے لبریز اور حوالوں اور دستاویزات سے مرصع کر کے دیا جاتا۔

...بیان کے آخری روز (24 اگست 1974ء) کا واقعہ ہے کہ اسمبلی کی طرف روانگی کی لئے کاریں تیار کھڑی تھیں اور میں جلد جلد کتابوں، فوٹو کاپیوں اور مسودات کی ترتیب میں مصروف تھا کہ میرے دل میں بجلی کی طرح یہ خیال آیا کہ اسمبلی میں اب تک مشہور عالم صوفی حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تذکرۃ الاولیاء سے کوئی استفادہ نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے آج اس کی ضرورت پڑ جائے۔ یہ بات ذہن میں آتے ہی میں اسے ایک سوٹ کیس میں دوسری کتابوں کے اوپر رکھ لیا۔ خدا کی قدرت دیکھئے اجلاس کے آخر پر مولوی ظفر انصاری صاحب نے یکا یک یہ سوال اٹھا دیا کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے جلسہ سالانہ کو ظلی حج قرار دیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے پہلے تو حج کعبہ کی فرضیت کے بارے میں جماعت احمدیہ کے عقیدہ پر روشنی ڈالی اور پھر فرمایا ظلی حج کی اصطلاح قدیم مسلمان بزرگوں کے ہاں مستعمل ہے اور ساتھ ہی (کسی کتاب کا نام لئے بغیر) مجھے ارشاد فرمایا ''حوالہ''۔ یہ حکم ملتے ہی میں نے قریب ترین سوٹ کیس کھولا اور اوپر ''تذکرۃ الاولیا'' رکھی تھی۔ خاکسار نے اسے کھولا تو بالکل وہی ورق سامنے آیا جس میں مطلوبہ حوالہ ہی درج تھا۔ حضور رحمہ اللہ نے جب اصلی کتاب سے پورا حوالہ پڑھ کر سنایا تو سب ممبران دم بخود رہ گئے۔''

اللہ تعالیٰ کی خاص فضل اور حضور رحمہ اللہ کی دعاؤں کی برکت سے محترم مولوی صاحب بھی حضور رحمہ اللہ کے حکم پر اتنی جلد حوالہ تلاش کر دیتے تھے کہ حضور رحمہ اللہ بھی خوش ہوتے اور غیر بھی اس کا اظہار کرتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اپنی ایک مجلس عرفان مؤرخہ 23 اکتوبر 1982ء کو بیت المبارک ربوہ میں ارشاد فرمایا:

''مولوی دوست محمد صاحب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حوالوں کے بادشاہ ہیں۔ ایسی جلدی ان کو حوالہ ملتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ساتھ جب قومی اسمبلی میں پیش ہوئے تھے تو وہاں بعض غیر از جماعت دوستوں نے آپس میں تبصرہ کیا اور بعض احمدی دوستوں کو بتایا کہ ہمیں تو کوئی سمجھ نہیں آتی۔ ہمارے اتنے موٹے موٹے مولوی ہیں ان کو ایک ایک حوالہ ڈھونڈنے کے لئے کئی کئی دن لگ جاتے ہیں لیکن ان کا پتلا دبلا سا مولوی ہے اور منٹ میں حوالے ہی حوالے نکال کر پیش کر دیتا ہے۔''

(روزنامہ الفضل 11 جون 1983)

7 ستمبر 1974ء کو قومی اسمبلی نے وہی فیصلہ سنایا جس کا پہلے سے ارادہ کر چکے تھے۔ اس تمام کارروائی کے دوران ایک مرتبہ بھی اسمبلی کی کمیٹی نے ختم نبوت کے حوالہ سے کوئی سوال اور وضاحت نہ پوچھی حالانکہ اس کمیٹی کے مقاصد میں یہ بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے اس فیصلہ کے بعد اپنے پہلے خطبہ جمعہ (مؤرخہ 13 ستمبر 1974ء) میں فرمایا:

''میں فیصلہ پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا اس فیصلہ سے فکر اس کو دامن گیر ہو سکتا ہے جس نے اپنا ایمان لنڈے بازار سے خریدا ہے۔ جنہیں رب کریم نے یہ نعمت بخشی ہے انہیں اس پر کوئی تشویش نہیں ہو سکتی''

اس کارروائی کے آخر پر چیئرمین صاحبزادہ فاروق علی صاحب نے حضور رحمہ اللہ سے زبانی درخواست کی کہ

آپ اس کارروائی کو کہیں بیان نہ کریں۔ حضور رحمہ اللہ ان کی بات کی تعمیل میں خود کبھی اس کارروائی کا تذکرہ نہ کیا۔ محترم مولوی صاحب کو اجازت دی کہ مجالس سوال و جواب اور دیگر مجالس میں اسمبلی کی کارروائی کو بیان کر دیا کریں۔ اسی طرح حضرت مرزا طاہر احمد (خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ) خلافت سے قبل بھی اور خلافت کے بعد بھی اس کارروائی پر تبصرہ فرماتے تھے۔

قومی اسمبلی کی کارروائی میں مولوی صاحب مرحوم کی ایک خدمت یہ بھی تھی کہ اسمبلی کی کارروائی کو دوران اجلاس نوٹ کرنے کی اجازت نہ تھی۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب اسمبلی ہال سے آکر تمام کارروائی کو نوٹ بکس پر نوٹ کرتے جسمیں حضور انور رحمہ اللہ سے کئے گئے سوالات، حضور رحمہ اللہ کے بیان فرمودہ جوابات اور دیگر امور کا تذکرہ ہوتا۔ محترم مولوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس اس کارروائی کے نوٹس کی دو نوٹ بکس اور چھوٹی بڑی پچاس فائلیں موجود ہیں جنھیں بعد میں محترم مولانا صاحب نے دوسرے مستند ذرائع سے چیک بھی کیا۔

اسی طرح مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے چھپنے والی کتاب ''تحریک ختم نبوت'' کی جلد دوم جس میں 1974ء میں قومی اسمبلی کی کارروائی کا ذکر کیا گیا ہے، محترم مولوی صاحب نے اس کی کذب بیانیوں اور دروغ گوئیوں کو اپنے ریکارڈ اور دوسرے مستند ذرائع کے حوالہ سے بے نقاب کیا۔

محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے انہیں ارشاد فرمایا تھا کہ جو سوالات اسمبلی میں کئے گئے ہیں ان پر مزید تحقیق کر کے حوالہ جات اکٹھے کریں۔ محترم مولوی صاحب نے حکم کی تعمیل میں تمام سوالات پر مزید حوالہ جات تلاش کئے۔

1974ء کی اسمبلی کی کارروائی کے حوالہ سے محترم مولانا دوست محمد شاہد نے چند سال قبل ایک طویل انٹرویو دیا۔ تقریباً 36 گھنٹے کے اس انٹرویو میں محترم مولانا صاحب نے جماعت احمدیہ کے مخالفت کے اسباب، اس کی تاریخ، مجلس احرار کی تاریخ، فسادات 1953ء، فسادات 1974ء، ان کے اسباب، قومی اسمبلی میں ہونے والی کارروائی، حضور رحمہ اللہ سے کئے جانے والے سوالات اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ارشاد فرمودہ جوابات تفصیلاً بیان کئے۔ علاوہ ازیں محترم مولانا نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے حکم پر ان جوابات میں جن حوالہ جات کا مزید اضافہ کیا انہیں بھی بیان کیا۔ محترم مولانا صاحب نے اپنی عمر کے آخری ایام میں انتہائی ضعف کے باوجود رمضان کے روزوں کے دوران کئی دنوں تک کئی کئی گھنٹے انٹرویو ریکارڈ کروایا۔ اس انٹرویو کی تیاری میں بھی محترم مولانا صاحب رات گئے تک اپنی نوٹ بکس، فائلیں، کتب اور حوالہ جات کی ترتیب لگاتے رہتے اور معاونین کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے۔ اس طرح آپ نے اپنے قیمتی نوٹس اور یادداشتوں کو ہم تک پہنچایا۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء**

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب کے درجات بلند فرماتا چلا جائے اور ہم سب کو بھی خلافت کا ادنیٰ خادم بنائے۔ (آمین)



میرے پیارے ابی جان

تھا فدائے دینِ احمد احمدیت کا سفیر
ہوگیا نظروں سے اوجھل اک سلطان نصیر

(مکرمہ قانتہ بشریٰ وہاب صاحبہ۔ فرینکفرٹ جرمنی)

اب میرا قلم اپنے پیارے ابی جان کی یاد میں کچھ لکھنا چاہ رہا ہے تو آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور دل یہ تسلیم کرنے سے ابھی تک قاصر ہے کہ وہ عظیم وجود جو خلفائے احمدیت جماعت اور ہم سب کا پیارا تھا اور جس نے ہمیشہ ہمارے لیے بے انتہا محبت وشفقت اور دعاؤں کے خزانے لٹائے وہ اب ہمارے درمیان نہیں۔ اپنے پیارے ابی جان کے ساتھ بچپن سے لے کر اب تک بیتے ہوئے دنوں کی بہت خوبصورت اور سنہری یادیں تو بے شمار ہیں لیکن چند یادیں بیان کرنا چاہتی ہوں۔

آپ کا وجود ایسا تھا کہ جب سے آنکھ کھولی آپ کو دنیا سے بے خبر اپنی ہی دنیا میں مگن لحہ لحہ دین کی خدمت میں گزارتے ہوئے دیکھا۔ میرے پیارے ابی جان محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت 3 مئی 1927 کو پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ میں حافظ محمد عبداللہ صاحب مرحوم معلم اصلاح وارشاد کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابی جان ہمیں بتایا کرتے تھے کہ جب وہ قریباً 8/9 سال کے تھے تو ان کے والد انہیں ان کے چچا مکرم عبدالعظیم صاحب درویش قادیان کے ہاں تعلیم کی غرض سے قادیان چھوڑ آئے تھے جنہوں نے آپ کے خاندان میں سب سے پہلے احمدیت قبول کی تھی۔ 1933ء میں آپ کے والد نے بھی (ہمارے دادا جان) احمدیت قبول کی تھی۔ سیدنا حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ نے آپ کو تاریخ احمدیت کی تدوین کی ذمہ داری سونپی بظاہر یہ ذمہ داری بہت بڑی تھی لیکن اپنے امام و مطاع کی سونپی ہوئی اس ذمہ داری کو آپ نے تا زندگی خوب نبھایا اور مؤرخ احمدیت ہونے کا اعزاز پایا۔ آپ کی یہ شدید خواہش تھی کہ آپ احمدیت کی سو سالہ تاریخ کو مکمل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اس خواہش کو پورا کیا۔ مجھے یاد ہے کہ ابی جان صبح فجر کی نماز کے لیے ہمیں بیدار کر کے بیت المبارک میں نماز کی ادائیگی کے لیے چلے جاتے۔ آپ نے اکثر امامت کے فرائض بھی ادا کیے۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز کی ادائیگی کے بعد بہشتی مقبرہ جاتے اور پھر وہاں سے ربوہ کی پہاڑیوں کی طرف سیر کے لیے نکل جاتے۔ گھر آکر آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے آپ کی تلاوت میں ایک خاص طرز کی آواز ہوتی جیسے اپنے مولیٰ کے عشق میں مخمور نظر آتے تھے۔ آپ تلاوت ہمیشہ اونچی آواز سے کرتے۔ ناشتہ کرتے جو بہت سادہ ہوتا تھا پھر خلافت لائبریری کی جانب روانہ ہو جاتے۔ مجھے بچپن کا زمانہ یاد ہے کہ پیاری پیاری امی جان نے ابی جان کے کام کے سلسلے میں ہمیں خوب ٹریننگ دی تھی

یعنی جب آپ کے دفتر جانے کا وقت ہوتا تو آپ کے لیے ایک بہن دوڑتی ہوئی پگڑی لاتی، کوئی اچکن، کوئی جوتے اور چونکہ میں سب سے چھوٹی تھی اس لیے ابی جان کا سائیکل لے کر پہلے ہی دروازے کے سامنے کھڑی ہو جاتی۔ پیاری امی جان ہمیں سمجھاتی تھیں کہ آپ کے ابی جان کو کوئی چیز ادھر سے ادھر نہ ہونے پائے۔ درحقیقت ابی جان کی ساری زندگی میں وقت کی پابندی، نفاست، ترتیب اور نظم و ضبط کی بہت اہمیت رہی ہے اور یہ اعمال آپ کی زندگی میں ہمیشہ نمایاں رہے۔ یہاں میں اپنی پیاری امی جان کا بھی کچھ ذکر خیر کرنا چاہوں گی۔ انہوں نے تقریباً 37 سال کا عرصہ ابی جان کے ساتھ گزارا اور ہر معاملہ میں ابی جان کا ساتھ دیا۔ انہوں نے واقعی ہی ایک واقف زندگی کی بیوی کی حیثیت سے اپنی زندگی کو ان کی خدمت میں وقف رکھا۔ صبر، شکر اور قناعت ہر طرح کے حالات میں ان کا ساتھ دیا گھر کی ساری ذمہ داریاں اپنے اوپر لے لیں تا کہ ان ذمہ داریوں سے بے فکر ہو کر آپ دین کی خدمت کر سکیں۔ میری دو بڑی بہنوں کی شادی پر ابی جان جماعتی دورہ جات کی وجہ سے موجود نہ تھے ان مواقع پر بھی امی جان نے بڑے احسن رنگ میں ان ذمہ داریوں کو ادا کیا۔ آپ نے ہمیشہ ہمیں اس بات کا احساس دلایا کہ آپ کے ابی جان واقف زندگی ہیں۔ ہم نے اُن سے کوئی ایسی فرمائش نہیں کرنی جو وہ پورا نہ کر سکتے ہوں۔ پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک واقف زندگی کی اولاد کی حیثیت سے قناعت کا پہلو ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہا۔ پیاری امی جان کی ان خوبیوں کی وجہ سے ہمیشہ ابی جان کے دل میں ان کے لیے ایک مقام بنا رہا۔ آپ ان کی بے مثال قربانیوں کا تذکرہ بڑی محبت سے کرتے رہے۔ ہمارے ابی جان نے وقت کی قدر کو صحیح رنگ میں پہچانا۔ کبھی ساری ساری رات کام کرتے رہتے۔ کبھی ہماری امی جان سے پتہ چلتا کہ رات کو گھر نہیں آئے بلکہ خلافت لائبریری میں بیٹھ کر رات بھر کام کرتے رہے۔ بعض دفعہ ہم کئی کئی دن ان کو نہ دیکھتے تھے۔ جلسہ سالانہ ربوہ کے بابرکت ایام میں بھی آپ ایک ہفتہ پہلے ہی بستر خلافت لائبریری لے جاتے اور وہیں رات بیٹھ کر کام کرتے ان ایام میں ہمیں خاص نصیحت کرتے کہ بڑے بابرکت دن ہیں ان میں آپ نے بہت دعائیں کرنی ہیں۔ تلاوت قرآن اور نماز کی ہر طرح پابندی رکھنی ہے۔ ہمارے ہاں جلسہ پر کثیر تعداد مہمانوں کی ہوتی تو ان کا بہت خیال رکھنے کا کہتے کہ یہ سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمان ہیں۔ آپ کو جلسہ سالانہ ربوہ پر 1974ء سے 1983ء تک مختلف اہم موضوعات پر خطاب کرنے کا موقعہ ملا۔ آپ کی تقاریر بہت مؤثر ہوتیں۔ خلافت سے آپ کو والہانہ محبت تھی گویا خلافت ان کی جان تھی۔ ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ آج ہم جو کچھ بھی ہیں خلافت کی برکت سے ہیں۔ خلفاء سے آپ کو بے حد محبت تھی۔ آپ جب بھی کسی خلیفہ وقت سے ملاقات کر کے آتے تو آپ کے چہرے پر ایک عجیب سی خوشی کی لہر دوڑ رہی ہوتی۔ آپ کا چہرہ بتا رہا ہوتا کہ آپ اپنے محبوب آقا سے ملاقات کر کے آرہے ہیں۔ آپ کو خلفائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تبرکات بھی ملا کرتے جس میں پگڑی اور اچکن خاص طور پر ہیں۔ جب بھی ابی جان سے دعا کا کہتی تو مجھے یہی کہتے کہ میں تو آپ کے لیے ہمیشہ دعائیں کرتا ہوں لیکن آپ سب سے پہلے

خلیفہ وقت کو خط لکھا کریں کیونکہ حضرت اقدس کی دعائیں عرش پر پہنچتی ہیں۔ ہمارے پیارے ابی جان خلافت کے نتیجہ میں ملنے والے انعامات کا ہم سے اکثر ذکر کیا کرتے اور ساتھ ہی الحمد للہ اور سبحان اللہ کا ورد کرتے۔ آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ کی شخصیت میں جہاں سادگی اور عاجزی تھی وہاں رعب بھی تھا۔ جب کبھی ان کے ساتھ بیٹھنے کا موقعہ ملتا تو مختلف تربیتی امور کی طرف توجہ دلاتے لیکن آپ ہمیشہ نرمی سے تربیت کرنے کی کوشش کرتے۔ شروع سے ہی نماز، قرآن، پردہ پر زیادہ توجہ دیتے۔ آپ کی طبیعت میں مزاح بھی تھا چلتے پھرتے ہمیں ہنسنے والا قصہ سنا دیتے یا کسی کے لطیفے سنا کر ہنساتے تھے۔ آپ کا مطالعہ حد درجہ وسیع تھا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ کتابیں میری اصل غذا ہیں۔ گھر میں کوئی نئی کتاب لاتے تو باری باری سب کو پڑھنے کے لیے کہتے اور پڑھنے کے بعد سب سے کتاب کے بارہ میں تاثرات پوچھتے۔ آپ کو کتاب کا تحفہ دوسروں کو دینا بہت پسند تھا۔ ہم سب بہنوں اور بھائی کی شادی پر بھی کتابوں کے تحائف دیئے اور بعد میں بھی بھیجتے رہتے تھے۔ فون کرکے فوراً پوچھتے کہ بیٹا آپ نے کتاب پڑھی ہے۔ اس لیے میری یہی کوشش رہتی کہ ساری کتاب پڑھ کر ہی ابی جان کو فون کروں۔ آپ جب بھی باہر جاتے بچے آپ کو سلام کرنے کے لیے دوڑتے۔ اکثر تو آپ ہی انہیں سلام کرنے میں پہل کرنے کی کوشش کرتے۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں آپ اکثر درس دیا کرتے جس کی تیاری آپ بہت محنت سے کرتے۔

ہمارے ابی جان حد درجہ ذہین تھے۔ ہمارے گھر کی لائبریری میں قریباً 8 ہزار کتابیں ہیں۔ یہ ابی جان کی ذاتی لائبریری ہے۔ آپ کو یاد رہتا تھا کہ کون سی کتاب کس ریک میں کس جگہ پڑی ہے۔ آپ ہمیں بھی کہتے کہ گاہے بگاہے کتابوں کو دیکھتے رہا کریں کہ کتابیں کہاں پڑی ہیں تاکہ ضرورت کے وقت فوراً مل جائیں۔ اور کتاب کو جہاں سے اٹھائیں اسی جگہ دوبارہ رکھیں۔ مجھے جب بھی کتاب بھیجتے لکھتے ''میری شیر بیٹی کے لیے'' پھر دعائیں یا دعائیہ اشعار لکھا کرتے اور آخر میں 'محتاج دعا۔ دربار خلافت کا گدائے بے نوا، دوست محمد شاہد''۔ یہ آپ کی طبیعت کی انتہائی عجز وانکساری تھی جس کی جھلک آپ کی تحریرات میں بھی نظر آتی تھے۔

بلکہ سب بچوں کو ہی اس انداز سے لکھتے ہم میں سے ہر کوئی سمجھتا کہ ابی جان کو مجھ سے سب سے زیادہ پیار ہے۔ آپ کو شروع سے ہی ہم پر اعتماد رہا۔ مجھے اور میرے بچوں کے نام بڑی پیاری نظمیں لکھ کر بھیجتے۔ آپ اپنے پوتوں اور نواسے نواسیوں سے بہت پیار کرتے اور ان کے لیے بہت دعائیں کرتے۔ ہم سے اور ہمارے بچوں سے بہت احترام سے پیش آتے۔ میرے بچوں سے انہیں پیار تھا ابھی جب میں ان کی بیماری کے دوران پاکستان گئی تو دیکھا کہ خلافت لائبریری میں جس میز پر وہ کام کیا کرتے تھے وہاں پر میرے بچوں کی فوٹوز رکھی ہوئی ہیں اسی طرح گھر کی میز پر بھی جہاں وہ اکثر بیٹھتے تھے میرے دونوں بچوں کی فوٹوز رکھی ہوئی تھیں اور ان فوٹوز پر شعر لکھا ہوا تھا:

یا رب میرے گلشن کا شجر تیرے حوالے

اس وقت میرا دل انہیں شدت سے یاد کر رہا ہے اور ان کی شفقتیں اور محبتیں پھر سے ڈھونڈ رہا ہے۔ وہ مجھے کہا

کرتے تھے آپ کے بچے مجھے ہر وقت یاد رہتے ہیں۔ میں نے دونوں کی فوٹوز اپنے سامنے رکھی ہوئی ہیں۔ آپ ہمارے چھوٹے چھوٹے کام کرنے پر بھی بہت خوش ہوتے، بہت حوصلہ افزائی اور دلجوئی کیا کرتے۔ گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے میں اپنے ابی جان کی زیادہ پیاری اور لاڈلی تھی۔ آپ ہمیشہ عزت سے ہمیں بلاتے اور آپ کا لفظ استعمال کرتے۔ میرے بچوں کے لیے ہمیشہ شہزادہ کا لفظ استعمال کرتے۔ آپ کو 3 بار اسیر راہ مولیٰ رہنے کا اعزاز ملا۔ 1990ء میں جب آپ آخری بار سینٹرل جیل گوجرانوالہ میں تھے تو اسی دوران ہماری پیاری امی جان سخت بیماری تھیں وہ اپنی زندگی کے آخری ایام گزار رہی تھیں۔ وہ وقت ہمارے لیے سخت ابتلا اور پریشانی کا تھا۔ آپ کے ان ایام اسیری کے دوران ہمارے جان سے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ہمارے بھائی ڈاکٹر سلطان احمد مبشر کو اپنے قلم مبارک سے بہت پیارا مکتوب تحریر فرمایا جس میں ابا جان سے اپنی محبت کا اظہار فرمایا اور محبت بھرا سلام اور پیار بھری عید مبارک بھیجی۔

پھر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے 3 مئی 1990ء کو ابی جان کی رہائی کے سامان فرمائے آپ کے آنے کے 18 دن بعد ہی ہماری پیاری امی جان کی وفات ہوگئی۔ اس وقت ہم چار بہنوں بھائی کی شادی نہ ہوئی تھی۔ ابی جان نے ہمیں سنبھالا اور بہت حوصلہ دیا ہم سب کو اکٹھے بیٹھا کر کہنے لگے کہ آج آپ کی امی تو نہیں لیکن اس خدا کا سایہ ہمیشہ ہم کے سر پر ہوگا جو ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے وہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑے گا اور آپ کی امی کی دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گی۔ امی جان کی وفات کے بعد پھر باوجود اپنی بے انتہا دینی مصروفیت کے آپ ہماری طرف سے کبھی غافل نہ رہے ہمیں بے انتہا پیار دیا۔ ہر طرح خیال رکھا۔ انہیں ہماری فکر رہتی اور ہر ممکن خوش رکھنے کی کوشش کرتے ان کے ساتھ گزارا ہوا ہر لمحہ شفقت اور محبت سے لبریز ہوتا ہم اپنی ساری زندگی میں دیکھتے ہیں کہ وہ راتوں کو اٹھ کر رو رو کر ہمارے لیے دعائیں کرتے اور زندگی کے آخری سانس تک ہمارے لیے ماں اور باپ دونوں کا پیار ہمارے جھولیوں میں ڈالتے رہے۔ جب ہماری شادیاں بھی ہوگئیں تب بھی جب ان کے پاس جاتے تو اتنا خوش ہوتے کہ انہیں سمجھ نہ آتی کہ وہ ہمارے لیے کیا کچھ کریں۔ ان کی تب بھی یہی کوشش ہوتی کہ وہ ہمارا ہر طرح خیال رکھیں۔ ہمارے بچوں کو مزے مزے کے قصے سناتے تحفۃً انہیں چیزیں دیتے۔ کبھی اپنی ساری فوٹوز دکھاتے کہ یہ فلاں دورہ کی ہیں اور بچے بڑے شوق سے دیکھتے۔ آپ کے ساتھ بیٹھ کر کسی بھی موضوع پر بات کرنا تو بہت مزا آتا کیونکہ ان کی گفتگو میں مزاح بھی ہوتا۔ معلومات بھی ہوتی۔ کچھ تربیتی پہلو بھی ہوتا۔ ہمارے گھر میں بھی اکثر غیر از جماعت لوگ آتے تو وہ آپ سے جماعت کے بارہ میں سوالات کرتے تو اس وقت آپ انہیں ایسے دلائل کے ساتھ جواب دیتے کہ وہ خاموش ہو جاتے۔

یہ 2005ء کی بات ہے جب میں پاکستان گئی تو مجھے میری سب بہنوں کے ساتھ ائیرپورٹ لینے آئے، ائیرپورٹ پر آپ کو سامنے پا کر میرے دل میں خوشی کی لہر دوڑ

گئی۔ دیکھتے ہی کہنے لگے کہ میری شیر بیٹی آگئی اور بچوں کو بہت پیار کیا۔ اسی دن شام کو آپ کی لاہور واہگہ بارڈر سے قادیان جلسہ پر روانگی تھی اس وقت ہم سب کے ساتھ کھانا کھایا اور بے شمار باتیں قادیان کی کرتے رہے۔ پھر ہم سب آپ کو واہگہ بارڈر پر الوداع کرنے گئے۔ آپ میرے پاکستان آنے پر خوش تھے۔ آپ مجھے اور بچوں سے کہنے لگے کہ میں جب واپس آؤں گا تو آپ کو اپنے ننھیال لے کر جاؤں گا۔ آپ جب قادیان سے واپس آئے تو جلسہ کے روح پرور مناظر کا ذکر کرتے رہے۔ جلسہ سالانہ پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے پُر معارف خطبات اور ان سے ملاقات کے ذکر بڑے دل نشین انداز میں کرتے رہتے قادیان سے جڑی ہوئی یادوں کو بھی بیان کرتے اور جن چچا کے پاس وہ قادیان میں رہ کر پڑھتے تھے۔ ان کا ذکر بھی بڑی محبت سے کرتے تھے۔ 2006ء میں ابی جان کے ساتھ میرا ایک سفر بہت یادگار رہا۔ قادیان واپسی پر آپ نے میرے اور میرے بچوں کے ساتھ اپنے غیر از جماعت ننھیال کے دو گاؤں اور اپنے قصبہ پنڈی بھٹیاں جانے کا پروگرام بنایا یہ سفر اس لیے یادگار تھا کہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ابی جان نے مجھے اور میرے بچوں کو اپنے ننھیال سے ملوایا اس سے پہلے میرے کسی بہن بھائی کو اس طرح ان کے ساتھ جانے کا موقعہ نہ ملا تھا کیونکہ ابی جان کو اپنی دینی مصروفیت کی وجہ سے بہت کم بلکہ موقع ہی نہ ملتا تھا۔ آپ بڑے شوق سے بتاتے کہ میں اپنی بیٹی اور اپنے نواسوں کو ساتھ لایا ہوں۔ اس طرح جانے کا اتفاق ہوا کہ آپ کے ننھیال والے شروع سے ہی ابی جان اور ہم سب سے بہت پیار اور احترام کرتے ہیں۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ابی جان ملنے آئے ہیں تو وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے بڑی عزت و احترام سے پیش آئے اور خوب خدمت کی وہ خوشی سے ادھر ادھر دوڑ رہے تھے انہوں نے ابی جان کے ساتھ فوٹوز بنوائی جو بہت یادگار ہیں۔ ابی جان کو بھی ان سے بہت محبت اور عقیدت تھی۔

اس سارے سفر میں آپ بہت ہشاش بشاش رہے اور مختلف قصے بھی سناتے رہے۔ ان کے ساتھ میرا اور میرے بچوں کا یہ آخری سفر تھا اس لیے یہ سفر میرے لیے بہت خوبصورت یادیں سمیٹے ہوئے ہے اس وقت تو یہی دل چاہتا کہ آپ کے ساتھ یہ سفر کبھی ختم نہ ہو۔ میں جب بھی ربوہ جاتی تو کہتے کہ بچوں کو ربوہ کی سب جگہیں دکھائیں۔ پھر میرے بھائی ہمیں ربوہ کی سب جگہیں دکھانے جاتے۔ ایک دفعہ آپ نے ہم سب کے ساتھ احمد نگر میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا باغ دکھانے کا بھی پروگرام بنایا۔ آپ کی باتوں میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کے شکر کے الفاظ بہت زیادہ ہوتے۔ 2002ء میں آپ کا آخری دورہ یورپ تھا جس میں آپ نے جلسہ سالانہ جرمنی کے موقع پر خطاب کے علاوہ فرانس، بیلجیم، سویڈن، ناروے اور ڈنمارک کے سالانہ جلسوں اور سوال و جواب کی مجالس میں شرکت کی اور آخری بار اپنے محبوب آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے آخری ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ آپ کے دورہ جرمنی کے دوران جماعت نے آپ کے ٹھہرنے کا انتظام بیت السبوح میں کیا تھا۔ میں آپ سے ملاقات کے لیے بیت السبوح گئی تو میں نے کہا ابی جان آپ چند دن میرے پاس بھی قیام کریں تو فرمانے لگے میری بیٹی آپ کو تو میری ساری زندگی کا پتہ ہے

اور اسی پیارے انداز سے سمجھانے بھی لگے کہ جماعت سے اطاعت و وفا کیا ہے اور ایک واقف زندگی کا وقف کیا تقاضا کرتا ہے؟ پھر فرمانے لگے کہ مجھے جماعت نے جہاں ٹھہرایا ہے مجھے وہیں رہنا ہے کیونکہ یہ جماعتی دورہ ہے لیکن آپ کو جماعت سے اجازت لے کر کچھ دیر کے لیے ملنے ضرور آؤں گا۔ ان سب باتوں نے میرے دل پر بہت گہرا اثر کیا اور یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی میں جماعت سے ہمیشہ والہانہ وفا اور اطاعت کا تعلق باندھے رکھا۔ لیکن بعد میں مختلف دورہ جات کے بعد جماعت کی اجازت پر آپ چند دن میرے گھر قیام کرنے آئے تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اور میری آنکھوں میں آنسو تھے کہ آج میرے پیارے ابی جان میرے ہاں تشریف لائے ہیں۔ آپ کا میرے گھر یہ چند روز قیام بہت یادگار رہا آپ کے آنے سے گھر میں برکتیں ہی برکتیں اور خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ میں آپ کے پسند کے کھانے بناتی تو بہت خوش ہوتے بے شک سادہ بھی ہوتا۔ یہاں قیام کے دوران آپ نے اپنی زندگی کے بہت سے واقعات سنائے۔ یہاں قیام کے دوران آپ کے ساتھ چھوٹا سا سیر کو پروگرام بھی بنایا یہاں پر اس طرح ساتھ رہنے کا موقع بھی ملا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں ایک دفعہ پاکستان اپنے بچوں کے ساتھ گئی تو بڑے شوق سے ایک دو دن مجھے اور میرے بچوں کو اپنے کمرے میں سلایا اور میں دیکھتی کہ سوتے سوتے وہ پہلے خدا کے فضلوں کو یاد کرتے اس کے فضل مانگتے اور پھر آنکھیں بند کر کے دعائیں پڑھتے پڑھتے سو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں چار بہنوں کے بعد جب ایک بھائی دیا تو ابی جان اور امی جان نے ان کو وقف کر دیا۔ آپ نے انہیں بہترین تعلیم و تربیت دی اور اپنے دین کے کاموں میں معاون بنایا۔ اور خدا کے فضل سے ہمارے بہت پیارے بھائی نے بھی تابعداری دکھائی۔ آپ کی بیماری کی اطلاع ملتے ہی میں اور میری بڑی بہن جو کینیڈا میں مقیم ہیں، پاکستان چلے گئے وہاں پہنچتے ہی ہم سب سے پہلے ابی جان کو ملنے طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ گئے آپ سامنے بیڈ پر لیٹے تھے بہن نے کہا کہ ابی جان دیکھیں قانتہ آپ کو ملنے آئی ہے اس وقت آپ کو ہلکی سی کمزوری تھی آپ نے فوراً گردن موڑ کر میری طرف دیکھا اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور آپ کے آنسو صاف کرنے لگی کیونکہ اپنا دل بھی انہیں دیکھ کر تکلیف میں تھا آپ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن خوراک اور سانس کی نالی وجہ سے بول نہ پاتے تھے لیکن آپ جانتے تھے کہ ان کے سب بچے ان کے پاس ہیں۔ اسی طرح آپ کی وفات سے 11 دن پہلے ہی بار بار ان کے پاس بیٹھنے اور ملنے کا موقعہ ملتا رہا پھر وہ دن بھی آپہنچا جب آپ کی طبیعت کی زیادہ خرابی کی اطلاع بھائی نے دی۔ تب ہم دوڑتے ہوئے ان کے پاس پہنچے تو یہ ان کی زندگی کے بالکل آخری لمحات تھے اپنی اس کیفیت کو شاید میں کبھی بھی بیان نہ کر سکوں کہ کیسے اپنے جان سے پیارے ابی جان کے اس قیمتی وجود کو اس گوہر نایاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھا جس وجود نے پھر کبھی نظر نہ آنا تھا۔ جس کی آواز میں شیر کی طرح گرج تھی وہ آواز اب خاموش ہوگئی تھی رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ میں 26 اگست 2009ء کو اپنی پاکیزہ روح کے ساتھ اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا

ہے کہ میرے پیارے ابی جان کو اس دنیا میں اپنے پیاروں کی قربت نصیب کرے اور ہر آن ان کے درجات کو بلند کرتا چلا جائے (آمین)۔ ہمیں اور ہماری نسلوں کو خلافت احمدیہ سے بے پایاں عشق ومحبت اخلاص ووفا کا تعلق قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے دعاؤں کے خزانے جس طرح اس دنیا میں ہمیں ملتے رہے اسی طرح آسمان سے بھی یہ خزانے ملتے رہیں آمین۔

آپ کی وفات کی خبر سنتے ہی ملک کے قرب وجوار سے ہزاروں احباب نے اپنے اس خلافت کے سچے عاشق، فدائی، مؤرخ احمدیت، حوالوں کے بادشاہ، مدیر اور عالم کو اپنی اشکبار آنکھوں سے رخصت کیا۔ اور اس بے مثل فدائی کی یادوں کو ہمارے ساتھ تازہ کیا۔ ہمارے جان سے پیارے شفیق آقا نے ابی جان کی بیماری کے دوران بہت دعائیں کیں سلام اور تیمارداری کے پیغامات بھی بھجوائے اور اپنے قلم مبارک سے ہمارے بھائی اور ہم بہنوں کو الگ الگ تعزیت کے خطوط بھی تحریر فرمائے۔

ایک عالم کی جدائی پہ ہے پُرنم آسماں
حق کی جانب جو چلا ہے چھوڑ کر بزم جہاں

تاریخ کے اوراق سجائے ہوئے رکھنا
اک دھوم حوالوں کی مچائے ہوئے رکھنا
تقریر ہو، تحریر یا تحقیق کا میدان
آتا تھا اسے رنگ جمائے ہوئے رکھنا

(مکرم عبدالصمد قریشی صاحب)

نتیجہ مقابلہ مضمون نویسی

سہ ماہی دوم 10-2009ء

سہ ماہی دوم میں 27 اضلاع کی 241 مجالس کے 3009 خدام نے حصہ لیا۔ جبکہ پہلی سہ ماہی میں 27 اضلاع کی 211 مجالس کے 2427 خدام نے حصہ لیا تھا۔

پوزیشن	نام خادم	مجلس وضلع
اول	مکرم منصور احمد صاحب	واپڈا ٹاؤن، لاہور
دوم	مکرم مبارک احمد فرخ صاحب	دارالصدر شمالی حدی، ربوہ
	مکرم میاں عبدالحئی صاحب	صدر، راولپنڈی
سوم	مکرم عبدالقیوم صاحب	منظور کالونی، کراچی
	مکرم محمد عثمان احمد صاحب	عثمان والا۔ ربوہ
چہارم	مکرم ملک نصرت احمد صاحب	بیت المبارک، شیخوپورہ
پنجم	مکرم عمر انور صاحب	چونڈہ، سیالکوٹ
ششم	مکرم مرزا مبشر احمد صاحب	حسن آباد، ملتان
ہفتم	مکرم محبوب احمد جاوید صاحب	دارالیمن شرقی احسان، ربوہ
ہشتم	مکرم شریف احمد صاحب	نبی سر روڈ، عمرکوٹ
نہم	مکرم مجیب الدین امجد صاحب	منظور کالونی، کراچی
دہم	مکرم سلطان احمد مغل صاحب	دارالنور، فیصل آباد

اس سہ ماہی میں مندرجہ ذیل اضلاع نے بالترتیب مقابلہ کے لیے اپنے اپنے اضلاع میں بھرپور محنت کی اور ٹارگٹس حاصل کیے۔ ربوہ، کراچی، سیالکوٹ، لاہور، فیصل آباد، حیدرآباد، شیخوپورہ۔

(از مہتمم تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان)

اذکروا محاسن موتاکم

اپنے وفات یافتہ لوگوں کے محاسن بیان کرو (الحدیث)

(لقمان احمد کشور)

خلافت احمدیہ صد سالہ جوبلی کے موقع پر جب ہر فرد جماعت اس خوشی کو منانے میں مصروف تھا اور اس کے لئے طے شدہ اسکیمز کے مطابق پروگرامز منعقد کر کے خلافت سے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا جا رہا تھا تو جامعہ احمدیہ ربوہ نے بھی ایک شاندار نمائش کا اہتمام کیا جو تین دن جاری رہی اور اس کا معائنہ بزرگان سلسلہ نے بھی کیا۔نمائش کے دوسرے روز حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب بھی اپنے مخصوص لباس اور انداز میں تشریف لائے۔ان بزرگ کو دیکھتے ہی ماحول میں ایک تازگی کی لہر دوڑ گئی۔محترم پرنسپل صاحب نے ان کو خوش آمدید کہا اور نمائش کے پہلے دو کمروں تک جو مخزن تبرکات اور تصاویر ہونے کے لحاظ سے خصوصی اہمیت کے حامل تھے، ساتھ آئے اور خاکسار کو حکم فرمایا کہ محترم مولوی صاحب کو معائنہ کروائیں۔حضرت مولوی صاحب کا چہرہ حسب معمول دمک رہا تھا اور بڑے پرتپاک انداز میں کمرے میں داخل ہوئے اور ہر چیز کا بغور مطالعہ کرنے لگے ہر شخص اس وقت سمجھ سکتا تھا کہ ایک تاریخ دان کس نظر سے کسی چیز کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کا احاطہ کرتا ہے۔آپ تصاویر دیکھتے جاتے اور عش عش کرتے جاتے اور بلند آواز سے اس نمائش کا اہتمام کرنے پر جامعہ کے اساتذہ کرام اور طلباء کا شکریہ ادا کرتے جاتے۔جس تصویر یا اس میں موجود شخصیت کے متعلق انہیں کوئی بات یاد آتی بتاتے جاتے۔گویا ایک تاریخ دان کے ساتھ نمائش کا اس قدر گہر اجائزہ خاکسار کے لئے بہت فائدہ مند رہا۔بعض باتوں کے متعلق تو خاکسار یہ سوچ کر کہ نہ جانے کب آئیں پھر یہ دن بہار کے ساتھ نوٹس بھی لیتا رہا۔ایک عام آدمی اتنے وقت میں شاید پوری نمائش کا جائزہ لے لیتا جتنی دیر میں انہوں نے صرف یہ دو کمرے دیکھے۔کمرے سے نکلتے ہی پھر باآواز بلند القابات کے ساتھ دعاؤں کا آغاز کیا اور ایک فقرہ کہا جو آج تک کانوں میں گونجتا ہے :واہ میاں!تم نے تو ہمیں پوری صدی کا سفران تصاویر کو دکھا کے لمحوں میں طے کروادیا۔

اس کے بعد آپ محترم پرنسپل صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی پرشوکت آواز میں کہا کہ خلافت کے لئے اس موقع پر اس سے بہتر تحفہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔میری گذارش ہے کہ آپ اس نمائش کی سی ڈیز تیار کروا کر دنیا بھر کے جامعات کو بھجوائیں اور انہیں بھی دکھائیں۔

حضرت مولوی صاحب چونکہ خود بھی اسی ادارے کے فارغ التحصیل تھے اور خلافت سے بھی بے پناہ محبت اور عقیدت تھی تو اس جذبے نے ان کے کمزور جسم میں ایک طاقت پیدا کردی تھی کہ بڑی تفصیل سے ہر کمرے کا معائنہ کیا۔

خاکسار اپنے اس مضمون میں حضرت مولوی صاحب

کی سیرت کے بیان میں ایسے مشاہدات و واقعات کا ذکر کرے گا جو مختلف احباب نے آپ کے قریب ہونے کی وجہ سے بیان فرمائے اور جن کا خلاصہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نہایت خوبصورت الفاظ میں اپنے خطبہ جمعہ 28 اگست 2009ء میں بیان فرمایا تھا۔

حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب کے ذکر خیر کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ کے آباء یعنی چچا اور والدین سے اگر بات شروع کی جائے تو ان کا بھی خدا سے ایک زندہ تعلق تھا اور یہ اسی بات کا صلہ تھا کہ پہلے آپ کے چچا اور پھر والد باوجود اپنے والد کے ظلم اور گھریلو مشکلات کے حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت میں شامل ہوگئے اور ثابت قدم رہے۔ یعنی آپ کے دادا کے تین بیٹے احمدی ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا صاحب کی والدہ محترمہ صاحب بی بی صاحبہ نے قیام پاکستان کے بعد بیعت کی مگر اس سے قبل بھی سلسلہ کو ہمیشہ عزت و احترام سے دیکھا۔ آپ اپریل 1949ء میں جب پہلی بار ربوہ کے جلسہ سالانہ کے لئے تشریف لائیں تو انہوں نے انکشاف کیا کہ خدا نے بذریعہ خواب پہلے سے ہی یہ بستی دکھادی تھی کہ یہاں مسیح موعود کا قافلہ اترے گا جو میں نے سچ مچ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا۔

(بحوالہ الفضل 9 مئی 2002 صفحہ 4)

خدا پر توکل

مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب اپنے مضمون ''مؤرخ احمدیت تاریخ کا حصہ بن گئے'' میں لکھتے ہیں: ''عزیزی سلطان احمد مبشر نے تو کم کم مگر ہمارے دوست ناصر احمد ظفر نے جو عزیزی سلطان احمد مبشر کے ماموں ہیں ہمیں اکثر بتایا کہ مولانا کو کام کے علاوہ کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کوئی بیمار ہے تو انہیں فکر نہیں ہوتی تھی کہ وہ ہسپتال کیسے جائے گا یا دوا کیسے لائے گا؟ کسی شئے کی ضرورت ہے تو وہ کیسے مہیا ہوگی؟ انہیں پورا توکل تھا کہ کسی نہ کسی طریق سے اللہ تعالیٰ وہ ضرورت پوری کردے گا۔ دفتر سے نماز کے اوقات میں اٹھنا بیت الذکر تک جانا اور بیت الذکر سے واپس دفتر تک پہنچنا یہ ان کی ساری تگاپو تھی۔'' (الفضل 26 ستمبر 2009 صفحہ 5)

محبت نبوی ﷺ

مولانا کے ذات نبوی ﷺ سے عشق سے متعلق ابن کریم صاحب کے الفضل 12 اکتوبر 2009ء کے ایک مضمون ''اک فدائی اور مخلص خادم سلسلہ محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا کچھ تذکرہ'' میں ایک واقعہ درج ہے کہ کس طرح مولانا کے اشعار میں اس کا عکس ملتا ہے۔ اس سے قبل آپ نے لکھا کہ محترم مولانا صاحب اس طرح نبی کریم ﷺ کا تذکرہ کرتے کہ دل خود بخود محبت سے واری واری ہو جاتا۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ گوندل بنکوئیٹ ہال میں ایک نکاح کے اعلان کے وقت اپنے یہ دو شعر مولانا نے سنائے جو محبت رسول میں ڈوبے ہوئے تھے:۔

ارض یثرب تیری عظمت پہ ہیں افلاک جھکے
شاہ لولاک کو سینے میں بسانے والے
اک نظر شاہدِ تشنہ کی طرف بھی آقا
آب کوثر سے بھرے جام پلانے والے

اپنے آقا کی تعمیل اور خدمت دین کا جذبہ

محترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام بیت الفضل لندن ''محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد۔ قلمی اور

لسانی خدمات'' میں تحریر کرتے ہیں:

''جب لقاء مع العرب کا بہت مقبول پروگرام ایم۔ٹی۔اے پر جاری ہوا تو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی نظر شفقت سے اس عاجز کو ساتھ بیٹھنے کا شرف ملتا رہا۔ان دنوں میں مختلف سوالوں کے جواب میں جب بھی حوالہ جات یا تاریخی مواد کی ضرورت پیش آتی تو یہ عاجز حسب ارشاد محترم مولانا صاحب کی خدمت میں فیکس ارسال کرتا تو آپ کی طرف سے بلا توقف چند گھنٹوں کے اندر اندر مطلوبہ مواد بذریعہ فیکس موصول ہو جاتا ہے جو اگلے پروگرام سے قبل حضور کے ملاحظہ کے بعد ناظرین کی خدمت میں پیش ہو جاتا۔ مجھے محترم مولانا کے رفقاء کار نے بعد ازاں بتایا کہ جب بھی آپکو اس پروگرام کے حوالہ سے فیکس ملتی تو آپ سب کام چھوڑ کر پیارے آقا کے ارشاد کی تعمیل فرماتے اور اس خدمت میں اپنے آرام کو بھی بھول جاتے۔''

(روزنامہ الفضل 2 ستمبر 2009ء)

خلیفہ وقت کی آواز پر لبیک

مکرم رانا سلطان احمد صاحب اپنے مضمون ''محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب'' میں ذکر کرتے ہیں: ''ایک روز دس یا ساڑھے دس بجے کا وقت ہوگا کہ دفتر P.S. ربوہ کی طرف سے پیغام ملا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے یاد فرمایا ہے۔ خاکسار اس وقت آپ کے دفتر میں حاضر تھا پیغام سنتے ہی آپ فوراً اٹھے اور کہنے لگے رانا صاحب باقی کام بعد میں اب دربار خلافت سے بلاوا آ گیا ہے۔ چلتے چلتے جلدی جلدی اچکن پہنتے، پگڑی اور سوٹی ہاتھ میں اور سائیکل پر سوار ہو کر دربار خلافت میں حاضر ہو جاتے۔''

(روزنامہ الفضل 19 دسمبر 2009ء)

سلسلہ سے محبت

مکرم رانا سلطان احمد صاحب اپنے مضمون ''محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب'' میں ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہیں:

''خاکسار کو تین چار بار آپ کے ہمراہ لاہور جانے کا موقعہ ملا۔ خاکسار کو آپ کی بیٹی کے گھر کا علم تھا۔ پچھلی سیٹ پر تشریف فرما تھے آگے چوک آنے لگا تو میں نے کہا کہ مولوی صاحب فلاں کا گھر آنے والا ہے وہاں تو نہیں جانا؟ تو آپ نے نہایت جوشیلی آواز میں فرمایا کہ رانا صاحب میں جماعتی دورے پر ہوں اس لئے کسی رشتہ دار کے گھر نہیں جانا۔'' (روزنامہ الفضل 19 دسمبر 2009ء)

اصل فکر خدمت دین کی ہے

مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب اپنے مضمون ''مؤرخ احمدیت تاریخ کا حصہ بن گئے'' میں لکھتے ہیں: ''عزیزی سلطان احمد مبشر ڈاکٹر بن گیا تو ہم مبارکباد دینے کو گئے۔ فرمانے لگے اس کے ڈاکٹر بن جانے سے میری بہت بڑی فکر دور ہوگئی ہے اب یہ گھر والوں کی طبی کفالت کر لیا کرے گا اور مجھے پریشان نہیں ہونا پڑے گا۔ اکلوتے ڈاکٹر بیٹے کو بھی وقف کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کی خدمت پر مستعد ہے۔ امید واثق ہے کہ اسے اپنے امی ابا کی خدمت کی خوب توفیق ملی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ناصر احمد ظفر صاحب نے بتایا کہ مولانا کی ایک بیٹی کی شادی ہوئی تو مولانا اس وقت ہندوستان کا دورہ کر رہے تھے انہیں سلسلہ کا کام زیادہ عزیز تھا۔''

(الفضل 26 ستمبر 2009 صفحہ 5)

استاد کی عزت

محترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام بیت

الفضل لندن نے ”محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد۔قلمی اورلسانی خدمات“ میں مزید تحریر فرمایا:”آپ حضرت اباجان مولانا ابو العطاء جالندھری خالد احمدیت کے قابل فخر شاگردوں میں سے تھے۔محترم مولانا صاحب اس تعلق اور نسبت کو نہ صرف ہمیشہ یاد رکھتے بلکہ بڑی ہی محبت اور شکر گزاری کے ساتھ حضرت اباجان کا ذکر فرماتے اور اسی حوالے سے اس عاجز اور خاندان کے باقی افراد سے بہت ہی عزت واکرام کے ساتھ پیش آتے۔

2004ء میں جب میں پاکستان گیا ہوا تھا تو آپ نے میری والدہ ماجدہ مرحومہ کو اور اس وقت ربوہ میں موجود سب بچوں کو اپنے ہاں دعوت طعام پر بطور خاص مدعو کیا اور بہت خوشی کا اظہار فرماتے رہے کہ میرے محسن استاد کے خاندان کے افراد یہاں میرے گھر آئے ہوئے ہیں۔“

(روزنامہ الفضل 2 ستمبر 2009ء)

استاد کی موجودگی میں مؤدب

مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب اپنے مضمون ”مؤرخ احمدیت تاریخ کا حصہ بن گئے“ میں یہ بھی لکھتے ہیں:

”سفر میں محض گپ بازی نہیں کرتے تھے نہ لطائف وظرائف سے اپنی مجلس کو نمکین بناتے تھے ہاں باتوں میں خشکی یا یبوست کا احساس نہیں ہونے دیتے تھے۔ایک دوبار ایسا بھی ہوا کہ ان کے استاد حضرت مولانا ابو العطاء صاحب بھی ہمسفر ہوئے تو نہایت ادب سے ان کی باتیں سنتے اور درمیان میں ان کی بات نہ کاٹتے۔مولانا ابو العطاء صاحب سفر کے دوران مزاح ضرور فرماتے تھے تاکہ ماحول میں تناؤ پیدا نہ ہو اور ان کے پاس بیٹھنے والے لوگ ان کی بزرگی کی وجہ سے جھجکنے نہ لگیں مگر مولانا دوست محمد شاہد صاحب کو اپنے استاد کی موجودگی میں خاموش اور بہت زیادہ مؤدب پایا۔بزرگوں کا یہی اسوہ پاس بیٹھنے والوں کو آداب سکھاتا تھا اور ہم نے بزرگوں کے پاس بیٹھ کر ہی سب کچھ سیکھا ہے۔“

(الفضل 26 ستمبر 2009 صفحہ 5)

عاجزی اور انکساری

آپ کی عاجزی اور دوسروں کی حوصلہ افزائی سے متعلق ایک واقعہ یاد آگیا جو ابن کریم صاحب کے الفضل 12 اکتوبر 2009ء میں شائع شدہ ایک مضمون ”اک فدائی اور مخلص خادم سلسلہ محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا کچھ تذکرہ“ میں شامل ہے۔انہوں نے لکھا کہ جب میں مربی سلسلہ بننے کے بعد ابتدائی سالوں میں فیلڈ میں گیا تو جب ربوہ آنا ہوتا تو مولوی صاحب کی خدمت میں دعا کے لئے بھی حاضر ہوتا تو ایک دن فرمایا ”حافظ صاحب آپ بھی ہمارے لئے دعا کیا کریں آپ کو تو ہم سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔آپ لوگ فیلڈ میں مصروف ہیں اور ہم لوگ یہاں بیٹھے رہے ہیں لہذا آپ بھی ہمارے لئے دعا کیا کریں۔“ اللہ اللہ کیسی عاجزی اور انکساری ہے۔

مکرم محمد صدیق صاحب گورداسپوری اپنے ایک مضمون بعنوان ”محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کے ساتھ کچھ یادیں، سوانحی کوائف اور قلمی وعلمی خداداد استعدادوں کا تذکرہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ میں نے آپ کے بارے میں متواتر تین خوابیں دیکھیں ایک میں دیکھا کہ آپ ہوائی جہاز اڑا رہے ہیں دوسری میں دیکھا کہ آپ کار ڈرائیو کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور کہا آؤ میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ میں بیٹھ گیا۔ آپ کار ڈرائیو کرتے ہوئے ایک بڑی عمارت کے سامنے رکے اور مجھے اتار کر اس عمارت میں داخل ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ریڈیو سٹیشن ہے اور آپ وہاں کوئی تقریر کرنے گئے ہیں۔ پھر تیسری خواب میں دیکھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی کا جلسہ سالانہ ہے اور آپ ایک جگہ کھڑے ہو کر انگریزی میں تقریر کر رہے ہیں۔ آپ نے پگڑی نہایت سلیقہ سے باندھی ہوئی ہے۔ جو عموماً ایسی نہیں ہوتی میں نے جب ان خوابوں کے بارہ میں آپ کی خدمت میں لکھا اور اظہار کیا کہ ان خوابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بلند مقام عطاء فرمائے گا اور آپ کی خدمت کو شرف قبولیت بخشے گا تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا:۔

ذرہ نوازی کے لئے سرتاپا ممنون ہوں۔

ع تیرے اس لطف کی اللہ ہی جزا دے ساقی

(روزنامہ الفضل 16 اکتوبر 2009ء)

حوالوں کی اہمیت اور قدر و قیمت

مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب اپنے مضمون "مورخ احمدیت تاریخ کا حصہ بن گئے" میں ایک واقعہ یوں لکھتے ہیں:

"مجھے یاد ہے محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی صدر نکسن سے ملاقات کے بارہ میں امریکی کاغذوں کے حوالہ سے میرا ایک مضمون جناب ثاقب زیروی کے رسالہ لاہور میں چھپا۔ مولانا دوست محمد شاہد صاحب کا فیکس آیا کہ اس مضمون میں جو انگریزی حوالہ دیا گیا ہے اس کی نقل انہیں مہیا کروں چنانچہ میں نے نہ صرف اس حوالہ کی اصل نقل انہیں بھیجی بلکہ اس کتاب کے پبلشر کا پتہ وغیرہ بھی انہیں دیا اور مولانا صاحب اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک وہ کتاب سلسلہ کی لائبریری میں پہنچ نہیں گئی اور مولانا نے میرے دئے ہوئے حوالے کی تصدیق اپنی آنکھوں سے نہیں کر لی۔ تاریخ کو محفوظ کرنے کے لئے ایسی ہی لگن اور دلسوزی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

(الفضل 26 ستمبر 2009 صفحہ 5)

حوالے سنبھالنے کی عادت

مکرم سعید احمد انور صاحب بریڈفورڈ نے بھی حضرت مولانا صاحب کا ذکر خیر کرتے ہوئے ایک مضمون میں آپ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور آپ کے بلا کا حافظہ ہونے اور حوالے کی ضرورت پڑنے پر فوراً حوالہ پیش کر دینے کے ضمن میں ذاتی دو واقعات بیان کئے ہیں جو آپ کے انسائیکلو پیڈیا ہونے کے حق میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ایک واقعہ میں انہیں اپنے دادا جان کی تاریخ بیعت مہیا ہو گئی اور دوسرے واقعہ میں پنجاب اسمبلی کے 1946ء کے انتخابات میں جماعت احمدیہ کے امیدوار کی پارٹی سے متعلق جو وضاحت درکار تھی اور جس کی تفصیل حضرت مصلح موعودؓ بھی خطبہ جمعہ 8 مارچ 1946ء میں بیان فرما چکے تھے، مہیا کر دی۔

(روزنامہ الفضل 14 ستمبر 2009ء)

تحقیق میں بلاتمیز تعاون

مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب اپنے مضمون ''مؤرخ احمدیت تاریخ کا حصہ بن گئے'' میں مزید لکھتے ہیں: ''ایک ریسرچ سکالر ربوہ آئے وہ جس موضوع پر تحقیق کر رہے تھے اس سلسلہ میں کسی عالم سے استمداد چاہتے تھے۔ ہم انہیں مولانا دوست محمد شاہد صاحب کے حوالہ کر کے کالج واپس آگئے۔ جب شام کے وقت تک وہ واپس نہ آئے تو ہم مولانا کے دفتر تاریخ احمدیت میں گئے دیکھا کہ دونوں حوالوں کی تنقیح و تحقیق میں جتے ہوئے ہیں اور دونوں میں سے کسی کو وقت کا اندازا ہی نہیں کہ کتنا وقت گزر چکا ہے۔ وہ صاحب کہنے لگے اے کاش یونیورسٹی میں مجھے کوئی ان جیسا سکالر راہنما کے طور پر میسر آجاتا تو میں کتنا خوش قسمت ہوتا۔ وہ صاحب نہ صرف پی ایچ ڈی ہوئے بلکہ دنیا کی ایک مشہور اسلامی یونیورسٹی میں استاد ہیں۔ جب تک ان سے رابطہ رہا مولانا کے تبحر علمی اور علم دوستی اور علم شناسی کے باب میں رطب اللسان رہے۔ ان کا مقالہ چھپا تو اس کے دیباچہ میں انہوں نے مولانا کا شکریہ ادا کیا اور لکھا تھا ''ایک ایسے عالم کا ازحد احسان مند ہوں کہ جس سے ایک دن کی صحبت نے اس موضوع کے سارے درو بست مجھ پر منکشف کر دئے مگر اس کی طرف سے اس کا نام لکھنے کی اجازت نہیں''۔ اس نے مولانا کی خدمت میں اپنا مقالہ بھیجا تھا شاید مولانا کے کتب خانہ میں موجود ہوگا۔ تو جناب مولانا دوست محمد شاہد صاحب کا فیضان صرف احمدیوں تک موجود نہیں تھا وہ ہر علم دوست محقق کی دل و جان سے مدد کرنے پر مستعد رہتے تھے ربوہ میں ہوتے یا ربوہ سے باہر علم کے متلاشی ان سے فیض پاتے رہتے تھے۔'' (الفضل 26 ستمبر 2009 صفحہ 5)

انسانی ہمدردی

مکرم رانا سلطان احمد صاحب نے اپنے مضمون ''محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب'' میں یہ واقعہ لکھا ہے:

''ربوہ پولیس چیک پوسٹ کے ذرا آگے ربوہ کی طرف ایک موٹر سائیکل سوار ہماری گاڑی سے آگے آگے جا رہا تھا اس نے سائیڈ سٹینڈ نہیں اٹھایا ہوا تھا کہ اچانک وہ اس کی وجہ سے گر پڑا مولانا کی نظر اس پر پڑی تو بڑے زور سے کہا اللہ فضل کرے!۔ رانا صاحب گاڑی روکیں اور ان صاحب کا پتہ کریں۔ جب میں نے گاڑی روکی آپ بھی گاڑی سے اتر کر نیچے اس کے پاس آئے اور اس کا حال دریافت کیا اور فرمانے لگے کہ کوئی فرسٹ ایڈ کی دوائی گاڑی میں ہے تو میں نے کہا کہ ہومیو پیتھک کی دوائی کا ڈبہ موجود ہے وہ لانے کو کہا اور اس میں سے اسے دوائی دی نیز فرمانے لگے کہ ہماری کسی مدد کی ضرورت تو نہیں اس نے کہا کوئی خاص چوٹ تو نہیں لگی تو فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے۔ جب تک وہ موٹر سائیکل سوار وہاں سے چلا نہیں گیا وہاں موجود رہے۔'' (روزنامہ الفضل 19 دسمبر 2009ء)

مکاتیب شاہد کی ایک جھلک

اس رسالہ کی تیاری کے سلسلہ میں ہمارے بعض بزرگان نے اپنے کچھ ذاتی خطوط بھی بھجوائے تھے جن سے مولوی صاحب کی ان سے محبت اور ان کی مولوی صاحب سے عقیدت جھلکتی ہے۔ لیکن بہر حال ان خطوط کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کی سیرت میں شکر گزاری کا پہلو کس قدر نمایاں ہے اور یہی بات ہے کہ جو بندوں کا شکریہ

ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں بنتا۔ مولوی صاحب ہر خط کا جواب دیتے اور کسی کام کے پورا ہونے پر متعلقہ دوست کا دعا کے ساتھ شکریہ ادا کرتے اور حوصلہ افزائی کرتے، چاہے وہ دعا شعر کے ایک مصرع ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو مثلاً مکرم رانا مبارک احمد صاحب (صدر حلقہ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور) کے نام ایک خط (22.11.1996) کے جواب میں یوں دعا دی:ع

ہر گام پر فرشتوں کا لشکر ہو ساتھ ساتھ

ان کو ایک دفعہ لکھا (11.7.1993) کہ آپ کی نوازش، محبت اور ارسال فرمودہ نہایت بیش قیمت علمی خزانہ کا شکریہ ادا کرنے کو الفاظ نہیں پاتا:ع

تیرے اس لطف کی اللہ ہی جزا دے ساقی

آپ کی خلافت سے عقیدت و نظام جماعت کی اطاعت اور عاجزی وانکساری کا عجیب عالم تھا کہ اپنی ذات کی حقیقت کو ہمیشہ خاک پائے خلافت سمجھا جس کی ایک جھلک رانا مبارک احمد صاحب کو لکھے ہوئے خط (20.4.1993) میں یوں ملتی ہے کہ ''حق یہ ہے کہ **کل بر کۃ من محمد ﷺ**۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ نظام امامت کے طفیل آسمانی اور زمینی برکات ہر احمدی پر بارش کی طرح نازل ہو رہے ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اپنی کم مائیگی اور بے ہنری بلکہ نالائقی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوں۔

ہوا ہے شہ کا مصاحب، پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

انہی موصوف کے نام ایک خط (10.1.2010) میں لکھا ''مبارک بادی کے لئے ممنون احسان ہوں دعا کریں کہ رب کریم مجھ ناچیز کو اپنے مفوضہ فرائض کی بجا آوری کی تادم واپسیں کی توفیق بخشے اور اپنی جناب میں محض اپنے فضل وکرم سے شرف قبولیت بخشے تا خلیفہ وقت کی چاکری کی برکت سے مقبول خدمت کا مستحق ٹھہر سکوں اور بروز حشر خدا اور مصطفیٰ کے دربار میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ (آمین)

ایک اور خط (1.2.2001) میں آپ کو لکھا ''اللہ تعالیٰ ہم سب کو محض اپنے فضل کے ساتھ خلیفہ وقت کے چاکر اور غلام کی حیثیت سے زندگی کے آخری سانس تک اپنے جملہ دینی و دنیاوی فرائض کی مقبول رنگ میں بجا آوری کی توفیق عطا کرے۔''

کھڑے ہوں روز محشر خاکساروں کی قطاروں میں
ہمارا نام بھی شامل ہو تیرے جاں نثاروں میں

اور ان کو لکھتے ہوئے بعض خطوط میں مولوی صاحب خود کو ''ناچیز'' اور ''خلافت کا چاکر'' لکھ کر صرف ''شاہد'' لکھنے پر ہی اکتفا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں اور بھی کئی احباب جن میں مکرم محمود احمد سلیم صاحب سدھو آف پسرور ضلع سیالکوٹ حال مقیم ربوہ اور مکرم بشارت اللہ مہر صاحب آف کوٹ ادو نے ہمیں اپنے ذاتی خطوط بھجوائے جن سے مولوی صاحب کی ان کو نصائح اور خلافت سے محبت اور عقیدت کا وصف نمایاں ہوتا ہے اور خصوصاً ایسے خطوط جن میں مولوی صاحب کو دعا کے لئے لکھا جاتا تو آپ کا ہمیشہ یہی جواب ہوتا کہ اس کے لائق تو صرف ایک ہی دربار ہے جس کا خود میں بھی ادنیٰ چاکر ہوں اور وہ ہے دربار خلافت۔ اس لئے دعا کے لئے ہمیشہ وہاں لکھا کریں۔

ان احباب کے ہم تہہ دل سے ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنے یہ ذاتی خطوط بھی ہمیں ارسال کیے۔

میرے پیارے ابا جان

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت کی یاد میں

(مکرمہ خالدہ منور صاحبہ اہلیہ مکرم منور احمد عباسی صاحب۔لاہور)

دنیا میں جو بھی انسان آیا ہے اس نے اپنے پیارے رب کی طرف لوٹنا ہے۔والدین جب ہم سے جدا ہوتے ہیں تو ایک بہت بڑا خلا ہماری زندگی میں پیدا ہو جاتا ہے۔اور ان کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ان کی رفاقت، شفقت، پیار اور سایہ رحمت کو بھلایا نہیں جا سکتا۔اتنا لمبا عرصہ انسان ان کے ساتھ گزارتا ہے لیکن جب وہ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے ہم ان کے ساتھ چند لمحے ہی گزار سکے ہیں۔

آخر ایسی جدائی کا وقت ہم پر بھی آ گیا۔کان اس خبر کو سننے کو تیار نہ تھے۔دل بے حد افسردہ تھا۔اور آنکھیں اشکبار تھیں۔مورخہ 26 اگست 2009ء، 3 رمضان المبارک کو ہمارے پیارے ابا جان محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت ہمیں اشکبار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔قانون قدرت کے آگے ہم بے بس تھے اور ایسے لگتا تھا کہ جیسے ہمیشہ کی طرح آج بھی اٹھیں گے اور پوچھیں گے کہ بیٹا آپ کی آنکھیں نم کیوں ہیں۔میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔بہر حال یہ تو ایک اٹل حقیقت ہے اور خدا کی رضا پر راضی رہنا پڑتا ہے۔اللہ کریم پیارے ابا جان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور اپنی رحمت کی چادر میں ان کو لپیٹ لے اور مغفرت فرمائے آمین۔

دنیا آپ کو ایک بہت اچھے مقرر اور تاریخ دان کے طور پر جانتی ہے۔آپ کے اس تعارف کے پیچھے جہاں خلفاء سلسلہ کی دعائیں شامل تھیں وہیں آپ کی محنت اور توجہ بھی۔جب آپ کوئی تقریر تیار کرتے یا اشاعت کے لیے کوئی مضمون تو اس کا بچوں کے ساتھ ذکر کیا کرتے تھے۔اور کہتے تھے کہ بیٹا آپ کو معلوم نہیں کہ ان کاموں میں کتنی محنت کرنا پڑتی ہے۔اور انسان کو ذبح ہونا پڑتا ہے۔سارے حوالوں اور مضامین کو باریک بینی سے دیکھنا پڑتا ہے۔ہر بات کو چھان پھٹک کر کہنا اور لکھنا پڑتا ہے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی یہ بات میں نے اپنے پلے باندھ لی ہے کہ اگر کوئی بات چھپنے سے رہ جائے تو وہ دوبارہ چھپ کر مکمل ہو سکتی ہے لیکن اگر غلط بات چھپ جائے تو اس کی تلافی کرنا بڑا مشکل ہے۔اس لیے میں دن رات ایک کر کے مکمل تحقیق کے ساتھ مضمون یا تقریر کو حوالہ جات کی مدد سے لکھتا ہوں۔

جن دنوں آپ کو قید میں رکھا گیا تو امی جان شدید بیمار تھیں۔ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔جب آپ گوجرانوالہ جیل سے رہا ہو کر آئے۔تو امی جان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں تو خلیفہ وقت کا ادنیٰ ترین چاکر ہوں

اوران کے پاؤں کی خاک کے ایک ذرہ کے برابر بھی نہیں ہوں۔ خاکسار کی اسیری کی خبر نے پوری دنیائے احمدیت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں کروڑوں دلوں کی دعائیں خدا تعالیٰ کے عرش پر تہلکہ مچانے کا باعث بنیں۔ خدا تعالیٰ کی نظر کرم اور خلیفۂ وقت کی دعاؤں اور کروڑوں احباب جماعت کی دعاؤں نے ہم مجبوروں کے لیے قید خانے کی سلاخوں کو موم کر دیا اور قید خانے کے پھاٹک کھل گئے۔ امی جان کی وفات، ابا جان کی رہائی کے 17 دن بعد ہوئی۔ آپ نے ہم بہنوں اور بھائی کو بتایا کہ خدا کا لاکھ شکر ہے کہ میں آپ کی والدہ کی وفات پر گھر میں موجود تھا اگر میں جیل میں ہوتا تو آپ بچوں پر اور میرے دل پر جو قیامت گزرتی اس کو بیان کرنا مشکل ہے۔ امی جان کی وفات کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ سے فرمایا کہ تمہاری خدمات میں تمہاری بیوی برابر کی شریک تھیں۔

آپ اپنی اہلیہ یعنی ہماری امی جان کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کیا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ انہوں نے تم ساری بہنوں اور بھائی کی تربیت بہت اچھے رنگ میں کی ہے۔ جب میں دیکھتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ میرے بھائی اور ہم بہنوں کو پڑھانے میں اور پھر ان کی شادیوں میں ہمارے ابا جان اور امی جان نے بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ جب بیمار تھے تو آپ بے حد دعاؤں میں مصروف رہے۔ صدقات بھی دیتے رہے۔ ان کی وفات پر شدید صدمہ سے دوچار ہوئے۔ کئی دن تک خاموش رہے اور طبیعت بہت خراب ہوگئی۔ پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس کے ارشاد پر آپ کو کچھ دنوں کے لئے اسلام آباد شفٹ کیا گیا۔

جب پیارے ابا جان 2005ء میں جلسہ سالانہ قادیان تشریف لے گئے جس سال حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز رونق افروز ہوئے تھے۔ واپس آنے کے بعد ہم سب سے جلسہ میں شمولیت کی سعادت، حضور کی عنایات اور خلافت کی برکات کا خاص ذکر کیا اور بتایا کہ بیٹا جی الحمدللہ اس عاجز کو جلسہ میں شامل ہونے اور پھر حضور انور سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی جس کا مجھے وہم بھی نہ تھا۔ حضور انور نے ازراہ شفقت مجھے تبرک بھی عطا کیا اور باوجود رش ہونے کے علیحدہ سے ملاقات کا شرف بخشا۔ پھر آپ نے ایک اہم واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انڈیا کے ہوشیار پور ٹائمز اور ہند سماچار نے ایک گھنٹہ میرا انٹرویو کرنے کے بعد اظہار عقیدت کے طور پر 500 روپے پیش کیے جو میں نے پہلی فرصت میں چندہ خدمت درویشاں میں جمع کروا دیے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 27 مئی 2008ء کو خلافت احمدیہ صد سالہ جوبلی کے موقعہ پر دنیا بھر کے احمدیوں کو کھڑا کر کے جب عظیم الشان عہد لیا اور سب نے M.T.A پر دیکھا۔ آپ نے مجھے اور میری سب بہنوں کو فون پر خلافت جوبلی کی مبارکباد دی اور فرمایا کہ ہمیشہ خدا اور اس کے رسول کی تعلیمات کے لیے اپنے آپ کو وقف رکھو اور نظام خلافت کی لڑی میں پروئے رکھو۔ اپنی اولادوں کو خلافت سے گہرا تعلق رکھنے کی تلقین

کرتے رہو اور حضرت محمد ﷺ کے جھنڈے کو تمام دنیا کے جھنڈوں سے اونچا رکھو۔ آپ نے فرمایا کہ اس موقع پر اپنے گھروں کو سجاؤ اور جشن کا سماں پیدا کرو، دعائیں کرو، نفل ادا کرو۔ آپ نے بتایا کہ میں نے تو اپنی لائبریری کو بھی سجایا ہوا ہے۔

واقف زندگی ہونے کے ناطے خدا تعالیٰ پر توکل بہت زیادہ تھا۔ دُکھ سکھ میں ہمیشہ خلیفہ وقت کی دعاؤں کا سہارا لیتے۔ صبح شروع ہوتے ہی صدقہ نکال کر دیتے۔ اور ہمیں بھی نصیحت فرماتے کہ صدقہ کیا کرو۔ دن کے آغاز میں ہی حضور انور کو خود بھی دعا کے لیے لکھا کرو اور بچوں کو بھی خط لکھوایا کرو۔ اس عادت کی وجہ سے خدا کے فضل و کرم سے اب میرے بچے خود بخود حضور انور کی خدمت میں خط لکھتے ہیں۔

جماعت کے وقت اور پیسے کی بڑی قدر کرتے تھے۔ لاہور جماعتی دورے پر آتے تو جب واپس ربوہ چلے جاتے تو پھر بتاتے کہ میں لاہور جماعتی دورے پر گیا تھا۔ دورہ کامیاب رہا۔ آپ کے پاس اس لیے نہ آسکا کیونکہ یہ جماعتی دورہ تھا سفر کا خرچ جماعت نے دیا تھا۔

جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ابا جان کو ہر معاملے میں پابند دیکھا۔ سائیکل پر نماز پڑھنے جاتے تھے۔ نمازوں کی مکمل پابندی کرتے تھے۔ (بیت) مبارک میں نماز پڑھاتے بھی رہے۔ وقت کی انتہائی پابندی کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ جو انسان وقت کی قدر نہیں کرتا اور وقت پر کام نہیں کرتا وہ لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے بھی وہ لمحہ واپس نہیں لاسکتا۔ کسی بھی پروگرام پر جانے کے لیے مقررہ وقت سے کافی دیر پہلے تیار ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ ہر کام کرنے سے قبل اس کا پلان بناتے اور آج کے کام کو کل پر نہ چھوڑتے۔ اگر کوئی شخص وقت مقرر کر کے نہ پہنچتا تو آپ نہایت افسوس کا اظہار کرتے اور کہتے کہ ان لوگوں کو وقت کے قیمتی لمحات کا ادراک نہیں ہے۔ جو ذمہ داری اٹھاتے اسے پورا کرتے۔

گھر سے روانہ ہوتے وقت اور واپسی پر اونچی آواز میں السلام علیکم کہتے۔ نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد آپ کا معمول تھا کہ بہشتی مقبرہ جاتے اور سیر کرنے بہشتی مقبرہ کی پہاڑیوں کے عقب تک چلے جاتے تھے اور واپس آکر قرآن کریم کی اونچی آواز میں تلاوت کرتے۔ چاہے سردی ہو یا گرمی ہر روز غسل کرنا ان کا معمول تھا۔ صاف ستھرے کپڑے پہنتے، خوشبو کا استعمال کرتے اور خود کو پاک صاف رکھتے تھے۔ اپنی اچکن میں عطر کی شیشی رکھتے۔

کھانے میں بے حد سادہ تھے۔ کہتے تھے کہ جو پکا ہے شکر الحمدللہ۔ مرچ اور گھی کا زیادہ استعمال پسند نہ تھا۔ آپ اپنے گلے کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ کوئی ایسی چیز استعمال نہ کرتے جس سے گلا خراب ہو۔ قہوہ پیتے تھے تا کہ گلا صاف رہے۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے اپنی آواز کا خیال رکھنا پڑتا ہے کیونکہ دینی مجالس میں تقاریر کرنی ہوتی ہیں۔ آپ نے اپنی خوراک بہت کم رکھی ہوئی تھی۔ صبح ہلکا ناشتہ کرتے جس میں انڈہ اور چائے ہوتی۔ دوپہر کو کھانا کھاتے۔ رات کو بہت ہلکی غذا ہوتی۔ سر پر تیل لگا کر رکھتے۔ شہد کا استعمال اور وٹامن کی گولیوں کا استعمال ضرور رکھتے۔

ان کی طبیعت میں سادگی پائی جاتی تھی۔ نمود و نمائش

کو ہرگز پسند نہ کرتے تھے۔ بات بڑی سادہ انداز میں اور ناپ تول کر کرتے تھے۔ اپنی ذات کے لیے کوئی خواہش نہ تھی۔ خواہش تھی تو جماعت کی خدمت، دعوت الی اللہ اور خلیفہ وقت کے ارشاد کی تکمیل کی۔

آپ کبھی دفتر کی کوئی بات گھر آ کر نہ کرتے تھے۔ بعض دفعہ امی جان نے آپ سے پوچھا کہ فلاں لجنہ دفتر کی یہ بات بتاتی ہے۔ تو آپ شدید ناراضگی کا اظہار کرتے اور کہتے کہ نہ جانے کون سے ایسے لوگ ہیں جو دفتر کی پوشیدہ باتیں گھر آ کر کرتے ہیں۔

آپ جماعت کے خلاف کوئی بات نہ سنتے تھے۔ اس کے علاوہ مقررہ موضوع پر تقریر کے دوران اگر کوئی ٹوکتا یا خلل ڈالتا تو آپ پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ لاہور کسی کے ہاں مدعو تھے۔ لجنہ بھی جمع تھیں۔ آپ نے اپنی تقریر شروع کی تو ایک لجنہ ممبر نے درمیان میں ٹوکا کہ مولانا صاحب پنڈت لیکھرام کے بارے میں کچھ بتائیں۔ آپ سخت ناراض ہوئے آپ نے کہا کہ آپ کو کیا معلوم کہ ایک تقریر کرنے کے لیے اس کی تیاری اس طرح کرنی پڑتی ہے کہ انسان کو ذبح ہونا پڑتا ہے۔ اسی ناراضگی میں خدا حافظ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ احباب نے بڑی مشکل سے ان کو روکا اور تقریر کا سلسلہ دوبارہ وہیں سے شروع ہوا۔

فون پر بڑی گرم جوشی سے سلام کرتے اور بڑے پیار سے باتیں پوچھتے پھر بتاتے کہ فلاں کتاب یا مضمون لکھ رہا ہوں۔

خلیفہ وقت کی طرف سے جو بھی خطوط آتے ان کو محفوظ رکھتے اور فائل کے اندر پرو دیتے۔ اس طرح بچوں کے خطوط بھی علیحدہ فائل میں لگاتے اور اکثر دکھایا کرتے تھے۔

آپ کا حافظہ بلا کا تھا۔ حوالہ جات، واقعات، لطائف کے علاوہ سارے عزیز و اقارب کے نام، ان کے بچوں کے نام یاد تھے۔ ہر ایک کے ساتھ بڑی محبت اور پیار سے ملتے تھے۔

آپ کی اپنی ذاتی لائبریری میں 8 ہزار سے زائد کتب موجود ہیں۔ اور بڑے قرینے سے کتب الماریوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ ہر کتاب پر Tag لگائے گئے ہیں۔ مختلف موضوعات پر کتابیں مختلف شیلفوں میں رکھی گئی ہیں۔ میں اور میرے میاں جب بھی لاہور سے ملنے کے لیے جاتے تو بڑے شوق سے ہمیں لائبریری میں نئی کتب کے اضافہ کے بارے میں تفصیل بتاتے اور کتب بھی دکھاتے۔ ہم تھوڑی دیر تک ان کی لائبریری میں رہتے۔ اس دوران وہ اپنے کام میں مصروف رہتے۔ الماریوں میں رکھی ہوئی ہر کتب کا ان کو علم ہوتا تھا۔ کتاب کا نام، جلد، نمبر اور سن اشاعت۔ جب ابا جان اندرونی ملک یا بیرون ملک سفر پر جاتے تو اپنی لائبریری کے لیے کتابیں خرید کر لاتے۔ یہ کتب اپنی تنخواہ میں سے خریدتے اور کہتے کہ بیٹا یہی میری جائیداد ہے۔ جو میری ذاتی توجہ کا مرکز ہے۔ جماعت کے علاوہ ہر فرقہ اور مسلک کی کتب میں بڑی دلچسپی لیتے تھے اور خاص طور پر خرید کر لاتے تھے۔

دوران گفتگو مخاطب کی ہر بات کا جواب بڑے احسن طریقے سے دیتے تھے تاکہ مطمئن ہو جائے۔ لائبریری میں آپ نے T.V رکھا ہوا تھا۔ کام کرنے کے ساتھ ساتھ M.T.A دیکھتے رہتے۔ بچوں کو خبریں سننے اور دیکھنے سے

احتراز کرنے کو کہتے اور فرماتے کہ اکثر خبریں ایسی آتی ہیں جو دل پر گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ بلڈ پریشر کو بڑھاتی ہیں جس سے ذہن متاثر ہوتا ہے۔ آپ نے اپنی ذاتی لائبریری میں حضرت مسیح موعودؑ اور خلفاء احمدیت کے ارشادات چسپاں کیے ہوئے تھے۔ طبیعت میں نفاست اتنی زیادہ تھی کہ لائبریری کے ہر شلف میں ایک کپڑا رکھا ہوا تھا۔ جب اس شیلف سے کوئی کتاب نکالتے تو کپڑے کے ساتھ اچھی طرح صاف کر لیتے۔

جماعت کے بزرگوں کے نام بڑے احترام سے لیا کرتے تھے۔ جب بزرگان کی اولاد میں سے کوئی ملتا تو بڑی خوشی اور احترام کے ساتھ ملتے اور کہتے کہ یہ ہمارے بزرگوں کے بچے ہیں۔

تقاریر اور دینی مجالس کے دوران یا جب اپنے بچوں کے درمیان تشریف فرما ہوتے تو جماعت کے نامور بزرگوں اور رفقائے حضرت مسیح موعودؑ کے واقعات اکثر سنایا کرتے تھے۔ اس محفل کا رنگ کچھ اور ہی ہوتا تھا۔ بات کو غور سے سنتے تھے اور بات کرتے ایسے طریقے سے تھے کہ بات دل میں اتر جاتی۔ ان مجالس کے دوران دلچسپ لطائف سے مجلس کو خوشگوار بنا دیتے اور فرماتے کہ میں دینی مجالس میں لطائف کو اس لیے جوڑتا ہوں کیونکہ اس سے حاضرین تازہ دم ہو جاتے ہیں اور میری بات کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔

قربانی کے معیار میں بے حد بڑھے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ لاہور سے چند عہدیدار آپ سے ملنے کے لیے گھر پر آئے گرمی کا موسم تھا۔ ان کو مشروب پیش کیا گیا جو ٹھنڈا نہیں تھا۔ احباب نے استفسار کی کہ مولوی صاحب آپ کے گھر ریفریجریٹر نہیں ہے! آپ نے فرمایا جی نہیں! میں ایک واقف زندگی ہوں، صابر اور شاکر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت دیا ہے جس کا میں شکر ادا نہیں کر سکتا۔ جماعت ہمیں کچھ دیتی ہی ہے ہم سے مطالبہ تو نہیں کرتی۔

اطاعت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ جب خلیفہ وقت کی طرف سے کسی حوالہ سے متعلق حکم آتا تو دنیا کے سب کام بھول جاتے حتیٰ کہ کھانے اور آرام کی پرواہ نہ کرتے اور جب تک وہ حوالہ تلاش کر کے حضور کی خدمت میں بھجوا نہ دیتے ان کو چین نہ آتا۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ جب ہم لاہور سے فون کرتے تو کہتے کہ بیٹا میں ایک ضروری حوالہ تلاش کر رہا ہوں آپ دعا کریں مل جائے اور کچھ دیر بعد فون کر لیں۔ اس وقت آپ نہایت انکساری اور عاجزی کا انداز اختیار کرتے۔

میں نے اپنے ہوش میں دیکھا ہے کہ شدید گرمی کے موسم میں جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو آپ (بیت) مبارک میں قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے۔ درس کے لیے بڑی تیاری کیا کرتے تھے۔ گرمی اتنی زیادہ ہوتی کہ روزے کی حالت میں درس دینے کے لیے جب (بیت) مبارک جاتے تو ایک رومال میں برف کا ٹکڑا باندھ کر پگڑی کے اندر رکھ لیتے تا سر ٹھنڈا رہے۔ درس بڑے جوش سے دیتے۔ کبھی بھی شکایت نہ کرتے کہ میں بول بول کر تھک گیا ہوں۔ باقاعدگی کے ساتھ روزے رکھتے۔ اونچی آواز میں تلاوت کرتے تھے۔ نماز پڑھنے، درس دینے کے لیے یا کہیں دینی مجالس میں جاتے تو سائیکل پر جاتے۔

ایک دفعہ ہمارے پڑوس میں کسی لجنہ نے اپنے بچے کو بہت بُری طرح پیٹا۔ بچے کے رونے کی آواز سن کر بڑے پریشان ہوئے کہنے لگے کتنے جاہل ہیں جو بچوں کو مارتے ہیں اسی وقت جائے نماز بچھائی اور امی جان سے اور ہمیں کہا کہ آؤ نماز پڑھیں اور ان کے لیے دعا کریں۔

دفتر کے خرچ سے چائے پینا پسند نہ فرماتے تھے۔ 11 بجے دن کے قریب امی جان چائے تیار کر کے بھجوایا کرتی تھیں۔

جب ہم چھوٹے تھے تو ہر عید کے موقع پر ہمیں عیدی اور تحائف دیا کرتے۔ ہماری شادیوں کے بعد بھی ان کا یہ معمول تھا۔ جب بھی ہم ربوہ جاتے تو بیٹیوں کے لیے لفافے تیار کر کے رکھتے تھے اور ہر ایک کا نام لکھ کر کچھ رقم اس میں ڈال دیتے تھے۔

ان کی بڑی خواہش تھی کہ میرے سارے بچے اچھی تعلیم حاصل کریں۔ خدا تعالیٰ نے ان کی خواہش کو پورا کیا۔ گھر میں آپ کا ایک خاص رعب تھا۔ آپ سے ہمیں بے حد حجاب رہتا۔ جب سکول کی فیس یا کوئی اور چیز خریدنی ہوتی تو امی جان کے ذریعہ ابا جان سے کہلایا جاتا۔ جب جماعتی دورہ پر جاتے تو واپسی پر کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز ضرور لے کر آتے۔

ہم ابا جان کے ساتھ بہشتی مقبرہ جاتے تو بہشتی مقبرہ داخل ہونے سے قبل کہتے کہ بیٹا پہلے بہشتی مقبرہ میں داخل ہونے کی دعا پڑھ لیں۔ جب قطعہ خاص میں دعا کرتے تو فرماتے کہ سورۃ فاتحہ اور درود شریف پڑھنے کے بعد فوت شدگان کے لیے دل سوزی کے ساتھ مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔ اور پھر بعد میں اپنی بخشش کے لیے بھی دعا کریں۔ پھر فرماتے کہ بیٹا موت کو ہمیشہ ہر انسان کو یاد رکھنا چاہیے۔ اس ذائقہ کو ہر انسان نے چکھنا ہے۔ لیکن بیٹا آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص موت کی کبھی آرزو نہ کرے کیونکہ اگر وہ شخص نیک ہے تو زندہ رہنے کی صورت میں زیادہ نیکیوں کی توفیق پا جائے گا اور اگر برا ہے تو ممکن ہے توبہ کا موقع میسر آ جائے۔

ابا جان نے ہم سب کی شادیاں دین دار گھرانوں میں کیں۔ خدا کے فضل سے ان کے سارے داماد مختلف جماعتی عہدوں پر دین کی خدمت بجا لا رہے ہیں اور بیٹا بھی جماعت کی خدمت کر رہا ہے اور بیٹیاں بھی جماعت کی خدمت کر رہی ہیں۔

میری بڑی بہن شاہدہ کی جب شادی ہوئی تو ابا جان گجرات کے دورہ پر تھے۔ دورے سے قبل گھر میں آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ خلیفہ وقت سے درخواست کر کے دورے کی تاریخ آگے کروا لیں۔ آپ نے فرمایا میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ خلیفہ وقت کی منظوری سے یہ پروگرام طے ہوا ہے تین اور علمائے دین جا رہے ہیں۔ یہاں پر شادی کی تقریب میں آپ سب لوگ موجود ہیں۔ آپ جب دورہ ختم کر کے واپس آئے تو رخصتی کا وقت تھا۔

دوسری بہن ناصرہ کی شادی ہوئی تو ان دنوں میں آپ کو خلیفہ وقت کی طرف سے حکم ملا کہ آپ نے بیرون ملک دورے پر جانا ہے۔ آپ نے اس ذمہ داری کو اپنے دامادوں یعنی میرے میاں میرے بڑے بہنوئی اور بیٹے کے سپرد کیا اور خود دورے پر روانہ ہو گئے۔ جب دورے سے واپس آئے تو ائیر پورٹ سے سیدھے ربوہ چلے گئے اور بیٹی کو ملنے بھی نہ گئے اور کہا کہ جماعت نے گاڑی بھیجی تھی۔ اس لیے

میں لاہور میں نہیں رک سکتا تھا۔ مناسب یہ ہے کہ میں خود اپنے خرچ پر لاہور آ کر اپنی بیٹی اور داماد سے ملوں اور پھر دوبارہ ملنے کے لیے ربوہ سے اپنے خرچ پر تشریف لائے۔

پیارے ابا جان نے امی جان کی وفات کے بعد میرا رشتہ طے کیا۔ میں ایک دن اپنے ابا جان کو دبا رہی تھی تو بڑے پیار سے اور بڑی بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ بیٹا میں نے رشتے طے کرتے وقت ہمیشہ یہ دیکھا کہ اس فیملی کا جماعت کے ساتھ تعلق کیسا ہے۔ بیٹا میں نے آپ کا رشتہ طے کرتے وقت بھی یہی دیکھا ہے۔ پیارے ابا جان نے میری شادی پر باپ اور ماں دونوں کے فرائض ادا کیے۔ ہر بیٹی کو جہیز میں کتب کے ڈبے بھر کر دیے تا کہ سلسلہ کی کتب مطالعہ میں رہیں اور اپنی اولادوں کو بھی پڑھائیں۔

قریباً 5 سال قبل ایک روز میں لجنہ کے اجلاس کے اختتام پر گھر واپس آ رہی تھی کہ راستے میں پاؤں سلپ ہونے سے ٹانگ میں فریکچر ہو گیا۔ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بے حد پریشان ہوئے۔ لاہور میرے پاس تشریف لائے۔ اور مجھے اس حالت میں دیکھا تو آنکھوں سے بے شمار آنسو جھلک پڑے۔ فرمانے لگے کہ بیٹا جب میری ٹانگ میں فریکچر ہوا تھا تو میں سائیکل پر نماز پڑھ کر آ رہا تھا کہ کسی سائیکل سوار نے میری سائیکل کو ٹکر ماردی اور آپ بھی اجلاس سے واپس آ رہی تھی۔ دونوں نیک مقصد کے لیے نکلے تھے۔ میں بے حد تکلیف میں تھا۔ لیکن اس تکلیف میں میں نے سوچا کہ خدا تعالیٰ کتنا عظیم ہے کہ اس نے مجھے کسی بڑی تکلیف سے بچانے کے لیے یہ تکلیف دی ہے۔ خدانخواستہ آنکھوں کا نقصان ہو جاتا تو بینائی ضائع ہو جاتی اور میں جماعت کی خدمت سے محروم ہو جاتا۔

وفات سے قریباً ایک سال قبل میں اور میرے میاں آپ سے ملنے کے لیے جب ربوہ گئے اور شام کو ہماری واپسی تھی تو میرے میاں کو مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ میرے دل میں شدید خواہش ہے کہ میں اپنے غیر از جماعت اعزاء سے ملنے کے لیے سانبھل جاؤں۔ سانبھل ایک گاؤں ہے جو چنیوٹ سے اگر جھنگ جائیں تو 1/2 گھنٹہ کی مسافت پر واقع ہے۔ فرمانے لگے کہ اس طرح میں ان سے مل بھی لوں گا اور جماعت کی چند کتب بھی ان کو دوں گا۔ مقصد یہ ہے کہ دعوت الی اللہ ہو جائے۔ ہم نے اپنا پروگرام ملتوی کر دیا اور اگلے روز صبح 7 بجے گاؤں سانبھل کے لیے روانہ ہوئے۔ گاؤں میں قریباً 15 گھرانے ہیں۔ جس گھرانے میں پہلے جانا تھا ان کو اطلاع کر دی گئی۔ چنیوٹ پہنچنے پر ہم ایک پھلوں کی دکان پر رکے اور سب گھرانوں کے لیے پھلوں کے علیحدہ علیحدہ لفافے تیار کروائے۔ جب ہم گاؤں سانبھل پہنچے تو وہ سب لوگ استقبال کے لیے موجود تھے۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ میزبانوں کو یہ سمجھ نہ لگ رہی تھی کہ ان کو کہاں بٹھائیں۔ کوئی کرسی لے کر آ رہا تھا اور کوئی چادر پر چادر ڈال رہا تھا، کوئی تکیے لے کر آ رہا تھا۔ ہم شام تک وہاں رہے آپ حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیمات سے ان کو روشناس کراتے رہے۔ تمام وقت علمی اور دینی موضوعات پر ہی باتیں ہوتی رہیں۔ دعوت الی اللہ جاری رہی۔ سب گھرانے ایک ہی گھر میں اکٹھے ہو گئے تھے اور ہر کوئی بضد تھا کہ ان کے ہاں چلیں لیکن وقت کی کمی کے باعث ہم نہ جا سکے۔ شام کو ہماری واپسی ہوئی۔ واپس ربوہ پہنچنے پر آپ بے حد خوش تھے اور

میرے میاں کا بار بار شکریہ ادا کرتے رہے کہ آپ نے مجھے سارے پیاروں سے ملا دیا۔

ابا جان کے کندھوں اور ہاتھوں کو دبانا ہمارا معمول تھا۔ جب میں اپنے پیارے ابا جان کے کندھوں اور ہاتھوں کو دباتی تھی تو ہاتھ اتنے نرم ہوتے تھے جیسے روئی۔ مجھے یہ خیال آتا تھا کہ ابا جان نے ساری عمر اپنے ہاتھوں سے اتنا لکھا ہے لیکن ہاتھ نہ سخت تھے اور نہ ان پر کوئی نشان تھا۔

جب کبھی بھی آپ نجی طور پر لاہور تشریف لاتے تو ہمیشہ میرے ہاں قیام کرتے تھے۔ میرے میاں کی طبیعت ان کو بے حد پسند تھی۔ وہ بھی آپ کی خدمت کیلئے تیار رہتے۔ ان کی ہر خواہش کا احترام کرتے۔ ان کو بڑا اچھا لگتا کہ ابا جان ہمارے ہاں قیام کیا ہے۔ بڑے پیار سے ہر بات کرتے شور و غل کو پسند نہ کرتے تھے۔ ہمارے گھر میں اس چیز کا بے حد خیال رکھا جاتا۔ شادی سے قبل بھی ابا جان کے کندھوں کو دبانا میرا معمول تھا۔ اور کہتے تھے کہ میرا خالد بیٹا ہی میرے کندھے اور ہاتھ دبائے گا۔ شادی کے بعد بھی جب آپ میرے ہاں قیام کرتے تو میں ان کے کندھے دبایا کرتی تھی۔ پگڑی کو مائع لگا کر دیتی تو مجھے کہتے کہ آپ نے اپنی امی جان کی یاد تازہ کر دی ہے۔ لاہور آتے تو تدوین و تالیف کی اشیاء کی آپ کو تلاش رہتی۔ کتب خریدنے کے لیے اکثر میرے میاں کو ساتھ لے کر جاتے۔ زیادہ تر اردو بازار اور دیگر مکتبہ جات جاتے۔ ربوہ سے روانہ ہونے سے قبل مختلف مکتبہ جات کی فہرستوں سے اپنی ایک لسٹ تیار کر لاتے اور بڑی پلاننگ سے کتب خریدتے۔ اس کام میں ان کو بعض دفعہ سارا سارا دن لگ جاتا۔ پھر جب کتابیں خرید کر لے آتے تو ایک میز کے اوپر ڈھیر لگا لیتے۔ اور جب تک ساری کتب ایک نظر دیکھ نہ لیتے آرام سے نہ بیٹھتے تھے۔ ہر کتاب کے شروع میں خالی صفحہ پر نوٹس لکھتے جاتے اور دس پندرہ منٹ میں ایک کتاب کو ٹٹول لیتے اور ساتھ کہتے کہ بیٹا میں تو کتاب کو سونگھ رہا ہوں آپ بھی آ کر سونگھ لیں۔

ایک مرتبہ اردو بازار جانے لگے تو میرے بیٹے حماد احمد عباسی (جو اس وقت تیسری جماعت کا طالبعلم تھا) کو ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ میں نے کہا ابا جان اس کو لے کر نہ جائیں چھوٹا ہے، بھوک لگ جائے گی اور پھر آپ ڈسٹرب ہوں گے۔ کہنے لگے کہ بیٹا میں نے اپنے نواسے سے وعدہ کیا ہے کہ ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اردو بازار پہنچ کر میرے بیٹے سے کہا کہ بیٹا میں چاہتا ہوں کہ میری طرف سے تین کتابیں آپ بھی خرید لو پیسے میں دوں گا۔ سو میرے بیٹے نے تین کتابیں پسند کیں۔ ماں کی دعا، نماز کی برکت، اللہ تعالیٰ۔

آپ نے ان کتب کی قیمت ادا کی جب گھر واپس پہنچے تو گھر میں داخل ہوتے ہی اونچی آواز میں سلام کیا اور میرے سر پر پیار دیا اور بہت خوشی سے مجھے کہا کہ بیٹا میرے نواسے حماد احمد عباسی نے کمال کر دیا ہے۔ کتب کا انتخاب بہت اعلیٰ کیا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ بیٹا میں اس لیے اپنے نواسے کو ساتھ لے کر گیا تھا کہ دیکھا جائے کہ اس کا علمی رجحان کیسا ہے۔ علمی رجحان پرکھنے کا آپ کا یہ ایک نیا انداز تھا۔ واپس ربوہ پہنچ کر لائبریری کے مددگار کارکنان کو سارا واقعہ سنایا اور کتب کے نام بھی بتائے۔

جب بھی آپ کی کوئی نئی کتاب شائع ہوتی تو اپنی بیٹیوں کو ایک ایک کاپی ضرور تحفہ بھیجتے۔ان پر ٹیگ لگاتے اور بڑے پیارے انداز میں اپنے دامادوں اور بیٹیوں کے نام لکھے ہوتے۔جب ہم مبارکباد کے لیے فون کرتے تو پوچھتے کہ کتاب کا کونسا حصہ یا واقعہ پسند آیا۔کیا پیش لفظ ٹھیک تھا۔یہ پرکھنے کے لیے کہ میری کتاب کو پڑھا بھی ہے یا نہیں۔

ایک دفعہ میرے میاں کو ایک واقعہ سنانے لگے کہ ایک صاحب میرے دفتر تشریف لائے اور کہنے لگے کہ مولانا صاحب آپ تاریخ احمدیت لکھ رہے ہیں۔جماعت کی بڑی خدمت کر رہے ہیں آپ اب کونسی جلد لکھ رہے ہیں۔آپ نے جواباً ان صاحب سے پوچھا کہ میاں آپ مجھے پہلے یہ بتائیں کہ جو چھپ چکی ہیں ان میں سے آپ نے کتنی جلدیں پڑھ لی ہیں۔اس پر وہ صاحب خاموش ہوئے اور آرام سے اٹھ کر چلے گئے۔

میں جب بھی ان کی پسند کی چیز پکاتی تو کہتے تھے کہ بیٹا آپ کو کیسے معلوم کہ مجھے یہ چیز پسند ہے۔اور ہمیشہ تعریف ہی کرتے۔

میرے بیٹے حماد احمد عباسی نے سوا پانچ سال کی عمر میں اور میری بیٹی ظل ہما عباسی نے 5 سال کی عمر میں قرآن کریم کا دور مکمل کیا تو ہر دو مواقع پر بے حد خوش ہوئے مبارکباد کے علیحدہ علیحدہ خطوط لکھے اور بچوں کو تحائف بھجوائے میرے میاں کو بھی مبارکباد دی اور فرمایا کہ بیٹا اصل تعلیم قرآن کریم کی ہی ہے۔آپ نے بچوں کو چھوٹی عمر میں ہی قرآن کریم کی تعلیم دے دی۔

مارچ 2009ء میں جب ہم ربوہ ان سے ملنے کے لیے گئے تو آپ نے اپنی نئی کتاب ''اقلیم خلافت کے تاجدار'' ہمیں دی۔لاہور آ کر کتاب پڑھی اور آپ کو مبارکباد کا فون کیا کہ ہم نے کتاب پڑھ لی ہے تو بے حد خوش ہوئے اور کہا کہ بیٹا میں نے کتاب کی شکل میں اسے اس لیے شائع کیا ہے کہ آنے والی نسلیں بھی یہ سمجھ سکیں کہ امام وقت کا کسی چاکر سے پیار اور شفقت کیسی ہوتی ہے۔اپنے ادنیٰ ترین غلاموں کے ساتھ یہ سلوک خلافت کی برکات اور اطاعت امام کے طفیل ہے۔

مئی میں پیارے ابا جان جب لاہور تشریف لائے تو میرے ہاں ہی قیام کیا۔آپ کی طبیعت اس وقت بھی ٹھیک نہ تھی۔کمزوری بہت زیادہ محسوس کر رہے تھے۔آپ اگر رات کو جاگتے تھے تو صرف جماعتی کام کی وجہ سے۔اس دفعہ میں حیران تھی کہ رات گئے تک جاگتے رہے اور باتیں کرتے رہے۔میری دوسری دو بہنیں جو لاہور میں رہتی ہیں ان کے ساتھ بیٹھ کر کافی دیر اپنے دل کی باتیں کرتے رہے۔کاش ابا جان کی یہ باتیں میں محفوظ کر لیتی۔کیا معلوم تھا کہ لاہور کا یہ ان کا آخری چکر ہے۔آپ نے بتایا کہ انہوں نے ایک مضمون بعنوان ''عالم روحانی کے لعل و جواہر'' کے سلسلہ میں ادارہ الفضل کو اتنا مواد مہیا کر دیا ہے کہ وہ ایک سال سے زائد عرصہ کی اشاعت کے لیے کافی ہے۔

6 اگست 2009ء دوپہر کو ابا جان کی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی اطلاع ملی اور پتہ چلا کہ انہیں ہسپتال داخل کرنا ہے۔یہ خبر سن کر دل گھبرا رہا تھا اور عجیب سی بے چینی تھی۔اور ایسی کیفیت تھی جو پہلے کبھی نہ تھی۔میرے میاں نے کہا کہ فوری ربوہ چلنا چاہیے۔چنانچہ ہم میاں بیوی، دو بہنوں اور

بہنوئی کے ساتھ جو لاہور میں رہتے ہیں اکٹھے ربوہ کے لیے روانہ ہوئے۔ 6 اگست کی رات کو ہم ربوہ پہنچے اور سیدھے ہسپتال گئے۔ آپ I.C.U میں تھے۔ سب نے جا کر باری باری سلام کیا۔ آپ نے بڑے پیارے انداز میں ہمارے سروں پر پیار دیا۔ ابا جان کی حالت دیکھ کر میرا دل بے حد بھرا ہوا تھا۔ ابا جان کی آنکھوں میں بے شمار آنسو تھے کہنے لگے کہ میری بیٹیاں آئی ہیں تو لگتا ہے جیسے سارا پنجاب آ گیا ہے۔

طبیعت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے بتایا کہ اب طبیعت کچھ بہتر ہے۔ ناصرہ کا خاص طور پر پوچھا کہ وہ آئی ہے کہ نہیں اس کی طبیعت کچھ دن خراب رہی تھی۔ بیڈ کے ساتھ ایک بینچ پڑا تھا آپ نے اپنے دامادوں سے کہا کہ تشریف رکھیں۔ ان کے ساتھ ہلکی پھلکی بات کی اور کہا کہ بیٹا صبر کو اور دعا کو نہیں چھوڑنا۔ پھر فرمایا کہ میں نے اپنی ساری زندگی جماعت کے لیے وقف کی ہے۔ اور میں نے جماعت کو اپنا خون تک دیا ہے۔ خدا کے فضل سے میرے دونوں ہاتھ صاف ہیں۔ میں نے کسی سے کوئی زیادتی نہیں کی اگر میرے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہے تو میں نے برداشت کی ہے۔ لیکن اس کا معاملہ میں نے خدا کے سپرد کیا ہے اور کہا کہ زندگی تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی قدرت کے آگے کوئی روک نہیں۔ میں تو خدا کی رضا پر راضی ہوں۔ جیسا وہ چاہے۔ پھر بھائی سے پوچھا کہ بیٹا ہسپتال سے واپس کب جانا ہے۔ بھائی نے بتایا کہ ایک دو ٹیسٹ ہونے ہیں اس کے بعد انشاء اللہ آپ کو گھر لے چلوں گا۔ دواؤں کی وجہ سے غنودگی تھی۔ بڑی نحیف آواز میں باتیں کرتے رہے۔ ہم کان لگا کر ان کی باتیں سنتے رہے۔ پوچھنے لگے کہ بیٹا اس وقت آپ لاہور واپس تو نہیں جا رہے۔ ہم نے کہا ابا جان صبح جائیں گے۔ اگلے دن صبح ابا جان سے ملنے I.C.U میں گئے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے پیار دیا لیکن بات زیادہ نہ کی۔ اس دن ہم واپس لاہور آ گئے۔ میری دو بہنیں جو کینیڈا اور جرمنی میں تھیں بھی ابا جان کی وفات سے قبل پہنچ گئیں تھیں۔

اگلے روز ربوہ فون کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کو طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ C.C.U شفٹ کر دیا گیا ہے۔ اور نیم بے ہوشی طاری ہے۔ ہم تینوں بہنیں، میرے میاں صاحب کے ساتھ واپس ربوہ کے لیے روانہ ہوئے۔ سیدھے ہسپتال گئے۔ ابا جان کو اس حالت میں دیکھ کر دل بے حد غمگین ہوا کیونکہ ایسی حالت میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جدائی کا وقت قریب آ چکا تھا۔ آنسو تھمتے نہ تھے۔ روزانہ کئی بار ہسپتال آپ کو دیکھنے جاتے اس امید کے ساتھ کہ ابھی آنکھیں کھولیں گے اور بات کریں گے۔ خدا کا منشاء کچھ اور ہی تھا۔ دن بدن طبیعت بگڑنے لگی۔ پیچیدگیاں بڑھنے لگیں اور طبیعت سنبھل نہ سکی۔ بالآخر آپ خدا کے حضور حاضر ہو گئے۔ ہم سب کی آنکھیں اشکبار تھیں اور دل غم سے نڈھال تھا۔ ہم شفقت پدری سے محروم ہو گئے تھے۔

میرے چچا محمد اسلم صاحب کی وفات بھی اسی دن ہوئی تقریباً ایک گھنٹہ کے وقفہ کے ساتھ۔ میرے پیارے ابا جان اور چچا جان کا جسد خاکی دیدار کے لیے دارالضیافت میں رکھا گیا۔ ربوہ اور اندرون ملک کے کئی شہروں سے ہزاروں احباب جماعت نے آپ کا آخری دیدار کیا۔ اسی دن نماز عصر کے بعد (بیت) مبارک میں جنازہ پڑھا

گیا۔ (بیت) میں ہزاروں افراد نے جنازہ پڑھا۔ حاضری اسقدر تھی کہ (بیت) مبارک کے احاطہ سے باہر بھی لوگ صفیں بنا کر کھڑے تھے۔ تدفین میں بھی ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرماتا چلا جائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آپ کا مزار بہشتی مقبرہ ربوہ میں قطعہ خاص کے سامنے والے قطعہ میں ہے۔

ہمارے پیارے امام حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کی نماز جنازہ غائب مورخہ 28 اگست 2009ء کے خطبہ جمعہ کے بعد پڑھائی اور پیارے امام نے اپنے اسی خطبہ جمعہ میں پیارے ابا جان کی خدمات کا ذکر بہت ہی پیارے اور شفقت بھرے انداز سے فرمایا۔

حضور بیماری کے دوران بھی مسلسل دعائیں کرتے رہے۔ ہمارے پیارے امام کا اپنے پیاروں کے لیے اس بے پناہ محبت اور پیار کا اظہار ہی ان پیاروں کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ میں، میرے میاں صاحب اور میری سب بہنیں اور بھائی اور ہمارے تمام اہل خانہ اپنے بہت ہی پیارے امام کی اس بے پناہ شفقت، محبت اور پیار کے اس انداز کو سلام پیش کرتے ہیں۔ اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس شفقت کے مشکور ہیں اور ہردم دعا گو ہیں کہ اللہ کریم ہمارے پیارے امام حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو صحت وتندرستی والی دراز عمر عطا فرمائے اور عالیشان کامیابیوں اور کامرانیوں کے نشان دکھلاتا چلا جائے۔ اور ہم ناچیزوں کو خلافت کی برکات سے مستفیض کرتا چلا جائے اور ''خلافت کے چاکر'' کی اولاد در اولاد کو بھی اطاعت کے اس نمونہ پر قائم رکھے جو ہمارے پیارے ابا جان نے دکھایا (آمین)۔

تجھ کو خدا نے سایۂ رحمت بنا دیا
مسرور! تجھ پہ سایۂ رحمت خدا کرے

(☆☆)

بعثت کی اصل غرض

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''میری بعثت کی اصل غرض یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کریم ﷺ کی عزت دنیا میں قائم ہو۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ میری نسبت جس قدر تعریفی کلمات اور تمجیدی باتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں یہ بھی درحقیقت آنحضرت ﷺ ہی کی طرف راجع ہیں۔ اس لئے کہ میں آپ کا ہی غلام ہوں اور آپ ہی کے مشکوٰۃ نبوت سے نور حاصل کرنے والا ہوں۔ اور مستقل طور پر ہمارا کچھ بھی نہیں اسی سبب سے میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ میں مستقل طور پر بلا استفاضہ آنحضرت ﷺ سے مامور ہوں۔ اور خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ مردود اور مخذول ہے۔ خدا تعالیٰ کی ابدی مہر لگ چکی ہے اس بات پر کہ کوئی شخص وصول الی اللہ کے دروازے سے آ نہیں سکتا بجز اتباع آنحضرت ﷺ کے''۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 215)

ایک منفرد اعزاز

حضرت مولانا صاحب کے برادر نسبتی اور داماد نے راہ مولیٰ میں جان کی قربانی دی

(مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب۔ ربوہ)

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ کے برادر نسبتی اور داماد کو خداتعالیٰ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

☆حضرت مولانا کے برادر نسبتی کا نام محمد الیاس عارف تھا جنہیں 4 جون 1974ء کو ٹیکسلا ضلع راولپنڈی میں راہ مولیٰ میں قربان کیا گیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ان کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے خطبہ جمعہ فرمودہ 18 جون 1999ء میں فرمایا:

''(راہ مولیٰ میں قربان) محمد الیاس عارف صاحب۔ آپ 10 اکتوبر 1945ء کو مکرم ماسٹر محمد ابراہیم شاد صاحب کے ہاں ''مومن'' ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے چک چھور میں حاصل کی پھر اسلامیہ کالج خانیوال سے ایف اے اور بی اے کیا۔

واقعہ کی تفصیل: 1974ء کی تحریک مخالفت میں آپ واہ کینٹ میں تھے۔ جب ٹیکسلا میں احمدیت دشمن تحریک نے شدت اختیار کی تو وہاں کرائے کے غنڈوں اور قاتلوں میں اسلحہ تقسیم کر دیا گیا اور احمدیوں کے مکانوں پر نشان لگا دیئے گئے۔ آپ کے مکان پر بھی نشان لگا دیا گیا۔ 4 جون 1974ء کو آپ نے اپنے چھوٹے بھائی محمد اسحاق ساجد صاحب کے ہمراہ اپنی بیوی بچوں کو واپس اپنے گاؤں بھیجنے کا فیصلہ کیا اور صبح سات بجے ٹیکسلا سے انہیں بس پر بٹھایا۔ خود گھر جا کر ناشتہ کیا۔ اپنی سائیکل لی۔ مکان کو تالا لگایا اور چابی مالک مکان کو دیتے ہوئے کہا کہ تین چار بجے واپس آ جاؤں گا۔ لیکن ابھی آپ گھر سے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے تک ہی پہنچے تھے کہ وہاں تین مولوی اور ایک کرائے کا قاتل گھات میں تھے۔ مولویوں نے اس کرائے کے قاتل کو اشارہ کیا۔ چنانچہ اس نے رائفل سے فائر کیا۔ گولی (...) مرحوم کے سینے میں لگی اور آپ موقع پر ہی (راہ مولیٰ میں قربان ہو گئے)۔

آپ کی تدفین اولاً چک چھور میں ہوئی پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خاص اجازت سے 1975ء میں تابوت ربوہ لایا گیا اور مقبرہ (...) میں دفن کیا گیا۔ (...) مرحوم اپنے پیچھے ایک بیٹی، ایک بیٹا اور بیوہ چھوڑ گئے۔ بیٹی کی شادی ہو چکی ہے اور بیٹا عطاء القیوم عارف آج کل آسٹریلیا میں مقیم ہے۔

(...) مرحوم کی اہلیہ ثریا بیگم بیان کرتی ہیں کہ مجھے ہمارے مالک مکان غزن خان نے بتایا کہ (...) مرحوم کی (قربانی) کے کچھ عرصہ بعد قاتل کو ایک پاگل کتے نے کاٹا جس سے وہ ذہنی توازن کھو بیٹھا اور کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ ایک ماہ بعد اس کے گھر والوں نے اسے زنجیر سے باندھ دیا۔ تین چار روز بعد وہ غضب الٰہی کا مورد ٹھہر کر اسی حالت میں مر گیا۔''

(شہدائے احمدیت، ناشر طاہر فاؤنڈیشن صفحہ 148)

☆حضرت مولانا صاحب کے داماد مکرم مبارک احمد طاہر صاحب نے 28 مئی 2010ء کو بیت النور ماڈل ٹاؤن لاہور میں راہ مولیٰ میں قربان ہوگئے۔

18 جون 2010ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ میں آپ کا ذکر فرمایا۔حضور فرماتے ہیں:

"مکرم مبارک احمد طاہر صاحب (...) ابن مکرم عبدالمجید صاحب۔(...) لاہور کے رہنے والے تھے۔ان کی دادی محترمہ قادیان کی تھیں۔ان کے والد محترم نے حضرت مصلح موعود (نوراللہ مرقدہ) کے دور خلافت میں بیعت کی۔ یہ ایک بینک میں ٹائپسٹ کے طور پر بھرتی ہوئے۔اور اس سروس کے دوران پہلے بی اے کیا پھر ایم اے کیا اور بینک کے مختلف کورسز بھی کئے۔اور بینک میں ہی ترقی کرتے کرتے اس وقت نیشنل بینک میں وائس پریذیڈینٹ کے طور پر کام کر رہے تھے۔اور سینئر پریذیڈنٹ کی پروموشن بھی ان کی Due تھی۔ بینک کے بیسٹ ایمپلائی (Best Employee) کا ان کو کیش پرائز بھی ملا۔

یہ مولانا دوست محمد شاہد مرحوم مؤرخ احمدیت کے داماد تھے۔(قربانی) کے وقت ان کی عمر 57 سال تھی۔بطور نائب قائد اور ناظم تعلیم حلقہ دارالذکر کی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔اللہ کے فضل سے موصی تھے۔سانحہ والے روز نماز جمعہ ادا کرنے کیلئے اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ (...) بیت النور ماڈل ٹاؤن میں آئے اور خود مین ہال میں پیچھے بیٹھ گئے۔ اور دونوں بیٹے دوسرے ہال میں بیٹھ گئے۔ جب دہشت گردنے اپنی کارروائی شروع کی اور مربی صاحب نے دعا کیلئے کہا تو انہوں نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنی شروع کر دی۔ دعا کے دوران ہی ایک گولی ان کے بائیں بازو میں لگی اور دوسری دل کے پاس۔جس سے موقع پر ہی (راہ مولیٰ میں قربان ہوگئے)۔

بہت ہمدرد انسان تھے۔ بینک میں اپنے لیول کے آفیسرز سے اتنی دوستی نہیں تھی جتنی کہ ان کی اپنے ماتحت ورکر (worker) سے دوستی تھی۔اپنے گھر میں نماز سنٹر بنایا ہوا تھا اور پہلی منزل صرف نماز سنٹر کیلئے ہی تعمیر کروائی تھی۔خلافت سے بہت عشق تھا۔ان کے بیٹے بیان کرتے ہیں کہ جماعتی کام سے واپس آتے ہوئے اگر رات کے تین بج جاتے تو ہمیں کچھ نہیں کہتے تھے۔لیکن اگر کسی اور کام سے ہم گھر سے باہر جاتے اور عشاء کی نماز سے لیٹ واپسی ہوتی تو بڑی ڈانٹ پڑا کرتی تھی۔ سخاوت ان کی زندگی کا ایک بڑا خلق تھا۔لوگوں کو بڑی بڑی چیزیں مفت بھی دے دیا کرتے تھے۔مربیان سلسلہ سے بہت لگاؤ ہوتا۔ان کی بہت عزت کرتے تھے اور مہمان نوازی کرتے تھے۔ جہاں بھی گھر لیا حلقے کا مرکز اور سینٹر اپنے گھر کو ہی بنانے کی کوشش کرتے تھے۔بہت ملنسار تھے۔"

(الفضل انٹرنیشنل 9 تا 15 جولائی 2010ء)

ورزش نہ کرنا بھی گناہ ہے

سیدنا حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک دوست کو سمجھا رہا ہوں کہ ورزش نہ کرنا بھی گناہ ہے مگر یوں ہم اسے گناہ نہیں کہتے لیکن ایک انسان جس کی زندگی پر لاکھوں انسانوں کی زندگی کا مدار ہو اگر وہ اپنی زندگی کی حفاظت نہیں کرتا تو وہ گناہ کرتا ہے۔"

(منہاج الطالبین۔انوار العلوم جلد 9 صفحہ 216)

میرے دادا جان

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد، مؤرخِ احمدیت

(مکرم ولید احمد صاحب ابن مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب۔ ربوہ)

میرے پیارے دادا جان حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب 26 اگست 2009ء کو بوقت اڑھائی بجے صبح طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ ربوہ، پاکستان میں وفات پا گئے۔

مجھے اپنے دادا کا کھلا ہوا چہرہ اپنی پانچ سال کی عمر سے یاد ہے۔گھر میں لائبریری بنائی ،جس کا نام ''سلطان لائبریری'' رکھا۔اس لائبریری میں 8ہزار سے زائد کتب کا ذخیرہ موجود ہے۔آپ کا لائبریری میں کام کرنے کا انداز کچھ یوں ہوتا کہ ایک طرف ٹی۔وی پر ایم۔ٹی۔اے لگا ہوتا اور دوسری طرف آپ کام میں مصروف ہوتے۔آپ کا حافظہ اتنا تیز تھا کہ آپ کو کتاب کیا !اُن کے صفحے تک یاد ہوتے تھے۔مجھے یاد ہے کہ میں رات کو جب بھی لائبریری میں جاتا تو اتنے کام میں مگن ہوتے کہ کسی کے آنے کی آواز سے بھی کام سے نظر نہیں اُٹھاتے تھے۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ 1936ء میں جب کہ آپ کی عمر 8 سال تھی، آپ اپنے وطن کو چھوڑ کر، اپنے والدین کو چھوڑ کر اور اپنے عزیزوں کو چھوڑ کر قادیان کی مقدس بستی میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔وہاں آپ نے نہ صرف تعلیم حاصل کی بلکہ اعلیٰ مقام بھی حاصل کیا۔

1948ء میں فرقان بٹالین میں خدمات بجا لانے کے دوران شیلنگ کے نتیجہ میں ایک آنکھ کی بینائی کم ہوگئی اور اس وقت سے لے کر اب تک آپ نے ایک آنکھ کے ساتھ کام کیا۔یہ محض اللہ تعالیٰ اور خلیفۂ وقت کی دعاوں کا نتیجہ تھا کہ آپ نے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔

جب بھی کسی کا فون آتا تو ایک نئے جذبے سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے۔کوئی مہمان آتا تو اُس کی خوب مہمان نوازی فرماتے۔آپ بہت محنتی تھے ،ایسے انسان بہت سالوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔آپ نے اکیلے وہ کام کیا جس کے لیے دنیا میں ادارے قائم کیے جاتے ہیں۔

خلفاء سے محبت کرنے والے تھے۔اسی طرح آپ نے خطوط کی فائلیں بنائی ہوئی تھیں جو خلفاء کی طرف سے ملتے۔آپ کو جب بھی کوئی خط موصول ہوتا اُس کو سال کے مطابق فائل میں سنبھال لیتے اور جلد جواب لکھ کر بھجواتے۔آپ نے واقفِ زندگی کا مطلب بہت ہی اچھے طریقے سے سمجھ لیا تھا اسی لیے آپ نے اس عہد کو بڑے اچھے طریقے سے مرتے دَم تک پورا فرمایا۔

آپ کو لمبا عرصہ جلسوں میں شمولیت اختیار کرنے کا موقع ملا۔آپ حوالوں کے بادشاہ اور ایک انسائیکلوپیڈیا تھے۔آپ جماعت کے چوٹی کے عالم ،دعاگو، خلافت سے گہرا تعلق رکھنے والے، وقت کے پابند اور خلیفۂ وقت کی اطاعت کرنے والے تھے۔آپ کو اسیرِ راہِ مولا بننے کا بھی اعزاز حاصل ہوا۔آپ نے 4 خلفاء کا دور دیکھا۔کیمبرج کے مشہور

بین الاقوامی ادارہ انٹرنیشنل بائیوگرافیکل سینٹر نے آپ کو Man of the Year 1992-93 کا اعزاز دیا۔ آپ کا قرآنِ مجید سے عاشقانہ تعلق تھا۔ سبز رنگ پسند فرماتے تھے، کہا کرتے تھے کہ یہ رنگ آنکھوں کے لیے اچھا ہے۔ جب آپ کی کوئی نئی تصنیف شائع ہوتی تو آپ دنیا میں پھیلے ہوئے احبابِ جماعت کو یہ بھجوانے کی بھرپور کوشش کرتے۔

مجھے ولید الملک کہہ کر، میرے بھائی کو نوید الملک کہہ کر اور میری امی جان کو ملکہ صاحبہ کہہ کر پکارتے تھے۔ میرے ابو کو ڈاکٹر بننے کے بعد ڈاکٹر صاحب کہہ کر بلاتے تھے۔ آپ نے اپنی ذاتی لائبریری میں میرے اور میرے بھائی کا بھی حصہ رکھا، جس میں ہمارے لیے معلوماتی عنوانات پر کتب موجود ہیں۔ آپ جب کوئی نئی کتاب یا جماعتی رسالہ خریدتے تو ہمیں بھی مطالعہ کرنے کے لیے دیتے۔

وفات سے چند روز قبل آپ نے پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام کو رویا میں السلام علیکم فرماتے ہوئے دیکھا۔ مولانا موصوف نے فرمایا کہ شاید یہ میری صحت یابی کی تعبیر ہو، مگر یہ تو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملنے کی تعبیر تھی۔

تمام احبابِ جماعت سے حسنِ سلوک فرماتے اور ان کے غم و خوشی میں شریک ہوتے۔ آپ ایک اچھا اخلاق رکھنے والے اور بہت پیار کرنیوالے تھے۔ اور جو دعا کے لیے عرض کرتا تھا اس کے لیے ضرور دعا کرتے۔

ایک مخلص دوست نے آپ کے دفتر جانے کے لیے گاڑی کا انتظام فرمایا تو آپ جب بھی اس گاڑی میں بیٹھتے تو ان کو دعا دیتے۔

آپ کی محنت و مشقت سے لکھی ہوئی تاریخ احمدیت کی 20 شائع شدہ جلدوں کے علاوہ آپ کی 40 سے زائد کتب شائع ہو چکی ہیں۔ آپ فرماتے تھے جب بھی کوئی پریشانی ہو تو خلیفۂ وقت کو لکھو، پھر صدقہ دو اور پھر کثرت سے درود شریف اور استغفار پڑھو۔ میرے دادا حضرت مولانا موصوف کی یہ خواہش تھی جس کا اظہار انہوں نے حضور انور سے بھی فرمایا کہ ”جب بھی انشاء اللہ خلیفۂ وقت ربوہ تشریف لائیں تو میرا شیر بیٹا ولید الملک ان کی خدمت میں پھولوں کا گلدستہ پیش کرے۔“

آپ کی غذا سادہ ہوا کرتی تھی۔ لباس صاف ستھرا ہوتا تھا۔ ہر روز خوشبو لگاتے، بالوں میں تیل لگاتے اور نہاتے۔ آپ کو صبح سیر کرنے کی عادت تھی۔

اسی سال (2009ء) میں جب میں اپنی جماعت میں اول آیا تو انہوں نے مجھے تحفہ دیا، جس کے اوپر ایک کاغذ پر آپ کے ہاتھ سے تحریر کردہ تھا:۔

> ھدیہ
> ولی عہد (CROWN PRINCE)
> کی خدمت میں درخواست دعا کے ساتھ
> شاہد 9.03.09

مضمون کے اختتام پر ایک شعر جو آپ سنایا کرتے تھے تحریر کرتا ہوں:

حبیب مولا طبیب مولا
سب کا محسن مجیب مولا

جب یہ مضمون خاکسار نے حضور انور کی خدمت میں پیش کیا تو حضور انور نے فرمایا ”.... ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دادا جان کے نیک نمونے قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ کو قابلِ فخر وجود بنائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عرفان میں برکت بخشے۔ ذہن کو روشن فرمائے۔ آپ کو نیک لائق بنائے۔ اور ماں باپ کا فرمانبردار بنائے اور دین و دنیا کی سعادتیں عطا کرے۔ آمین“

موتُ العالِم موت العالَم

(مکرم نذیر احمد خادم صاحب۔ربوہ)

مورخ احمدیت حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی وفات حسرت آیات کی خبر سنتے ہی (ہم اسی کے ہیں اور اسی کی طرف ہمارا لوٹنا ہے) پڑھتے ہوئے میری زبان پر جو دوسرے الفاظ بے اختیار جاری ہوگئے وہ یہ تھے:

موتُ العالِم موت العالَم

ایک باعمل اور صاحب کردار عالم دین جس کا سینہ و دل سلسلہ عالیہ احمدیہ اور دین متین کی خدمت ومحبت کے جذبۂ صافی سے معمور تھا، جو روزانہ کم از کم سولہ گھنٹے صرف حضرت مسیح موعودؑ اور خلافت حقہ کے مقاصد عالیہ کی تعمیل وتکمیل میں صرف کرتا، جس نے 63 سال مسلسل میدان عمل میں کمربستہ ہوکر گلشن احمدیت کی اپنی زندگی کی آخری سانس تک آبیاری کرنے کی توفیق وسعادت پائی، لاریب! اس کی موت ایک عالم کی موت ہے۔ آپ کے بظاہر ناتواں اور مختفی سے وجود میں رب جلیل وقدیر نے علم کو سانچہ عمل میں ڈھالنے کی بے پناہ قوت وصلاحیت ودیعت فرما رکھی تھی۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارشاد پر کمال حسن وخوبی سے عمل کردکھایا کہ:

بکوشیدائے جواناں تابدیں قوت شود پیدا
بہار و رونق اندر روضہ ملت شود پیدا

آپ روزانہ اپنے دفتر میں دس پندرہ افراد جتنا کام تن تنہا کرتے، جو لوگ آپ کے کام کرنے کی کیفیت اور کمیت سے واقف ہیں اور آپ کی عملی قوتوں کے نتائج پر جن کی نظر ہے وہ علیٰ وجہ البصیرت اس امر کی گواہی دیں گے کہ آپ اپنی ذات میں ایک ادارہ اور ایک انجمن تھے۔ آپ کی کارکردگی اور بیک وقت کئی مختلف النوع امور کو ہلکے پھلکے انداز میں سرانجام دیتے چلے جانے کی غیر معمولی صلاحیت کو جب خاکسار دیکھتا تو دل سے آپ کے لیے بے اختیار دعائیں نکلتیں۔ میں ربوہ میں آپ کی ملاقات کرکے واپس جاتا تو اپنے ساتھیوں اور دوستوں کو بتاتا کہ حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد تو حضرت مصلح موعود کے اس شعر کی حقیقی تصویر اور تفسیر ہیں کہ:

ہے عمل میں کامیابی موت میں ہے زندگی
جا لپٹ جا لہر سے دریا کی کچھ پروا نہ کر

خاکسار ہر ماہ دو تین بار ربوہ حاضر ہوتا اور مورخ احمدیت کے دفتر کے دروازہ پر رک کر کارکن کے ذریعہ اپنی آمد کی اطلاع اندر بھجواتا۔ حضرت مولانا موصوف ہمیشہ شفقت وذرہ نوازی فرماتے اور شرف باریابی عطا فرماتے۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الاٰخرۃ۔**

آپ کی اس خوبی سے ساری جماعت واقف ہے کہ آپ شفقت ومحبت اور پیار کا ایک سمندر تھے۔ آپ ہر ایک سے نہایت بشاشت، خندہ پیشانی اور کھلی بانہوں کے ساتھ اس انداز سے ملتے کہ دل باغ باغ ہوجاتا اور ملاقات کے

آغاز ہی میں جو ایک دو جملوں میں چند شیریں اور میٹھے بول بولتے ان سے ملاقاتی کی بہت حوصلہ افزائی ہوتی اور اس کا دل بڑا ہو جاتا۔ مجھ جیسا ناچیز اور عام سا احمدی سلسلہ عالیہ احمدیہ کو آپ جیسے بلند پایہ، ممتاز عالم دین کی طرف سے ایسی پرتپاک پذیرائی دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا کہ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حالی نے کیا خوب کہا ہے:

خاکساری اپنی کام آئی بہت
ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا

آپ کے دفتر کے ماحول کی یہ عجیب چیز ہر ملاقاتی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی کہ حضرت مولوی صاحب بیک وقت اپنے مخاطبین کی علمی پیاس بھی بجھاتے چلے جاتے ہیں، کسی مشروب وغیرہ سے تواضع اور میزبانی بھی فرماتے ہیں اور اپنے دفتر کے ساتھیوں اور رفقائے کار کو پر لطف جملوں کے ساتھ ایک کے بعد دوسرا کام بھی تفویض فرماتے ہوئے متحرک رکھتے ہیں مثلاً ”میاں! وہ فلاں کتاب لانا، اس کاغذ کی فوٹو سٹیٹ کروا لانا۔ مہمان کو اس کی ضرورت ہے۔ یہ خط فلاں صاحب کو بھجوا دینا۔ یہ فیکس کروا دینا۔ وغیرہ۔“ خاکسار کو اپنے مہمان دوستوں کی علمی تشنگی کو تسکین دینے کے لیے بارہا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کو موقع ملتا۔ دفتری امور کی سرانجام دہی کے ساتھ ساتھ آپ بڑی روانی سے مشکل ترین مسائل اور سوالات کو حل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ علم و عرفان کا ایک چشمہ آپ کے ہونٹوں سے جاری ہو رہا ہے۔ زندگی کے آخری ایام ہیں۔ 81-82 سال کی عمر ہے، بے پناہ مصروفیات کا ہجوم ہے۔ پنجگانہ نماز اور نماز تہجد بھی وقت پر ادا ہو رہی ہے اور اس قدر مسائل کے بوجھ تلے دبے ہونے کے باوجود پوری طرح مستعد اور چاق و چوبند ایک ان تھک مجاہد کی طرح علمی گتھیاں سلجھائی جا رہی ہیں۔ سلسلہ کام کے دوران دفتر کے کارکن کی راہنمائی بھی کرتے جا رہے ہیں اور پھر سے سلسلہ کلام وہیں سے شروع کر دیتے ہیں جہاں سے چھوڑا تھا۔ کبھی ایک بار بھی مجھے یاد نہیں جو یہ فرمایا ہو کہ ”ہاں تو کیا بات ہو رہی تھی؟“ ماشاءاللہ آپ کی یادداشت اور حافظہ سدا بہار تھا اور آپ بہ نفس نفیس Ever Green تھے۔

خدا کے فضل سے پندرہ صدیوں کے دینی لٹریچر اور مذہبی علوم اور کتب پر آپ کی وسیع اور گہری نظر تھی۔ آپ نے چار خلفائے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے معتمد علیہ ہونے کا شرف پایا اور چاروں خلفائے سلسلہ نے آپ کی علمی حیثیت کو عملاً شرف خوشنودی سے نوازا۔ آپ کی علمی شان اور تبحر علمی کا اظہار جس طرح آپ کی زبانی گفتگو سے ہوتا ہر چیز آپ کی تقاریر اور تحریرات سے بڑھ کر ایک خاص امتیازی شان رکھتی تھی۔

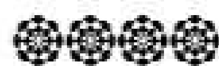
تاریخ کے اوراق سجائے ہوئے رکھنا
اک دھوم حوالوں کی مچائے ہوئے رکھنا
تحریر ہو تقریر یا تحقیق کا میداں
اسے آتا تھا رنگ جمائے ہوئے رکھنا

ہر بار آپ کی اس گفتگو کو سنتے ہوئے مجھے ہمیشہ یہی خیال آتا کہ یہ سارا فیض اور علمی فضیلت آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کی کتب اور خطبات کے مطالعہ کی بدولت اور ان مقدس وجود کی سچی اور کمال درجہ کی اطاعت و فدائیت اور محبت و عشق کی برکت سے عطا ہوئی ہے اور یہ اسی

فیض کا پرتو اور عکس ہے کہ جس کے بارہ میں اس کے حقیقی منبع ومصدر کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ

ایں چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ زبحر کمال محمدؐ است

یعنی علمی کمالات کا جو چشمۂ رواں میں مخلوق کو دے رہا ہوں یہ تو حضرت محمد ﷺ کے علمی کمالات اور روحانی فیوض وبرکات کے سمندر کا صرف ایک قطرہ ہے۔



خلافت اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کا ذریعہ ہے

حضرت مصلح موعودنور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خواہ تم کتنے عقلمند اور مدبر ہو، اپنی تدابیر اور عقلوں پر چل کر دین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ جب تک تمہاری عقلیں اور تدبیریں خلافت کے ماتحت نہ ہوں اور تم امام کے پیچھے پیچھے نہ چلو، ہرگز اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تم حاصل نہیں کر سکتے۔ پس اگر تم اللہ تعالیٰ کی نصرت چاہتے ہو تو یاد رکھو اس کا کوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ تمہارا اٹھنا بیٹھنا، کھڑا ہونا اور چلنا۔ تمہارا بولنا اور خاموش ہونا میرے ماتحت ہو۔''

(الفضل 4 ستمبر 1937ء)



مال و متاع جان و دل آپ پہ سب نثار ہے

مال و متاع جان و دل آپ پہ سب نثار ہے
میرے حضور آپ کو دین ہدیٰ سے پیار ہے

میرے حضور آپ سے روح کو زندگی ملی
میرے حضور آپ سے زندگی باوقار ہے

میرے حضور کی طرف کیسے بڑھیں نہ منزلیں
راہ وفا میں ہر قدم آپ کا استوار ہے

میرے حضور آپ سے اہل جنوں کے سر بلند
میرے حضور آپ سے دین کا اقتدار ہے

میرے حضور آپ سے آج ہے عظمتِ چمن
آج بھی یہ چمن حضور آپ سے پُر بہار ہے

میرے حضور آپ ہیں جس کے لیے کہا گیا
''اس کے نفس سے ہر اسیر قید سے رستگار ہے''

میرے حضور کا ظہور آمدِ دور خسروی
شمع یقیں میرے حضور آپ سے تابدار

آپ کی بات بات سے راز نہاں کا انکشاف
آپ کا ایک ایک لفظ موجۂ صد بہار ہے

آپ کے وار سے حضور دشمن دین جاں بلب
آپ سے جو جدا ہوئی شاخ وہ بے ثمار ہے

(مکرم عبید اللہ علیم صاحب)

ہمارے نانا جان

(عزیزم حماد احمد عباسی و عزیزہ ۔ظ ۔ہ عباسی ۔لاہور)

میرا شیر بیٹا

ہمارے نانا جان ہمیں بتاتے تھے کہ بیٹا جب تقریر کرنے ربوہ سے باہر جاتا تھا تو ساری کتابیں موضوع کے لحاظ سے ایک صندوق میں ڈال کرلے جاتا تھا۔لیکن اب زمانہ اتنی ترقی کر گیا ہے کہ اب حوالہ جات کی فوٹو کاپیاں کروائی جاتی ہیں۔ جو آسانی سے دوسری جگہ لے جاسکتا ہوں۔

آپ کا کام کرنے اور کروانے کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ ساتھ ساتھ دوسرے کی بھی تربیت کرتے جاتے تھے کہ کس طرح کتابیں صاف رکھتی ہیں۔ان کو پڑھنے کا کیا طریق ہوتا ہے۔ اگر کوئی آپ کو کتاب کا تحفہ پیش کرتا تو آپ خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ مجھے جماعت کی تائید میں کوئی ایک ورق بھی لاکر دیتا ہے تو ہیرے جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے۔

پیارے نانا جان کے ساتھ کافی سفر کیے۔ سفر میں پرجوش آواز اور انداز ایسا ہوتا تھا کہ دوران سفر دعوت الی اللہ بھی کرتے۔ ہنسنے والے واقعات بھی سناتے کہ سفر بور نہیں لگتا تھا۔ میں جب بھی نانا جان کو خط لکھتا تو جواب میں مثبت دعائیں دیتے اور اس کے علاوہ اس میں کوئی علمی بات ہوتی یا حضرت مسیح موعودؑ کے اشعار ہوتے تا کہ پڑھنے والے کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہو۔

نانا جان جب لاہور آتے تو میں ان کے ساتھ اکثر اردو بازار جاتا میں دیکھتا تھا کہ نانا جان کتنی محنت سے ایک دکان سے دوسری دکان پر جا کر کتابیں خریدتے۔

آپ صاف ستھرے کپڑے پسند کرتے تھے۔خاص طور پر اچکن اور پگڑی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بچوں کو تو پگڑی کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے کہ خراب نہ ہو۔آپ کو خوشبو بے حد پسند تھی۔

ایک دفعہ ہم نانا جان کو ملنے گئے تو میں نے نانا جان کو کہا کہ میرے پیارے دادا جان اور میری دادی جان آپ کو سلام اور دعا کے لیے درخواست کر رہے ہیں تو کہنے لگے بیٹا میری طرف سے محبت بھرا اسلام کہیے گا اور دعا کے لیے کہنا ہو تو حضور کو لکھیں میں تو ایک ادنیٰ سا غلام ہوں۔ اور ساتھ ہی میرے دادا جان کے لیے عطر کا تحفہ دیا۔

آپ بچوں سے بے حد پیار کرتے۔ ان کو تحفہ دینا، مجھے خاص طور پر کتابوں کا تحفہ دینا آپ کو بہت پسند تھا۔ جب ہم آخری دفعہ نانا جان کو لائبریری میں ملے تو آپ نے مجھے حضرت عائشہ صدیقہؓ، سیرت حضرت مسیح موعودؑ، واقعات شیریں، پیارے رسول اللہ ﷺ کی پیاری باتیں، کرنہ کر جیسی خوبصورت کتب دیں جو میں نے الحمدللہ پڑھ کر نانا جان کو بذریعہ فون بتایا تو بہت خوش ہوئے۔

مجھے ہمیشہ یہ کہتے کہ یہ میرا شیر بیٹا ہے۔انجینئر بنے گا۔ نانا جان نے مجھے ایک اپنی کتاب جو ابھی شائع ہوئی تھی "اقلیم خلافت کے تاجدار" دی اور کہا کہ بیٹا آپ نے خود بھی پڑھنی ہے اور دوسرے بچوں کو بھی دینی ہے تا کہ آپ اپنے

بزرگوں کے واقعات پڑھو اور دیکھو کہ خلافت کے ساتھ وابستہ رہنے سے خلیفہ وقت کو کتنی محبت ہوتی ہے اپنے غلاموں سے۔ بار بار ان واقعات کو پڑھتا کہ آپ کا ایمان تازہ ہو۔

خدا تعالیٰ ہمیں نانا جان کی نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دیتا چلا جائے۔ آمین

میری بیٹی اور شہزادی

نانا جان ہمیشہ مجھے میری بیٹی اور شہزادی کہہ کر پکارتے تھے اور تاکید کرتے کہ بیٹا جی بڑا اور نیک انسان بننا۔ مجھے بچپن سے ہی پینٹنگ کا بہت شوق ہے۔ جس وجہ سے مجھے ڈرائینگ کے مختلف مقابلہ جات میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ میں نے 2 مقابلوں میں حصہ لیا اور دونوں بار انعام جیتا۔ مجھے سکول کی طرف سے بھی انعام ملا اور میری ڈرائینگ ایک میگزین میں آئی۔

میں نے وہ میگزین اور انعام نانا کو دکھایا تو آپ بہت خوش ہوئے۔ اسی وقت آپ نے میگزین اپنی ذاتی لائبریری میں محفوظ کرلیا۔ پھر جب بھی نانا جان کو ملنے جاتی تو پوچھتے تھے کہ کوئی اور اپنی پینٹنگ بنائی یا نہیں۔ ہمیشہ دعا دیتے اور تحفہ میں کتاب دیتے۔

ہمارے نانا جان بہت مہمان نواز تھے۔ جب ہم ان کو ملنے جاتے تو شیزان جوس پیش کرتے اور ساتھ ہمیں لفافوں میں بند کرکے کچھ پیسے بھی پیار سے دیتے۔

ہماری ماما اور پاپا کو کہتے تھے کہ بیٹا بچوں کا خاص طور پر خیال رکھنا ہے۔ یہ بچے ہمارا مستقبل ہیں اور یہ خوش قسمت ہیں کہ ان کی زندگی میں احمدیت کا بڑا عروج ہو چکا ہوگا۔ آج کے یہ بچے کل کو بڑی بڑی جماعتی ذمہ داریاں نبھانے والے ہیں خدا تعالیٰ ان کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رکھے۔ آمین

پیارے نانا جان کو لکھنے اور بولنے کا ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔

جب ہم سارے اکٹھے ہوتے تو اس محفل کا رنگ خاص طور پر روحانی قسم کا ہوتا تھا۔ اس میں آپ خلفاء سلسلہ کی نصائح، بزرگوں کے واقعات، 74ء کی اسمبلی کے واقعات سناتے۔ ہم سب خاموشی کے ساتھ آپ کی باتیں سنتے تھے۔

آپ ہمیں نصیحت کرتے تھے کہ بیٹا جب کوئی آپ کو خط لکھے تو فوراً اس کا جواب دو یہ آپ پر ایک قرض ہوتا ہے جو بعد میں فرض بن جاتا ہے۔

نانا جان ہمیشہ دن کا آغاز دعا سے کرتے تھے۔ ہمیشہ کہتے دن نماز، قرآن اور دعا کے ساتھ شروع کرو گے تو سارا دن خدا تعالیٰ آپ پر اپنا فضل کرتا رہے گا اور فرشتوں کے لشکر آپ کے ساتھ ہوں گے۔

آپ بچوں کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے۔ ہر بات میں راہنمائی کرتے اور ہمیشہ نصیحت کرتے کہ بیٹا ایک ایک منٹ کی قدر کرتے رہو۔

خدا تعالیٰ ہمارے پیارے نانا جان کو جنت میں جگہ دے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین



پیارے ابا جان۔بحیثیت ایک مثالی سُسر

(مکرمہ سائرہ سلطان صاحبہ زوجہ مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب۔ربوہ)

ناز اس پر احمدیت کو رہے گا اس طرح
جس طرح اس کو جماعت پر ہمیشہ مان تھا
فائدہ ہر پل جماعت کا رہا پیش نظر
اپنے ہر سود و زیاں سے وہ غنی، انجان تھا

(ا۔ع۔ملک)

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو بطور مؤرخ، محقق، خطیب، جید عالم دین، دانش ور اور شعلہ بیان مقرر اور عالمِ دین کے طور پر تو دنیا جانتی ہے۔لیکن آج انکی سیرت کے جس پہلو پر مَیں روشنی ڈالوں گی وہ آج تک دنیا کی نظروں سے اوجھل رہا ہے۔

''پیارے ابا جان'' میرے لیے ایک مثالی سُسر تھے۔میری بہت خوش قسمتی ہے کہ خدا نے مجھے انکی بہو بنایا، اٹھارہ سال انکے پاس رہنے، دن رات سیکھنے اور انکی خدمت کا موقع ملا۔الحمدللہ ثم الحمدللہ۔بے شک میں انکی بہو ہوں لیکن وہ مجھے اپنی ''بیٹی'' ہی کہہ کر پکارتے تھے۔اور میری بے پناہ عزت کرتے تھے۔میرے سَر پر ہاتھ رکھ کر فرماتے کہ میں آپ کو خدا اور رسول کے سامنے بیٹی بنا کر لایا ہوں۔اس لیے آپ کا مان کبھی نہیں توڑوں گا۔اور یہ عہد انہوں نے مرتے دم تک نبھایا۔

ایک شفیق باپ کی حیثیت سے ہمیشہ مجھے اور میرے بچوں کو بے حد پیار سے رکھا۔اور اکرموا اولادکم کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے ہمیشہ ہماری عزت کی۔ابا جان کی کس کس خوبی کا تذکرہ کروں؟انکی بشاشت، زندہ دلی اور محبت کی حسین یادیں بیان سے باہر ہیں۔ہر ایک سے خلوصِ دل سے ملنا، مسکرانا اُن کا خاص وصف تھا۔عاجزی اور انکساری اس قدر تھی کہ میں شرمندہ ہو جاتی تھی۔ہر معاملے میں حوصلہ افزائی فرماتے۔تعریف کرتے۔انکی شخصیت میں شکر گزاری کا نمایاں پہلو تھا۔اچھا کھانا بناتی تو انعام دیتے، بے انتہا خوش ہوتے۔فرماتے ''آج تو دال، گوشت سے بھی زیادہ مزے دار بنی ہے''۔ہر وقت میری دلداری اور دلجوئی کی۔

ہمیشہ کہتے کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفقاء کی اولاد میں سے ہیں۔میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔چھوٹی چھوٹی بات پر جزاک اللہ، جزاک اللہ کہتے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی بلند آواز سے السلام علیکم کہتے۔پھر مشروب پی کر تازہ دَم ہو جاتے۔اخبار کا مطالعہ کرتے۔پھر کھانا کھا کر آرام فرماتے۔شام کو پہلے تو خلافت لائبریری میں اپنے دفتر دوبارہ جاتے تھے لیکن پھر اپنی ذاتی لائبریری میں رات گئے تک کام کرتے۔

بے حد مہمان نواز تھے۔اکثر اندرون اور بیرون ملک سے لوگ ملاقات کے لیے یا دعا کی غرض سے تشریف لاتے تو انکی موسم کے لحاظ سے تواضع فرماتے۔اگر کوئی مہمان پوچھتا کہ اس سال جلسہ سالانہ پر انگلستان تشریف لائیں گے؟ تو سنجیدہ ہو جاتے اور فرماتے کہ ''میں احمدیت کا ایک

اونیٰ سپاہی ہوں اور اگر سپاہی اپنے کمانڈر کی اجازت کے بغیر کہیں چلا جاتا ہے تو اس کا کورٹ مارشل ہو جاتا ہے‘‘ پس جب خلیفۂ وقت فرمائیں گے تو میں انشاء اللہ ضرور جاؤں گا۔

میرے بچوں سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ فرصت کے اوقات میں مختلف لطائف سے پورے گھر کا ماحول خوش گوار بنا دیتے تھے۔ اکثر ان سے انگریزی میں پوچھتے ’’How are you?‘‘ پھر قہقہہ لگا کر ہنستے۔ بچے بھی ہنس پڑتے تھے۔ ٹی وی لاؤنج میں تشریف لا کر فرماتے تھے کہ قہقہہ لگانا چاہیے اس سے خون گردش کرتا ہے۔ بچوں کے امتحانات شروع ہوتے ہی میں دعا کرنے کو کہتی تو مسکرا کر فرماتے ’’میرا بیٹا، میں دعا کر رہا ہوں‘‘ اور اکثر فرماتے تھے:

ہر گام پر فرشتوں کا لشکر ہو ساتھ ساتھ
ہر ملک میں تمہاری حفاظت خدا کرے

جب تک صحت ٹھیک تھی ہمارے ساتھ لاہور، اسلام آباد، راولپنڈی اور مری سیر کی غرض سے بھی گئے۔ بہت لطف اٹھاتے اور فرماتے کہ میں یہاں سے آکسیجن لے کر جا رہا ہوں، تا کہ ربوہ میں کام آسکے۔

اگر حلقہ میں کسی جلسے یا اجلاس میں میری تقریر ہوتی تو میں ابا جان سے مدد لیتی۔ آپ مجھے حوالے بتاتے، شعر بتاتے۔ انعام لے کر آتی تو خوش ہو کر ’’مبارک سو مبارک‘‘ کے الفاظ دوہراتے۔ بچے اطفال کے پروگرامز میں انعام لے کر آتے تو بے حد خوش ہوتے اور اپنی ذاتی چیزیں بطور انعام پیش کرتے۔ (جنہیں میرے بچوں نے بہت پیار سے سنبھال کر رکھا ہوا ہے)۔

22 ستمبر 1991ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ازراہِ شفقت میرے نکاح کا اعلان کرتے ہوئے ابا جان کا غیر معمولی ذکر فرمایا۔

جب تک صحت بحال رہی (بیت) مبارک ربوہ میں نماز باجماعت ادا کرتے۔ جمعہ کی نماز کا خاص اہتمام کرتے۔ نہا دھو کر اچکن، عمدہ پگڑی زیب تن کرتے۔ بچوں اور ڈاکٹر صاحب کے ساتھ (بیت) اقصیٰ نماز کی ادائیگی کے لیے جاتے۔

عید کے دن بہت خوش ہوتے۔ میٹھی چیز کو پسند کرتے۔ عید سے کچھ دن پہلے ہی مجھے اور بچوں کو عیدی دے دیتے۔ 28 مئی 2008ء کو جب صد سالہ یوم خلافت تھا فرمانے لگے کہ آج تو حقیقی عید ہے، یادگار تصاویر بنوائیں۔ جو ابا جان کی یاد میں ہمارے گھر میں آویزاں ہیں۔ وقت کی پابندی فرماتے تھے اور جب میں ان کے ساتھ ان کے اوقات کا خیال رکھتی تو بہت ہی خوش ہوتے تھے۔

جنوری 2000ء میں سائیکل سے گر گئے۔ کولہے کا آپریشن ہوا۔ پہلے ویل چیئر اور پھر واکر سے نئی زندگی کا آغاز کیا۔ اور خدا نے اپنے فضل سے صحت دی اور مزید 9 سال احمدیت کی خدمت کی توفیق پائی۔ جب بھی خلیفہ وقت کی طرف سے کوئی ارشاد آتا تو سب کام چھوڑ کر اسکی تعمیل کرتے اور جب فارغ ہو جاتے تو پھر اگلا کام شروع کرتے۔

میرے میاں جب یورپ یا جلسہ سالانہ کے لیے یا میڈیکل کانفرنس کے لیے ملک سے باہر تشریف لے جاتے تو ابا جان میرے کمرے میں آکر آیۃ الکرسی اور درود شریف پڑھ کر پھونکتے اور ہمیشہ کہتے کہ ڈاکٹر صاحب بیرون ملک

گئے ہیں۔لیکن مجھے کوئی فکر نہیں کیونکہ آپ اور بچے ہمیشہ میرے پاس رہتے ہیں اور میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔

میرے بڑے بیٹے نوید احمد نے ڈرائیونگ سیکھی تو بہت ہی خوش ہوئے اور اسکے ساتھ بیٹھ کر گئے اور بہت سی دعاؤں سے نوازا۔عزیزم کا میٹرک کا رزلٹ آنے والا تھا۔ ہم سب راولپنڈی سے واپس آرہے تھے تو ابا جان گھر کے گیراج میں بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔دیکھتے ہی فرمایا ''میرے شیر کا رزلٹ کیا رہا؟؟'' ڈاکٹر صاحب کے رزلٹ بتانے پر فرمایا۔''زندہ باد'' اور عزیزم کو گلے سے لگا کر اس کا منہ چوما۔فوراً انعام سے نوازا۔پھر فرمایا کہ دفتر والوں کے لیے علیحدہ مٹھائی چاہیے۔

میرے دونوں بچوں کی پیدائش سے پہلے مجھے ڈھیروں دعائیں لکھ کر دیں۔دعا،صدقہ،اور درود شریف پڑھنے کی بہت زیادہ تلقین کرتے۔دونوں بچوں کو گھٹی دی اور کان میں (نداء) دی۔

اپریل 2003ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی اچانک وفات پر ابا جان شاک اور ڈپریشن کی کیفیت میں چلے گئے۔پھر بغرضِ علاج اور تبدیلی آب وہوا اسلام آباد میں بھی مقیم رہے۔پچھلے سال موسم سرما میں مجھے کھانسی کی تکلیف ہوگئی۔چونکہ میرا اور ابا جان کا بیڈروم ساتھ ساتھ ہے،کھانسی کی آواز سن کر فرمایا کہ ''بیٹی! آپ کھانستی ہیں۔لیکن تکلیف مجھے ہوتی ہے۔کیا ڈاکٹر صاحب دوائی نہیں دیتے؟'' پھر ایک رومال پر بہت سی دعائیں پڑھ کر دیں۔اور خدا کے فضل اور آپ کی دعاؤں سے مَیں صحت یاب ہوگئی۔

ویسے تو ہم بہت کم کم،ابا جان کو چھوڑ کر دوسرے شہر جاتے۔لیکن کبھی بحالتِ مجبوری جانا پڑتا تو ہمارے نکلتے ہی خادم کو فرمانے لگے کہ ''دعا کریں میرے بچے جلد واپس آجائیں۔میں بہت اُداس ہوں''۔

جانے سے پہلے مَیں پوچھتی کہ ابا جان آپ کے لئے کیا لاؤں؟ تو فرماتے کوئی نئی کتاب چھپی ہو تو ضرور لائیں۔ کتابوں سے بے انتہا محبت تھی۔ہمیشہ کتاب کا ہی تحفہ دیتے تھے۔مَیں نے بھی ان کو دیکھا تو لکھتے یا پڑھتے ہی دیکھا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ''یہ کتب ہی میرا خزانہ ہیں''۔

محترمہ نسیم سعید صاحبہ آف لاہور کو جب بھی خط لکھتے میرا ذکر کرتے اور مجھے ''ملکہ'' کہہ کر بلاتے اور لکھتے۔اللہ تعالیٰ نے نیا گھر دیا تو بہت دعائیں کیں۔سجدۂ شکر ادا کرنے کے بعد گھر میں تشریف لائے۔گھر میں کوئی بھی نئی اور عمدہ چیز دیکھتے تو بہت خوش ہوتے،سراہتے۔اکثر کمرے کی سیٹنگ بھی بدلتے۔

ہمارے ساتھ کئی مرتبہ حضور کے باغ اور بیوت الحمد پارک میں پکنک منانے بھی گئے جہاں ابا جان خوب لطف اندوز ہوتے۔

وفات سے تقریباً ایک سال قبل،1974ء کے حالات خصوصاً اسمبلی کے واقعات پر مشتمل پروگرام نہایت جوش وخروش سے ریکارڈ کروایا۔ریکارڈنگ کی تیاری میں بعض اوقات پورا پورا دن لگ جاتا۔لیکن ابا جان نہایت بشاشت اور جوش کے ساتھ تیاری کرتے۔میرے میاں کے ساتھ discuss کرتے اور پھر ریکارڈنگ کراتے۔اکثر

اوقات ہمیں تاریخ کے واقعات سناتے کہ نئی نسل کو بھی ان حقائق کا علم ہونا چاہیے۔

7 اگست کو بیماری کا حملہ ہوا۔ بظاہر تو صرف بخار اور گھبراہٹ تھی۔ چند دنوں سے اعصابی کمزوری محسوس کر رہے تھے۔لیکن جب فضل عمر ہسپتال لے کر گئے تو نمونیہ بھی تشخیص ہوا۔علاج شروع ہوا۔لیکن اگلے دن ہی طبیعت زیادہ خراب ہونے پر طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ شفٹ کر دیا گیا۔ بیماری کے دوران جب تک ابھی Ventilator نہیں لگا تھا تو بار بار عزیزم نوید اور ولید کا پوچھتے۔جب بچے آتے تو ان کی آنکھوں میں ایک دم چمک آجاتی۔

خدا نے بچوں کو بھی دادا کی خدمت کی خوب توفیق دی۔ میرا چھوٹا بیٹا تو 20 دن تک ہسپتال میں رہا۔گھر میں ہی نہیں آیا۔انہی دنوں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی والدہ بھی علاج کی غرض سے داخل تھیں،تو محترمہ صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ نے فرمایا کہ میں ولید کو دیکھ کر سوچتی ہوں کہ یہ بچہ کون ہے؟ جو دن رات اپنے دادا کے پاس رہتا ہے۔لیکن اس کی وجہ صرف اور صرف دادا کی محبت تھی۔آخر خدا کی تقدیر غالب آئی اور 26 اگست 2009ء کو یہ قیمتی وجود ہم سے جدا ہوا۔

ہو فضل تیرا یا رب، یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

وفات کے بعد حضور انور نے ابا جان کا نہایت ہی پیارے الفاظ میں ذکر خیر فرمایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابا جان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے،ہمیں ان کی دعاؤں کا وارث بنائے اور انکی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

رپورٹ کارگزاری سالانہ سپورٹس ریلی

مجلس ریونیو سوسائٹی ضلع لاہور منعقدہ 4 اپریل 2010ء

یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل مجلس ریونیو نے اس ماہ 4 اپریل 2010ء کو سپورٹس ریلی کا انعقاد کیا۔ پروگرام ماڈل ٹاؤن F بلاک میں کرکٹ گراؤنڈ میں رکھا گیا۔

اس میں 70 خدام اور 26 اطفال شامل ہوئے، ہمسایہ مجلس جوہر ٹاؤن کی کرکٹ ٹیم کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔اور اس طرح کل حاضری بشمول مہمان 110 افراد رہی۔

اطفال الاحمدیہ کے کرکٹ میچ کے علاوہ خدام الاحمدیہ کی مندرجہ ذیل کھیلیں کروائی گئیں جس میں 100 میٹر دوڑ، 500 میٹر دوڑ، رسہ کشی، پنجہ آزمائی، گولہ پھینکنا اور تین ٹانگ کی دوڑ شامل تھیں۔

اطفال کی کھیلوں میں 100 میٹر دوڑ، تین ٹانگ دوڑ، رسہ کشی، پنجہ آزمائی اور گولہ پھینکنا شامل تھا۔

خدام کے کرکٹ میچ کے دوران اطفال کا فٹ بال میچ کروایا گیا۔

اس موقعہ پر ضروری طبی امداد کے ساتھ معیار کبیر اطفال اور خدام کی بلڈ گروپنگ کی۔

آخر پر مجلس ریونیو اور مجلس جوہر ٹاؤن کے درمیان دو فلڈ لائٹ میچز کھیلے گئے۔الحمدللہ دونوں میچز مجلس ریونیو نے جیتے۔

کامیاب وبامراد شخص

(مکرم مولانا سلطان محمود انور صاحب۔ناظر خدمت درویشاں ربوہ)

خاکسار سلطان محمود انور کو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے طویل عرصہ ان کی رفاقت اور قربت نصیب رہی جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے قیام پاکستان سے قبل قادیان دارالامان میں ایک سرسری تعارف ان کا ہوا تھا۔تقسیم ملک کے بعد، مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کے ماحول میں جب ان کی قربت نصیب ہوئی تو ان کی شفقتوں اور پیار ومحبت کے اسلوب سے ہر طالب علم متاثر تھا۔

جامعہ احمدیہ کے ماحول میں ہی وہ اپنی علمی قابلیت اور تقریر وتحریر کے فن میں نمایاں ہو چکے تھے۔طلباء میں علمی و تقریری مقابلے ہوا کرتے تھے جن میں اکثر وہ سرفہرست ہوتے تھے مجلس سوال و جواب میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت نمایاں قابلیت عطا کر رکھی تھی۔اور وہ اس امر کے بھی ہر آن خواہش مند رہتے تھے کہ غیر از جماعت مہمانوں کے ساتھ گفتگو کا موقعہ ملے اور اکثر وبیشتر ایسے مہمان ان کی گفتگو سے بہت متاثر ہوتے تھے۔جہاں علمی دلائل میں نہایت اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے وہاں بحث ومباحثہ اور دفاعی گفتگو میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت عمدہ ملکہ عطا کر رکھا تھا۔گفتگو کے لحاظ سے نہایت محبت اور احترام کے ساتھ مخاطب ہوا کرتے تھے اور علمی دلائل اور ضروری علمی حوالہ جات کے لحاظ سے ان کا ذہن ایک بحرِ بے کنار تھا۔گفتگو میں کبھی شاذ کے طور پر فریق ثانی کی تسکین کے لیے کتاب سے حوالہ یا ثبوت پیش کر دیتے تھے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی یادداشت سے نوازا تھا۔اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کی یادداشت وذہانت ہر پہلو سے ایک مادی و ظاہری لائبریری سے زیادہ مکمل اور بالا تھی اور اللہ تعالیٰ کی اس عطا کردہ صلاحیت یعنی یادداشت کو ہر لحظہ خدمت دین اور خدمت مخلوق خدا کے لیے استعمال کرتے رہتے تھے۔

خاکسار کے ساتھ حضرت مولانا صاحب انتہائی محبت اور شفقت کا سلوک رکھتے تھے اور جب بھی جہاں بھی ملاقات ہو جائے نہایت پیار اور محبت سے گفتگو فرماتے۔یہاں تک کہ بعض اوقات میری طبیعت مجبور ہو جاتی کہ میرے لیے نارمل انداز رہے تو مجھے خوشی ہے۔جب بھی کہیں اتفاقیہ ملاقات ہو تو پہلے السلام علیکم کہنا یہ ان کا حتمی معمول تھا اور پھر نہایت محبت کے ساتھ خیر وعافیت کی گفتگو ہوتی اور اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی چٹکلہ ضرور بیان فرما دیتے تھے یہ ان کا گویا انداز تھا کہ علمی لحاظ سے ان کے مخاطبین کو کوئی نہ کوئی فائدہ پہنچتا رہے۔مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے کئی مرتبہ دورہ جات پر رفاقت نصیب ہوئی اور وہ کبھی بھی اپنی ذات کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔عمر میں مجھ سے کئی سال بڑے تھے لیکن میل ملاقات میں ان کا انداز بلا استثناء یہ ہوتا تھا کہ شاید میں عمر میں ان سے بڑا ہوں اور بلا کم وکاست ہر موقعہ پر خاکسار اس کی وضاحت کرتے ہوئے ان کی ترجیح اور اپنی فروتنی کا ذکر کرتا تھا

لیکن کبھی ان کے مشفقانہ اور بزرگانہ معمول میں فرق نہیں آیا۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤرخ احمدیت کا منصب عطا فرمایا تو اس کے بعد ہر ملاقات میں کوئی نہ کوئی نایاب علمی حوالہ یا نکتہ ضرور ذکر کر دیتے تھے اور جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اعزاز بخشا اس کے ساتھ ہی یہ احساس بھی غیر معمولی طور پر عطا کیا کہ علم سمیٹنے والی چیز نہیں، بیان اور نشر کرنے والی نعمت ہے۔

ایک موقعہ پر محترم مولانا صاحب کے ہمراہ خاکسار اور مکرم اخویم مجیب الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ مشرقی پاکستان کے دورہ پر گئے تھے اور ربوہ سے روانگی سے لے کر واپس ربوہ رسیدگی تک خاکسار اور مجیب الرحمٰن صاحب نے پورا تکلف کر کے کوئی بات بیان کر دی ہو تو یہ محض اتفاق تھا ورنہ حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے سارے سفر میں ہمیں اپنی علمی برکتوں سے بہت نوازا۔ مشرقی پاکستان جا کر بھی متعدد جماعتوں کے دورے بھی کیے گئے، پبلک جلسے ہوئے، انفرادی ملاقاتیں ہوئیں لیکن مولانا صاحب کی موجودگی میں ہم دونوں کے لیے گفتگو کے لیے ضرورت یا موقعہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو بے شمار رحمتوں سے نوازے۔ جہاں کہیں بھی دوران سفر تھوڑا سا بھی وقت ملا تو مولانا صاحب نے علمی محفل سجا دی۔

دوران سفر اندرون و بیرون ملک ان کو اپنی ذات کے متعلق ہرگز کوئی ایسی نفسانی خواہش نہ تھی کہ کھانے کے لئے فلاں چیز ضروری ہے۔ ایسی کیفیات سے قدرت نے ان کو بے نیاز بنایا ہوا تھا اور موقعہ کے لحاظ سے جو بھی مل جائے جیسا بھی مل جائے حمد و شکر سے اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

مؤرخ احمدیت کے طور پر جہاں انہوں نے تحقیق کا غیر معمولی دائرہ قائم کر رکھا تھا اور ہر وقت کسی نئے واقعہ یا نکتہ کی تلاش میں رہتے تھے وہاں ساتھ ساتھ ضروری امور پر چھوٹے چھوٹے کتابچے تحریر اور شائع کرتے رہے اور مجھے ان کی طرف سے ہر کتابچہ تحفے کے طور پر موصول ہوتا رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی بہت جزا عطا فرمائے۔ آمین

تاریخ احمدیت کا مضمون غیر معمولی وسعت کا حامل ہے اور خاص طور پر اس وجہ سے بھی کہ آپ کو یہ فریضہ سونپا گیا تو احمدیت کی تاریخ وسیع زمانے کو لپیٹ میں لیے ہوئے تھی اور اس زمانہ کا احاطہ کرنا ایک طرف علمی و ضروری مواد جمع کرنا، دوسری جانب مخالفین کے رویے اور ان کے تاریخی کردار، ان کو بھی مولانا صاحب نے حتی الوسع نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ محض اللہ تعالیٰ کا اعجازی فضل و احسان ان پر تھا کہ انہوں نے جہاں انتھک محنت اور قربانی کی وہاں ایک طویل عرصہ کو تاریخ کے مواد میں آئندہ نسلوں کے لیے ذخیرہ کر دیا ہے اور رہتی دنیا تک ان کی یہ محنت اور کاوش ان کے ذکر خیر کو زندہ و تابندہ رکھے گی۔ تاریخ احمدیت کی 20 جلدیں ان کی انتھک کوشش کے نتیجے میں زیر طباعت آ چکی ہیں جو 1960ء تک کے عرصہ پر مشتمل ہیں (مزید غیر معمولی مواد بھی بہت حد تک جمع ہو چکا ہے جو قریباً 2004ء تک کے عرصہ پر محیط ہے) اور ان کتابوں کا جائزہ لیتے ہوئے قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ کیسے کیسے نایاب واقعات انہوں نے زمانہ سے برآمد کیے ہیں اور قیامت تک انہیں محفوظ کر دیا ہے۔ جو بھی ان سے استفادہ کرے گا وہ حضرت مولانا صاحب کی محنت

اور علمی وفکری صلاحیت کی داد ضرور دے گا۔ مولانا موصوف کے علمی کمالات کا ایک اور پہلو بھی نمایاں رہا کہ انہوں نے اپنا مسلسل رابطہ اور تعلق علمی کتب اور مواد سے رکھا ہوا تھا۔ اور خاکسار کے نزدیک ان کی چار قسم کی لائبریریاں ہر لمحہ ان کے پیش نظر رہتی تھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

نمبر1۔ مرکز ربوہ کی جماعتی بڑی لائبریری، جو خلافت لائبریری کے نام سے موسوم ہے، انہیں سب سے زیادہ میسر رہی کیونکہ جہاں اس لائبریری میں غیر معمولی تعداد کتب کی ہے وہاں مولانا صاحب کا دفتر بھی اسی لائبریری کا حصہ بنا ہوا ہے اور اپنا زیادہ تر وقت انہوں نے اسی لائبریری کی نذر کر رکھا تھا۔

نمبر2۔ دفتری اوقات سے فراغت پانے کے بعد اگرچہ وہ گھر تشریف لے جاتے تھے لیکن گھر میں بھی دراصل ایک عظیم الشان لائبریری تھی چنانچہ ایک دفعہ مجھے بھی انہوں نے دعوت پر گھر بلایا اور لائبریری کا تفصیلی جائزہ لینے کا موقعہ ملا۔ گھر میں اگرچہ ایک آرام وسکون کی تمنا ہوتی ہے لیکن ان کا آرام اور سکون صرف اس بات میں تھا کہ گھر بیٹھ کر بھی مزید مطالعہ جاری رکھیں اور کبھی شاذ ہی ایسا ہوتا ہوگا کہ وہ آرام اور سکون کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ ان کا اصل سکون کتب کے مطالعہ اور تاریخی مواد حاصل کرنے کی طرف تھا۔

نمبر3۔ تیسری لائبریری ان کی دوران سفر سے تعلق رکھتی ہے جہاں بھی گئے خواہ مقامی جماعت کی لائبریری ہو یا کسی اور مسلک یا انتظامیہ کی، ان کی منزل ہر صورت میں لائبریری ہی رہتی تھی۔ اس لیے سفر کے دوران ان کا تمام تر وقت کتابوں کے حصول، ان کے جائزے اور ان سے علمی استفادہ پر ہی منحصر ہوتا تھا۔

نمبر4۔ چوتھی لائبریری ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ذہانت اور فکر سے تعلق رکھتی ہے اس لائبریری سے ان کا کبھی لمحات کی حد تک بھی رابطہ منقطع نہیں ہوتا تھا۔ اور خواہ کسی بھی حالت اور مصروفیت میں ہوتے، ان کا ذہن مطلوبہ علمی امور کی طرف رہتا تھا اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا کا ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا کہ ان کو اپنی منزل کے تصور سے تعلق اور رابطہ نہ رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص تائید ونصرت انہیں نصیب تھی۔ اور پھر ایک اور اعجازی پہلو یہ ہے کہ تاریخ احمدیت کی بیس جلدیں ترتیب دینا، ہر امر تاریخی کو مناسب حروف کا جامہ پہنانا اور عبارت کو علمی معیار پر تجویز کرنا، محض خدا تعالیٰ کی خاص الخاص تائید ونصرت اور محترم مولانا صاحب کی بے مثال محنت اور کاوش کا تاریخی پہلو تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بغیر حساب اجر عطا فرمائے۔ آمین

میرے انتہائی شفیق مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی ایک خاص خوبی اور فطری اہلیت یہ بھی تھی کہ مجلس خواہ محدود ہو یا کھلا ماحول ہو۔ آپ دنیا بھر کے مسائل اور عناوین کو اپنے مطلوبہ دینی، علمی اور روحانی ماحول اور منزل کی طرف لانے اور فضاء کی تبدیلی کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے۔ اور آپ کی ہر مجلس کا رُخ جماعت احمدیہ کے علمی اور امتیازی ماحول کی طرف منتقل ہو جایا کرتا تھا۔ بات خواہ کہیں سے شروع ہو، انتہاء اور اختتام گفتگو کا احمدیت اور احمدیت ہی ہوا کرتا تھا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

محترم مولانا صاحب کی مجلس کا جہاں علم اور معرفت کے لحاظ سے عمدہ معیار اور ماحول ہوتا تھا۔ وہاں ساتھ ساتھ مزاح اور دل لگی کے انداز بھی نمایاں رہتے۔ جس کا ظاہری

اثر یہ ہوتا تھا کہ وہ خود اور ان کی مجلس میں کبھی تھکاوٹ یا اکتاہٹ کی کیفیت نہیں ہوا کرتی تھی۔ مثلاً اکثر مواقع پر ان کا یہ مزاحیہ قول حاضرین نے سنا کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی ساتھ کے حوالے سے ذکر کرتا کہ فلاں آدمی میرا کلاس فیلو تھا تو آپ اس موقعہ پر فوراً مداخلت کرتے ہوئی فرماتے کہ کلاس فیلو ہی نہیں گلاس فیلو بھی تھا۔ ''گلاس فیلو'' کے کئی مفہوم ہیں۔ تاہم مجلس میں ایک خوشگوار فضا ضرور آجاتی۔ اور حاضرین خوب لطف اندوز ہوتے۔

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد جب تک صحت سے رہے اور نقل وحرکت ممکن تھی۔ تو آپ پانچوں نمازیں بالعموم بیت المبارک میں ادا فرماتے رہے۔ اور لاتعداد مرتبہ نماز کی امامت اور بعد نماز درس دینے کی سعادت ملتی رہی۔ اور موصوف نے اس پنجوقتہ الٰہی فریضہ کی بجا آوری میں اپنی غیر معمولی مصروفیت کو بھی روک نہیں بننے دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی اس عبادت اور اطاعت الٰہیہ کے لاتعداد اور دائمی ثمرات اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔



تمام عمر گزاری یوں انکساری میں
وفا کے باب میں، میں تجھ کو اک نایاب لکھوں

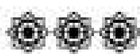
زباں، قلم سے کیے تو نے وہ فروزاں دیے
نوید صبح کا تجھ کو نیا نصاب لکھوں

(مکرم محمد اعظم نوید صاحب)

رپورٹ سالانہ سپورٹس ریلی

الحمدللہ مورخہ 22 تا 23 مئی مجلس خدام الاحمدیہ نارتھ کراچی نے اپنی سالانہ سپورٹس ریلی کا کامیابی سے انعقاد کیا۔ 22 مئی کو بعد نماز عشاء صدر صاحب حلقہ نے ریلی کا افتتاح کیا اور خدام کو نظم وضبط کے ساتھ ریلی میں شامل ہونے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد مقابلہ جات کا آغاز ہوگیا۔ 22 مئی کو 2 مقابلہ جات منعقد ہوئے۔ مقابلہ کلائی پکڑنا میں 24 خدام شامل ہوئے۔ مقابلہ کیرم بورڈ (ٹیم ایونٹ) میں 8 ٹیموں کے 16 خدام شامل ہوئے۔ 23 مئی بعد نماز تہجد وفجر خدام نے گراؤنڈ کا رخ کیا اور آؤٹ ڈور مقابلہ جات کو آغاز ہوا جن میں مقابلہ 100 میٹر دوڑ میں کل 15 خدام شامل ہوئے، مقابلہ لانگ جمپ میں کل 19 خدام شامل ہوئے، مقابلہ گولہ پھینکنا میں کل 17 خدام شامل ہوئے اور مقابلہ ثابت قدمی میں کل 23 خدام شامل ہوئے جبکہ مقابلہ 400 میٹر ریلے ریس (ٹیم ایونٹ) میں کل 16 خدام شامل ہوئے۔ مقابلہ رسہ کشی کا مجلس کی تین ٹیمیں بنا کر نمائشی میچز کرائے گئے۔ مقابلہ جات کے اختتام پر دونوں حلقہ کے مابین کرکٹ میچ ہوا۔ اس طرح اس ریلی میں کل 9 مقابلہ جات کروائے جس میں مجلس کے کل 39 خدام شامل ہوئے۔

مقابلہ جات میں خدام نے مثالی نظم وضبط کا نمونہ پیش کیا۔ ریلی کے اختتام پر تمام خدام نے اجتماعی ناشتہ کیا۔



خوشگوار یادیں

(مکرم حافظ مظفر احمد صاحب۔ ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقامی)

آج جس نابغہ روزگار وجود کا ذکرِ خیر مقصود ہے وہ ایک عالم باعمل تھا کہ جس کی موت کو ایک عالَم کی موت کہنا چاہئے، جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھا، جو حوالوں کا بادشاہ تھا کہ سینکڑوں حوالے ازبر، جو کثیر المطالعہ تھا کہ ان گنت کتابیں مع مؤلفین قلب وذہن کی لائبریری میں نقش، جس کا دماغ طلسماتی تھا اور حافظہ بلا کا۔

تاریخ پر دسترس ایسی کہ سینکڑوں واقعات مع حوالہ وتاریخ برنوکِ زبان۔ جو مناظرے کا پہلوان تھا اور خطابت کا شہسوار کہ شوکتِ ساز وآواز اور سوزِ لَے سے سامعین کو جب چاہے رلائے یا ہنسائے، جو اپنوں پرایوں میں قبولِ عام کی سند پانے والا تھا، جو مجالس سوال وجواب کی رونق تھا، جو ذہین وفطین اور حاضر جوابی میں طاق تھا، تفننِ طبع کا یہ عالم کہ لطائف کی پھلجھڑیوں سے محفلیں کشتِ زعفران بنادے۔

تنوع مزاج کی یہ کیفیت کہ ہر علم وفن کی خوشہ چینی میں دلچسپی، جو صاحبِ طرز ادیب تھا کہ عربی فارسی اُردو کے سینکڑوں اشعار زبان پر جاری، جو تحریر کا دھنی تھا کہ زندگی میں بیسیوں تصانیف کے باوصف موت کے بعد بھی سلسلہ مضامین صدقہ جاریہ کی طرح رواں دواں، جو محنت وریاضت میں یکتائے روزگار تھا، جو آہنی عزم کا مالک تھا، جو حلقہء دوستاں میں عجز وانکسار سے ریشم کی طرح نرم اور میدانِ کارزار میں شیرِ نر تھا، جو عاشقِ رسول ﷺ تھا اور اطاعت میں فرشتہ خصلت، جو درِ خلافت کا فقیر تھا اور امام الزمانؑ کا والا وشیدا کہ جس نے اپنا زیادہ سے زیادہ وقت خدمت دین صرف کر کے عہد وقف کا حق ادا کردکھایا۔

میری مراد حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب مورخ احمدیت سے ہے کہ خلافت احمدیہ کی برکت اور خلفائے سلسلہ کی صحبت نے جنہیں چار چاند لگا دئے اور وہ آسمانِ احمدیت پر ایک درخشاں ستارہ بن کر چمکے۔ الغرض مولانا موصوف کا وجود ایسا نہیں کہ اسے فراموش کردیا جائے۔

راقم کی یادوں کا سلسلہ حضرت مولوی صاحب کے ساتھ اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب جلسہ سالانہ کے اجلاس شبینہ میں وہ ایک شعلہ بیان مقرر بن کر ابھرے۔ ہر چند کہ وہ ہمارا بچپن تھا مگر ان کی جوانی اور شعلہ بیانی یاد ہے۔ ازاں بعد اپنے شہر خوشاب کے جلسہء عام میں ان کا بطور مقرر آنا بھی یاد ہے۔ ہمارے محلّہ آہیرانوالہ کے باسیوں میں اہلسنت کے علاوہ سادات اور اہل تشیع بھی تھے جو اس زمانہ میں ایسے جلسوں میں بلاتفریق مذہب وملت بصد شوق شریک ہوتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ مولوی صاحب موصوف خوشاب کسی جلسہ پر تشریف لائے انہیں کسی نے بتایا کہ بعض شیعہ حضرات بھی سامعین میں شامل ہیں۔ مجھے یاد ہے انہوں نے تقریر کا آغاز اپنی مخصوص لَے میں اس شعر سے فرمایا:

کٹا کر گردنیں بتلا گئے یہ کربلا والے
کبھی بندوں کے آگے جھک نہیں سکتے خدا والے

اور پھر حضرت امام حسینؓ کے مناقب اور عالی مقام ایسا بیان فرمایا کہ سامعین لٹو ہوگئے اور شیعہ حضرات تو اگلے روز پھر مولوی کی تقریر کا تقاضا کرنے لگے۔ ایک اور موقع پر آپ خوشاب کی ایک مجلس سوال و جواب میں کتابوں اور حوالوں سے مسلح ہو کر تشریف لائے تھے اور حوالے لہرا لہرا کر سامعین کو دکھائے اور خوب مطمئن کیا۔

الغرض حضرت مولوی صاحب کی صحبتوں اور رفاقتوں کی جو یادیں انگڑائیاں لے رہی ہیں ان میں سفرِ جہلم، راولپنڈی، دورہ لاہور، اجتماع انصاراللہ راولپنڈی، جلسہ مجوکہ، 1982ء میں تین ماہ تک مولانا کے ساتھ شعبہ تاریخ احمدیت میں خدمت، 1984ء میں آرڈیننس نمبر 20 کے خلاف شرعی کورٹ لاہور بینچ میں مکرم مجیب الرحمٰن صاحب کے کیس کی سماعت کے دوران دو تین ہفتے کی معیت، 1994ء میں جنوبی بھارت میں مناظرہ کو مبطور کیلئے ایک ماہ سے زیادہ کی رفاقت، مجلسِ افتاء کے علاوہ کئی علمی کمیٹیوں اور اجلاسات میں ہمنشینی۔

یہ سلسلہ 1979ء میں خدام الاحمدیہ کے دوروں سے شروع ہوتا ہے جب مختلف دوروں، مجالس مذاکرہ، اجتماعات اور جلسوں وغیرہ میں ان کا ساتھ رہا۔ مولوی صاحب کی یہ خوبی ہمیشہ یاد رہے گی کہ وہ ہم سفر کو کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں ہونے دیتے تھے۔ خدام الاحمدیہ کے زیرِ اہتمام لاہور کے ایک سفر کا ذکر ہے، وحدت کالونی میں بعد مغرب مجلسِ مذاکرہ منعقد ہوئی۔ خاکسار نے جماعت احمدیہ کا تعارف کروایا اور مولوی صاحب موصوف نے سوالات کے جواب دیے۔ اسکے بعد دارالذکر لاہور کے عبدالمالک صاحب کی راہنمائی میں اپنی رہائش گاہ کو واپس لوٹے۔ سرِ راہ مولوی مالک صاحب اپنی ترنگ میں یا شوقِ مہمان نوازی میں یہ پیشکش کر بیٹھے کہ مولوی صاحب! سیون اپ لیں گے کہ شیزان یا پان؟ مولوی صاحب کی رگِ ظرافت بھی پھڑکی اور کیا برجستہ موزوں کیا کہ "پہلے سیون اپ پھر شیزان پھر پان اور کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" اسکے بعد کے قہقہوں نے کھانے کے لیے چُورن اور ہاضمون کا کام کر دکھایا۔ اس طرح مولوی صاحب کی پھلجڑیوں سے محظوظ ہوتے ہوئے اس سفر سے ہماری واپسی ہوئی۔

مولانا موصوف بطور واقف زندگی سفر میں احتیاط کے کئی تقاضے ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ مثلاً تقریر سے پہلے کبھی کھانا تناول نہ کرتے اور فرماتے کہ اس سے مضمون منتشر ہو جاتا ہے اور دوران تقریر وہ دلجمعی نہیں رہتی۔ ہر چند کہ اس کی وجہ سے بعض دفعہ فاقہ کی قربانی بھی دینا پڑتی مگر اپنا اصول نہ بدلتے۔ اسی طرح کھانے کے دوران خصوصاً موسم سرما میں گرم پانی کا استعمال کرتے اور فرماتے کہ واقف زندگی کا گلا بھی وقف ہوتا ہے۔ اس کی حفاظت اس لئے لازم ہے۔ اور اس بات کا اتنا خیال تھا کہ کو مبطور جنوبی ہندوستان کے سفر میں ہمارے گلے سوزش سے خراب ہو گئے۔ مقامی طریق علاج کے مطابق میزبان اہل خانہ بڑی محبت سے ہلدی ملا گرم دودھ لے کر آئے۔ مولوی صاحب موصوف کو اپنے وقف گلے کے خیال سے ممکنہ مضر اثر کا تحفظ دامنگیر رہا۔ مگر جب ہم نے یہ خوشگوار نسخہ آزمانے کا تہیہ کر لیا تو مولوی صاحب نے بھی ہرچہ باداباد کہہ کر پیالہ منہ سے لگا لیا۔ اگلے روز تو پھر اس کا تقاضا تھا۔

1979ء کی بات ہے۔ جہلم، راولپنڈی اور اسلام آباد کی جماعتوں کے زیرِ انتظام سیرۃ النبیؐ کے جلسے تھے۔ مولانا دوست محمد شاہد صاحب اور خاکسار جہلم کے جلسہ کے بعد راولپنڈی پہنچے تو پتہ چلا کہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب صاحبؒ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ جلسہ میں حضرت میاں صاحبؒ کے علاوہ مولانا دوست محمد شاہد صاحب اور خاکسار کی تقاریر دلپذیر ہوئیں۔

اگلے روز اسلام آباد کی موجودہ بیت الذکر کی تعمیر سے پہلے جو دالان سا تھا وہاں جلسہ سیرت النبی ہوا۔ جنرل عبدالعلی صاحب ملک (سابق امیر اسلام آباد) کے زیرِ صدارت اس جلسہ میں رسول اللہ ﷺ کی اہلی زندگی کے بارہ میں خاکسار کی پہلی تقریر تھی۔ اس کے بعد مولانا دوست محمد شاہد صاحب اور پھر حضرت میاں صاحب کے شاندار خطاب ہوئے۔ اگلے روز واپسی سفر کے لئے میاں صاحب نے اپنی کار میں ربوہ لے جانے کی پیشکش بھی فرمائی۔ صبح مکرم فضل الرحمان صاحب حال امیر راولپنڈی کے گھر ناشتہ کے بعد مکرم شیخ عبدالوحید صاحب امیر ضلع کے ہاں نشست ہوئی اور پھر براستہ جہلم، گوجرانوالہ، شیخوپورہ جی۔ٹی روڈ سے واپسی، برادرم مکرم ملک خالد مسعود صاحب بھی ہمراہ تھے۔ حضرت میاں صاحب نے آغاز سفر میں ہی مولانا دوست محمد شاہد صاحب پر یہ دلچسپ شرط عائد فرما دی کہ آپ دورانِ سفر کبھی خاموش نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اس ارشاد کی خوشگوار تعمیل سے ہم پورے سفر میں محظوظ ہوتے رہے۔ خاموشی کے وقفوں میں خود حضور نے بھی بعض عمدہ ادبی باتیں اور اعلیٰ اشعار سنائے۔ اور یہ پُرلطف سفر اختتام پذیر ہو گیا مگر اس کی یادیں اب بھی دل کو لبھاتی ہیں۔ مولانا دوست محمد شاہد صاحب کے علمی و ادبی لطیفے، ایک خاص مسلک کے مولوی حضرات کی کانفرنس کا حال، ''ہزار مسئلہ'' اور دیگر کئی شگفتہ مذاق کی باتیں سنائیں۔ دوران سفر حضرت میاں صاحب نے گوجرانوالہ کے مشہور تکوں سے مہمان نوازی کے علاوہ اور راستہ میں رُک کر ظہر اور عصر کی نمازیں باجماعت پڑھا کر روحانی ضیافت بھی کی۔

1982ء میں خاکسار کو مولوی صاحب موصوف کے زیرِ سایہ تین ماہ گزارنے کا موقع ملا۔ ہوا یوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے عاجز کے تخصصِ حدیث کے دوران بعض (دعوت الی اللہ کی) رپورٹس علم میں آنے پر میرے بارے میں یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ یہ تو مربی زیادہ اچھا ہے۔ اسے جامعہ کی بجائے میدانِ عمل میں ہونا چاہیے، پہلے تین ماہ کے لیے حضور نے خاکسار کا تقرر مولانا دوست محمد صاحب کے ساتھ شعبہ تاریخ میں کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سے علمی حوالہ جات وغیرہ کا طریق سیکھنا ہے۔ اس دوران بھی حضور میری کارکردگی کے بارہ میں استفسار کر کے راہنمائی فرماتے رہے۔ ایک دفعہ عاملہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ سے ملاقات کے دوران گیسٹ ہاؤس میں فرمایا کہ مولوی صاحب سے پختہ دلائل سیکھ رہے ہو نا! میرے بے اختیار مسکرانے پر فرمایا تم تو ہنسنے بھی ان کی طرح لگے ہو۔

مولانا موصوف کے ساتھ تین ماہ کی رفاقت میں انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ انہیں نہایت محنتِ شاقہ کرنے والا، پابندی وقت کا اہتمام کرنے والا پایا۔ سادہ طبع اور درویش صفت بزرگ پایا۔ آپ واقعی اس بزرگ مسیح

کے سچے غلام تھے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جاتا تھا،انہیں کبھی کوئی لمحہ ضائع کرتے نہ دیکھا۔مطالعہ یا تحقیقی وعلمی کام کرتے ہوئے بھی ساتھ چٹکلے چھوڑتے جاتے اور شگفتگی مزاح سے ساتھیوں کی تھکاوٹ دور کرتے رہتے۔دفتر میں روزانہ ساڑھے دس یا گیارہ بجے چائے کا وقفہ مقرر تھا۔جس میں چائے کے ایک کپ کے ساتھ کوئی ہلکی پھلکی چیز بسکٹ یا نمک پارے وغیرہ ہوتے تھے جسکے اخراجات باہم چندہ اکٹھا کر کے جمع ہوتے تھے۔

ہر کام میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ اس وقفہ چائے کے دوران بھی دفتر کے دروازے بند بلکہ مقفل کر دیے جاتے تا کہ بے جا آمدورفت سے اس میں حرج واقع نہ ہو۔یوں تین ماہ آنکھ جھپکتے گزر گئے اور ہماری سادہ مگر پُروقار الوداعی تقریب چائے کا وقت آ گیا جس میں نمک پاروں کے ساتھ برفی کا اضافہ بطورِ خاص کیا گیا تھا۔

الغرض مولانا موصوف مرنجان مرنج انسان تھے۔ مولانا موصوف کی صحبتِ سہ ماہی میں حوالہ جات کی تلاش کے علاوہ مضمون لکھنے کا طریق اور آداب بھی ان سے سیکھے۔ان کا طریق تھا کہ پہلے مواد جمع کرتے اور مختلف حوالے اکٹھے کر لیتے بعد میں انہیں ترتیب دے کر بہت جلد اور بآسانی مضمون تیار ہو جاتا۔ملاقاتیوں سے نہایت مختصر اور معین بات کر کے وقت بچا لیتے تھے۔اور اگر کسی ضروری کام میں ہمہ تن مصروف ہوتے تو قرآنی حکم اِرجِعُوا (یعنی جب تمہیں واپس لوٹ جانے کے لئے کہا جائے تو واپس ہو جاؤ) پر بھی عمل کرواتے اور ملاقات سے معذرت کر لیتے۔

مولانا کی صحبت میں انکی درویشی کا عالم بھی دیکھا اور زمانہ قادیان کے اُن دنوں کا حال بھی خود ان کی زبانی سنا جب بقول ان کے وہ جلد سازی کے ذریعہ مشقت ومحنت سے گزارہ کرتے رہے،فرماتے تھے اسی زمانہ میں کتابیں جمع کرنے اور لائبریری کا چسکا پڑا۔اس وقت مولوی صاحب کی ذاتی لائبریری میں ہزاروں کتابیں ہیں۔اور پھر خدا کا شکر ادا کرتے تھے جس نے آج یہ فضل وکرم فرمایا۔

ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
وعدے ہوئے وہ پورے کئے جو حضور نے

حضرت مولوی صاحب قواعد وضوابط کی پابندی کی شرط کے ساتھ اپنے ساتھیوں اور کارکنوں کیلئے نرم گوشہ رکھتے تھے۔عید وغیرہ کے موقع پر اپنا دل پسند عطر تحفے میں دیا کرتے تھے۔اور ان کے لئے مرغوبِ خاطر تحفہ کوئی کتاب یا حوالہ ہوا کرتا تھا۔خاکسار جب ایسا کوئی تحفہ پیش کرتا تو اپنے والا نامہ میں تشکر وامتنان کی حد کر دیتے۔جیسے خاتم الاولیاء والی حدیث کا قدیم شیعہ لٹریچر سے حوالہ ملنے پر انہوں نے شکریہ ادا کیا۔

خاکسار کو ایک عرصہ تک رمضان میں بیت المبارک میں تراویح پڑھانے کی سعادت میسر آتی رہی۔ان دنوں مولوی صاحب موصوف کی صحت اچھی تھی اور وہ باقاعدگی سے نماز تراویح کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے۔میرے پاس ایک جیبی قرآن کا نسخہ تھا جن کے دس دس پاروں کے تین حصے کئے ہوئے تھے۔کثرت استعمال سے اس حمائل کی جلد قدرے میلی ہو چکی تھی ایک دفعہ مولوی صاحب کی نظر اس پر پڑ گئی۔مجھے فرمایا کہ یہ حمائل ایک روز کیلئے مجھے عنایت کریں گے؟ میں نے قدرے تعجب وتوقف سے حامی بھر لی۔اگلے روز جب وہ حمائل لے کر آئے تو میں پہچان نہ سکا کیوں کہ

اس کے اوپر خوبصورت اور دیدہ زیب ابری کے ورق لگے تھے۔اس طرح باری باری تینوں حمائل مجھے نئی کر کے دے دیں۔اور ہماری زبان پر بے اختیار انہیں کے بقول یہ مصرع لمبا عرصہ جاری ہوجاتا رہا۔

اس سے بڑھ کر تجھے توفیق خدا دے ساقی

مولانا موصوف لمبا عرصہ بیت المبارک کے امام الصلوۃ بھی رہے۔

حضرت صوفی غلام محمد صاحب کی وفات کے بعد صحت کے زمانہ تک مولوی صاحب نے کمال باقاعدگی اور احساس ذمہ داری سے یہ فریضہ ادا کیا۔آپ حدیث رسول ﷺ کی تعمیل میں امامت کراتے ہوئے نسبتاً مختصر نماز کا اہتمام فرماتے تھے۔سائیکل پر اپنے دفتر سے نمازوں پر آنے کا التزام کرتے۔ایک دفعہ سائیکل پر آتے ہوئے گر جانے سے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور ایک عرصہ تک صاحب فراش بھی رہے۔1985ء میں مولوی صاحب موصوف کے انگلستان میں قریباً ایک سال کے قیام اور ان کی بیماری کے دوران میں خاکسار کو یہ توفیق ملتی رہی۔1984ء کے آرڈیننس کی وجہ سے اسلامی اصطلاحات پر پابندی کے بعد سے خطبات جمعہ وعیدین میں الفاظ ومضمون کے استعمال میں احتیاط کے تقاضے بڑھ گئے تو یہ ذمہ داری صف دوم کے واقفین زندگی کے سپرد کرنے کی طرف توجہ ہوئی۔تاکہ حتی الوسع ان سے پابندیوں کی احتیاط کروائی جائے اور مقدمہ وغیرہ صورت میں وہ اس کا بھی سامنا کرسکیں۔اس موقع پر نظام جماعت کی طرف سے خاکسار کو بھی لمبے عرصہ تک حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ وامیر مقامی اور پھر ہمارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے ناظر اعلیٰ وامیر مقامی ہونے کے زمانہ میں خطبات جمعہ وعیدین کا موقع ملتا رہا۔ہر چند کہ اس سے پہلے مولانا بھی یہ خدمات بجالاتے تھے۔مگر بڑی فراخدلی کے ساتھ ان خطبات پر حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔اور یہ ان کی وسعت حوصلہ اور حسن نظر تھا۔

مولوی صاحب موصوف نے ذہن رسا پایا تھا۔خود سناتے تھے کہ جامعہ احمدیہ احمد نگر کے زمانہ طالبعلمی میں چنیوٹ آنا ہوا۔جہاں کسی احمدی کی تقریب شادی میں اعلان نکاح کا مسئلہ درپیش تھا۔اس علاقے میں یہ روایت معروف تھی کہ جس کا اپنا عقد نکاح ہوچکا ہو وہی اعلان نکاح کا مجاز ہے۔ہر چند کہ مولوی صاحب موصوف غیر شادی شدہ تھے احباب کے اصرار پر اعلان نکاح کرنے پر آمادہ ہوگئے۔عین نکاح کے وقت کسی منچلے نے یہ سوال داغ دیا کہ مولوی صاحب! کیا آپ خود شادی شدہ ہیں؟ اب نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔مولوی صاحب نے کمال فراست سے کام لیتے ہوئے انکار کیا نہ اقرار۔صرف اتنا کہا کہ ''اجی حضرت! بس اولاد نرینہ کے لئے دعا فرمائیے''۔اور یوں آئی بلا ٹل گئی اور نکاح بخیر وعافیت انعقاد پذیر ہوا۔

مولوی صاحب اپنے سفروں کا بھی حال سناتے تھے کہ کس طرح ابتدائی دور میں مشکل اور دقت طلب تربیتی و(دعوۃ الی اللہ کے) سفر وسائل کے نہ ہوتے ہوئے کرتے رہے۔ربوہ میں جلسہ ہائے سالانہ کے موقع پر تحصیل حافظ آباد سے پرالی اکٹھی کرنے کی ایک مہم بڑی دلچسپی سے سنایا کرتے تھے جس میں افسر جلسہ حضرت مرزا ناصر احمد

صاحبؒ کا دیا ہدف پورا کر دکھایا۔

فرقان بٹالین کے دور کی یادیں بھی تازہ کرتے اور بتایا کرتے کہ کس طرح کرنل حیات قیصرانی صاحب کے زیر کمان تربیت پائی۔ محاذ پر کھانے کا راشن مقرر تھا اور حقہ نوشی وغیرہ کی عادت پر پابندی تھی۔ خلاف ورزی کرنے والوں کے حقے توڑے جاتے تھے۔ کسی متشاعر کی اس وقت کی یہ مزاحیہ تک بندی بھی سنایا کرتے تھے،

اسیں تے مرگئے بھکّے لڑائیاں کی کریے
ساڈے تے ٹٹ گئے حقے لڑائیاں کی کریے

مولوی صاحب مجلسی آدمی تھے اور اپنی مجلس کی رونق ہوتے تھے۔

اسی طرح 1984ء کے آرڈیننس کے بعد خصوصاً اکبرالہٰ آبادی کا یہ شعر ان سے بہت سنا۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

بعض لطائف ان کے مخصوص تھے جو حسب موقع و محل سناتے تھے۔ مثلاً میزبان کے چائے پانی پوچھنے پر کہا کرتے فریقین حاضر ہو نگے تو فیصلہ ہو سکتا ہے۔ یہ لطیفہ بھی سناتے تھے کہ کسی نے کہا کہ جناب چائے آرہی ہے۔ کہنے لگے ہمیں کیا؟ وہ بولے جناب آپ کے لیے ہی تو آرہی ہے۔ فرمایا پھر تمہیں کیا؟ الغرض بات بات پر ہلکا مزاح یا چٹکلہ چھوڑ کر وہ ماحول کو خوشگوار بنا دیتے تھے۔

مولوی صاحب موصوف حاضر جواب بھی خوب تھے اور حضرت مولانا ابو العطاء صاحب کے شاگردان رشید میں سے تھے اور اس کا ذکر بجا طور پر فخر سے کیا کرتے تھے۔ کئی سفروں میں اپنے استاد کی ہمراہی کا شرف رہا۔ بیان کرتے تھے کہ ایکدفعہ ان کے ساتھ تربیتی کلاس کے لئے پشاور جانے کا اتفاق ہوا کہ مولوی صاحب موصوف نے از راہ تفنن فرمایا:

"آپ بڑے ہوشیار ہو جب خدام کی کلاس ہو تو اس میں شامل ہوتے ہو جب انصار کی کلاس ہو تو وہاں بھی حاضر۔ اصل میں تم ہو کیا؟" انصار میں سے یا خدام سے؟ فوراً حاضر جوابی سے عرض کیا میں دراصل خادمِ انصار ہوں۔ اس سے مولانا بہت محظوظ ہوئے۔"

مولوی صاحب موصوف سلطان القلم کے قلمکاروں کی صف اول میں سے تھے۔ آپ نے تاریخ احمدیت کی 20 جلدوں کے علاوہ چھوٹی بڑی قریباً 40 سے زائد کتب تصنیف فرمائیں۔ ماہنامہ خالد ترجمان خدام الاحمدیہ کے ایڈیٹر بھی رہے، آپ صاحب کتاب بھی تھے اور صاحب قلم بھی اور ان دونوں سے انہیں دلی لگاؤ تھا، اگر ان کی کوئی کمزوری تھی تو بس یہی کتاب وقلم۔ یادداشت نوٹ کرنے کے لئے ہر دم قلم اور نوٹ بک جیب میں رکھتے اور ہر لحظہ دماغ جیسے مصروف عمل رہتا تھا۔ اُدھر کوئی خیال آفرینی ہوئی اور ادھر جھٹ ڈائری نکالی اور حوالہ نوٹ۔ گاہے انہیں انتظار نماز کے وقفہ میں بھی یادداشتیں نوٹ کرتے دیکھا۔ وہ کسی حال میں کاغذ و قلم سے جدا ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ 1984ء میں شرعی عدالت کی کارروائی کے دوران قیام لاہور کا یہ لطیفہ مجھے ہمیشہ محظوظ کرتا ہے۔ ان دنوں رات گئے تک برادرم مکرم مجیب الرحمان صاحب ایڈوکیٹ کے ساتھ اگلے دن کی بحث کی تیاری کے لئے طویل نشستیں ہوا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ مجیب صاحب کو

کوئی حوالہ نشان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور انہوں نے قلم مانگا۔اتفاق سے میرے پاس قلم نہ تھا اور مولوی صاحب کی جیب میں قلم موجود تھا۔مگر انہیں اسے اپنے سے جدا کرنا گوارا نہ تھا،اب حال یہ تھا کہ مجیب صاحب بار بار قلم مانگ رہے تھے اور مولانا صاحب نے قلم والی جیب ہاتھ رکھ کر مضبوطی سے پکڑ رکھی ہے کہ کہیں ان کا قلم عارضی طور پر بھی ان سے جدا نہ جائے اور مجھ سے تقاضا فرما رہے ہیں کہ حافظ صاحب قلم کہاں ہے، قلم لائیں۔آپ مجیب کے معاون خصوصی ہیں، قلم ہر وقت پاس رکھنا چاہئے۔بلاشبہ وہ ایسے مجاہد تھے جو ہر لحظہ قلم سے مسلح رہتے تھے۔بالعموم وسعت حوصلہ کا اظہار فرماتے۔

انہی تاریخی ایام لاہور کا تذکرہ ہے رات کو نصف شب کے قریب جب تھکاوٹ محسوس ہوتی تو احباب کو تازہ دم کرنے کے لئے لطائف کی نشست کا وقفہ ہوتا۔جس میں کبھی آئس کریم سے تواضع ہوتی اور کبھی چائے کا دور چلتا۔ایک شب اسی دوران نہ جانے ہمارے مجیب صاحب کو کیا سوجھی کہ مجھ سے بھلے وقتوں میں جو کبھی مولانا موصوف کی لَے میں تلاوت سنی ہوئی تھی اسے مولانا کے سامنے دہرانے کے لئے اصرار کیا مگر ان سے پیشگی معذرت کے ساتھ عرض کر لیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ایک نمونہ تلاوت کا پیش کرنا ہے،مولوی صاحب نے انجانے میں فراخدلی سے اجازت مرحمت کرتے ہوئے فرمایا شیر خدا! بصد شوق پھر کیا تھا جونہی اس عاجز نے مولوی صاحب کی لے اور سُر میں تشہد اور پھر فاتحہ کی تلاوت کی مولوی صاحب تعجب اور حیرت سے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ مگر مجال ہے جو ذرا بھی برا منایا ہو۔یہ ان کی وسعت حوصلہ کا کمال تھا۔بلکہ غالباً اس کے بعد ہی وہ لطیفہ دو جڑواں بھائیوں کا سنایا جس میں سے ایک فوت ہوا تو دوسرا تعزیت کرنے والوں سے اپنے مبالغہ آمیز انداز میں ہمدردیاں حاصل کرتے ہوئے کہہ رہا تھا بس جی مرحوم بھائی سے بڑا ہی قربت کا تعلق تھا ہم دونوں ہم شکل و ہم لباس تھے۔شرارتیں وہ کرتا تھا سزا مجھے ملتی تھی، کام میں کرتا تھا شاباش وہ لے جاتا تھا، بھوک مجھے لگتی تھی کھانا وہ کھا لیتا تھا۔اب یہی دیکھو نا وفات میری ہوئی دفن وہ ہو گیا ہے۔اس آخری بات سے پہلے مبالغہ کی ساری قلعی بھی خوب کھل گئی۔اوپر شرعی عدالت کی کارروائی کا جو اجمالی ذکر ہوا ہے اس کی کسی قدر تفصیل یہ ہے کہ دراصل 1984ء میں جب جماعت کے خلاف آرڈیننس نمبر 20 کے ذریعہ ناروا پابندیاں عائد کی گئیں تو مکرم مجیب الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ وغیرہم چار درخواست دہندگان نے شرعی کورٹ میں ان کو چیلنج کیا تھا۔لاہور بینچ میں اس کی سماعت وسط جولائی میں مقرر ہوئی۔خاکسار بھی ان درخواست دہندگان میں شامل تھا تاکہ اس کیس کی تیاری میں مکرم مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ کی علمی معاونت کی جا سکے۔کیس کی سماعت کے دوران ہمارے ساتھ علماء کے وفد میں مولانا دوست محمد شاہد صاحب بھی شامل تھے۔اس دوران قریباً ایک ماہ ہمیں دارالذکر لاہور میں قیام کا موقع ملا۔روزانہ عدالت میں ہونیوالی بحث اور فریق ثانی کی بحث کے جواب کی تیاری میں بعض دفعہ ایک دو بجے رات تک جملہ احباب بڑی بشاشت سے کام کرتے۔مولوی صاحب موصوف نے بھی کمال انکسار اور تواضع سے

کیس کی تیاری کے دوران مطلوبہ حوالہ جات کے لئے بھرپور تعاون فرمایا۔ان دنوں خاکسار کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں لنڈن بھجوائی گئی ایک رپورٹ پر جملہ ساتھیوں کے لئے حضور کے مکتوب میں دعائیہ اور حوصلہ افزاء تاریخی ارشاد ملا۔

1994ء میں حسب ارشاد حضرت خلیفہ رابعؒ مولانا موصوف کے ساتھ ایک ماہ سے زائد تک بھارت کا طویل سفر کرنے کا موقع ملا۔جسکی یادیں ناقابل فراموش ہیں۔اس کی تقریب یوں ہوئی کہ جنوبی ہندوستان میں مدراس کے علاقہ کوئمبطور (Coimbatoor) (جو صوبہ کیرلا کے قریب ہے) میں سعودی عرب سے تعلیم یافتہ عالم مولوی زین العابدین صدر جمعیۃ القرآن والحدیث نے احمدیوں کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔حفظ امن کی ضمانت اور جماعت کی پیش کردہ شرائط تسلیم کئے جانے پر وفات مسیح ، ختم نبوت اور صداقت مسیح موعود کے موضوعات پر مناظرہ طے ہوا۔ ہر چند کہ مناظرہ تامل زبان میں تھا۔مولانا محمد عمر صاحب اور مولوی ایوب صاحب ہماری طرف سے مقرر تھے۔پاکستان سے حضور انور نے ازراہ شفقت مکرم مولانا دوست محمد شاہد اور خاکسار کو مناظرہ کرنے والے احمدی علماء سے تعاون کیلئے وہاں بھجوانے کا ارشاد فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے غیر معمولی رنگ میں ویزہ جات کا انتظام فرمادیا۔اور ہم وسط نومبر 1994ء میں لاہور سے دلّی پہنچے۔ جہاں مناظرہ کی تیاری کے سلسلہ میں کتب خانوں میں جا کر ضروری کتب وغیرہ اکٹھی کیں۔دلّی سے مدراس تک کا سفر بذریعہ ایئر انڈیا طے ہوا۔جہاں سے بذریعہ ریل 5/6 گھنٹے کا سفر کر کے کوئمبطور پہنچے۔جاتے ہی مناظرہ کے لئے حکمت عملی طے کی گئی جو اگلے دن شروع ہونا تھا یہ مناظرہ 21 نومبر سے 29 نومبر نو دن جاری رہا جس کا انتظام وہاں کے ایک مقامی ہوٹل کے ہال میں تھا۔تینوں موضوعات پر تین تین دن بحث ہوئی۔مناظرہ کی مکمل ریکارڈنگ ہوئی۔ فریقین کے 25-25 افراد تحریری اجازت نامہ کے ذریعہ اندر جاتے تھے۔ الحمدللہ یہ مناظرہ خوب ہوا۔روزانہ کی رپورٹ اور اگلے دن کے موضوع کا مواد ہم رات کو باہم بحث و تمحیص کے بعد تیار کر لیتے اور مع تفصیلی فہرست دلائل (آیات و احادیث) حضور کی خدمت میں لنڈن بغرض دعا و رہنمائی بذریعہ فیکس بھجوا دیتے۔حضور انور کمال شفقت سے تفصیلی رہنمائی فرماتے حتیٰ کہ دلائل میں پیش کی جانے والی آیات تک کی معین ہدایت فرماتے۔نبوت کے موضوع پر تین آیات ومن یطع اللہ والرسول (النساء:70) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النبیین (آل عمران:82، سورۃ الاحزاب:8) اور اَللّٰہُ یَصْطَفِی (الحج:76) پیش کرنے کی اصولی ہدایت فرمائی۔ مخالف مناظر کی بحث اور اعتراضات کے جواب مولوی صاحب موصوف اور خاکسار ساتھ ساتھ نوٹ کر لیتے اور مختصر حوالہ یا جواب چٹ پر لکھ کر مقرر مناظر کو دیتے رہتے۔اس طرح ہمارے علماء کو تسلی بخش جواب پیش کرنے میں سہولت ہوتی۔ہمارے پاس معدودے چند کتابیں تھیں جب کہ مخالف مناظر کتابوں کا ٹرک بھر کے ہمراہ لائے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ہم نے ان کی پیش کردہ بعض روایات اور ان کے

راویوں کا غیر ثقہ ہونا خود ان کی لائی ہوئی کتابوں سے ثابت کردیا۔جس سے وہ بہت سراسیمہ ہوئے۔

مناظرہ میں جماعت کی غیر معمولی علمی برتری اور دلائل کے میدان میں دشمن کے لاجواب ہونے اور اس کی پسپائی پر حضور اس قدر خوش ہوئے کہ مناظرہ میں شامل ہم پانچ خدام کیلئے دس دس ہزار روپیہ انعام بھجوایا۔اور بے شمار دعائیں اس پر مستزاد تھیں۔الحمد للہ کہ اس مناظرہ کے بعد کوئمبطور کے علاقہ میں بیعتوں کا رجحان بڑھا اور جماعت وہاں پھلنے پھولنے لگی۔حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم صاحب اس کے بعد جب بھی ہمارے یہاں تشریف لائے وہاں کی ترقی اور پھیلاؤ کا ذکر فرماتے رہے۔

مناظرہ کے بعد حضور انور کا ارشاد ملا کہ ہم دونوں ہندوستان کا دورہ کریں اور جماعتوں کو دعوت الی اللہ کی مہم چلانے کے لئے تیار کیا جائے۔چنانچہ مزید تین تین مقامات کے ویزے مل سکے ان کے مطابق مولوی صاحب موصوف حیدر آباد، دکن، بنگلور اور بمبئی تشریف لے گئے اور خاکسار کے سپرد اڑیسہ بھنیشور، کیرنگ اور کلکتہ وغیرہ ہوئے۔مناظرہ سے واپسی پر قادیان میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔جس میں مناظرہ کی روداد ہم دونوں نے سنائی۔مزید سعادت یہ کہ اس سال قادیان کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی توفیق ملی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ازراہ شفقت ہم دونوں کو اپنا نمائندہ مقرر فرماتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ مولوی صاحب موصوف 23 دسمبر کو معائنہ انتظامات جلسہ میں حضورِ انور کی نمائندگی کریں گے۔اور خاکسار کو حضور نے جلسہ سالانہ قادیان کے بعد اپنی نمائندگی میں 29 دسمبر کو ہونے والی مجلس شوریٰ بھارت کی صدارت کے لئے ارشاد فرمایا جس کی تعمیل کی توفیق اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی۔حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر اعلیٰ وامیر مقامی قادیان نے بھی کمال شفقت اور محبت کا سلوک ان عاجز نمائندوں سے فرمایا۔اور حسب ارشاد حضور ہم سے خدمات لیں۔الغرض یہ سفر ایک تاریخی یادوں کی بارات بن گیا۔قدم قدم پر مولوی صاحب موصوف کی دلچسپ باتیں اب بھی یاد آتی ہیں۔مولانا کے ساتھ کئی علمی میٹنگز اور کمیٹیوں میں بھی مل بیٹھ کر تحقیق کے نادر مواقع میسر آئے۔

1992ء میں حضورؒ نے قرأت فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ پر خاکسار کے نام ایک مکتوب میں اس مسئلہ پر غور کرکے رپورٹ بھجوانے کے لئے ایک کمیٹی مقرر فرمائی۔اس میں بھی مفتی سلسلہ اور دیگر علماء کے علاوہ مولانا دوست محمد شاہد صاحب بھی شامل تھے۔جس کی متفقہ رپورٹ حضور کی خدمت میں بھجوائی گئی۔جو حضور نے منظور فرمائی۔

1998ء میں ایک اور کمیٹی حضرت خلیفہ رابعؒ نے بنات رسول ﷺ کی تحقیق کے لئے مقرر فرمائی۔جس میں مولانا دوست محمد شاہد صاحب کو بھی رکن مقرر فرمایا۔زیر بحث موضوع یہ تھا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء کے علاوہ دیگر بیٹیوں کا ذکر احادیث میں کتنا ہے۔اور اگر کم ہے تو کیوں؟ خاکسار نے بطور کنوینر مولوی صاحب موصوف اور دیگر علماء کے تعاون واتفاق رائے سے اس کی رپورٹ تیار کرکے حضور کی خدمت میں پیش کی۔اس رپورٹ میں اسلامی موجود لٹریچر سے رسول ﷺ کی صاحبزادیوں کے بارہ میں جملہ حوالے اکٹھے کئے گئے۔جو بعد میں جماعتی لٹریچر میں بھی وقتاً فوقتاً

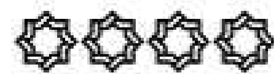
شائع ہوئے۔ الغرض مولوی صاحب کی خدمات کا سلسلہ طویل ہے جیسا کہ حضرت خلیفۃ الخامس ایدہ اللہ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 2009ء نشاندہی فرمائی تھی۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مولوی صاحب موصوف کی زندگی خلافت سے محبت، اطاعت اور اپنے مقصد کی آئینہ دار تھی۔ آخری بیماری تک باوجود کمزوری اور ضعیف العمری کے نہایت باقاعدگی سے دفتر آتے رہے اور آخری سانس تک اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کی دُھن انہیں لگی رہی اور وہ فائزالمرام ہو کر اپنے مولا کے حضور واپس لوٹے۔ خلافت ثانیہ سے خلافت خامسہ تک چار خلفائے احمدیت کا بابرکت زمانہ پایا اور ان سب سے خوشنودی کی سند حاصل کی۔ اس سے بڑھ کر نیک انجام کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ میں آپ کی خدمات دینیہ کا ذکر نہایت تفصیل سے بیان فرمایا۔ حضور ایدہ اللہ نے بیان فرمایا کہ مولوی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے یہ عہد کیا تھا کہ ”ایک واقف زندگی کی حیثیت سے ہمیشہ دن رات خدمت میں مشغول رہوں گا“ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے آخری وقت تک اس عہد کو نبھایا ہے۔“

(خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل 13 اکتوبر 2009ء)

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے۔



بہت دیر لگے گی

ہمراہ مناجات کا ایک شور گیا ہے
جس رہ کا مسافر تھا اسی اور گیا ہے

تاریخ کتابیں یہ مقالے یہ حوالے
اک علم کا دریا تھا جو رخ موڑ گیا ہے

پھر ویسا کوئی آئے گا پر دیر لگے گی
مشکل سے بھرے گا جو خلا چھوڑ گیا ہے

کیا جانیے ہو خامہ و قرطاس بھی گریاں
اک یار کہن رشتہ جاں توڑ گیا ہے

راس عہد ستم کیش میں فرزانے ہیں ہو سو
دیوانوں سے منسوب تھا جو دور گیا ہے

افسردہ سی گلیاں ہیں در و بام ہیں خاموش
شاید کہ مرا شہر کوئی چھوڑ گیا ہے

(مکرم مبشر احمد محمود صاحب)

ترے دم سے حیات نو ملی ہے
ترا دست دعا معجز نما ہے
ترے کوچے کی پیارے خاک ہوں میں
تڑپ ہے آرزو ہے مدعا ہے

(محترم میاں غلام محمد صاحب اختر)

مؤرخ احمدیت۔محقّق اور باغ و بہار شخصیت

(مکرم راجا نصر اللہ خان صاحب۔ربوہ)

سلسلہ کے فدائی، مورخ احمدیت اور جید عالم محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب 26 اگست 2009ء کو اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔

دعا میری سدا یہ ہے تجھے جنت میں راحت ہو!

خاکسار مشن ہائی سکول ڈلوال سے میٹرک کا امتحان پاس کر کے 56-1955 میں مرکزِ سلسلہ ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج کا طالب علم بنا۔ان دنوں ربوہ کی آبادی کم کم اور کھلی کھلی تھی۔ربوہ کے اکثر باسی ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے تھے۔وہ سادگی اور خاص روحانی رونقوں کے دن تھے۔روزنامہ الفضل میں اکثر اعلان آجاتا کہ سلسلہ کے فلاں عالم یا بزرگ فلاں محلہ کی بیت الذکر میں تقریر کریں گے۔یہ اجلاس اور محفلیں بڑی دلچسپی اور روحانی رونق کا باعث ہوتی تھیں۔ہم لوگ بڑے شوق سے مختلف محلوں میں جا کر اپنے محترم علماء کی دلچسپ اور پُر مغز تقاریر سنا کرتے تھے۔

ایسے اجلاسات اور جماعتی تقاریب کے ایک خوش بیان اور پُر جوش مقرر محترم و مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد ہوتے تھے جن کی اکثر تقاریر ہم نے بیت المبارک میں سنیں۔آپ اپنی تقریر کے دوران خوبصورت آواز میں آیات قرآنیہ اور پاکیزہ شعر پڑھا کرتے تھے جو سامعین کو گرویدہ بنا لیتے تھے۔بحیثیت طالبعلم خاکسار کے ربوہ میں مقیم ہو جانے اور محترم مولانا کی خوبصورت تقاریر سے بہرہ مند ہونے کے جلد بعد ہی ان سے سلام دعا کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ان کی طبیعت اتنی ملنسار، مشفقانہ اور باغ و بہار تھی کہ ہم ان سے مل کر خوشی اور شادمانی محسوس کرتے تھے۔کالج کے ابتدائی زمانے کی ہی بات ہے کہ ایک جلسہ سالانہ کے دنوں میں ہم تین چار دوست ایک ٹھیلے کے پاس کھڑے ہو کر گنے کا رس پی رہے تھے کہ اتنے میں محترم مولانا کا وہاں سے گزر ہوا۔ہم لوگ سلام کرنے کے لئے لپک کر ان کے پاس پہنچے ۔حسبِ معمول بہت چاہت اور شفقت سے ملے۔ہم نے انہیں گنے کا رس نوش فرمانے کی دعوت دی اور وہ بخوشی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔

موضع دوالمیال میں مولانا کی پُر اثر تقریر

دوالمیال ضلع جہلم (حال ضلع چکوال) ہمارے آبائی قصبہ ڈلوال سے کوئی دو میل شمال میں واقع ہے۔اور علاقہ بھر میں بفضلہٖ ہمیشہ سے دوالمیال کی یہ خوش قسمت بستی احمدیت کا گڑھ رہا ہے۔جہاں قدیم دنوں سے گاؤں کے بالائی حصہ میں سفید پتھر کے چھوٹے سے ہوادار ٹیلے پر تعمیر شدہ احمدیوں کی اپنی کشادہ اور خوبصورت بیت الذکر موجود ہے (جسے اب مزید کشادہ اور خوبصورت بنایا گیا ہے) یہاں پر جماعت کا ایک اہم جلسہ ہوا۔یہ 1960ء کی دہائی کا واقعہ ہے جو ایوب خان کا دور تھا۔اس زمانہ میں لاؤڈ سپیکر کی اجازت تھی۔مرکز

سے محترم شیخ نور احمد منیر اور محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب تشریف لائے۔ان دنوں خاکسار کے بڑے بہنوئی مکرم ڈاکٹر راجہ نذیر احمد ظفر صاحب بھی ہمارے پاس ڈلوال آئے ہوئے تھے۔ بھائی جان ڈاکٹر صاحب اور میں بھی اس جلسے میں شریک ہوئے۔رات کے اجلاس میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب کی تقریر شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ نے سماں باندھ دیا۔ایک نکتہ مجھے اب تک یاد ہے۔ دوران تقریر آپ نے بیان کیا کہ اب امت محمدیہ سے ہی حضرت رسول کریم ﷺ کی پیروی میں امت کے مصلح پیدا ہوں گے اور حضرت عیسیٰؑ کے نزول جسدی کی یہ امت محتاج نہیں فرمایا بیٹے کے ہوتے ہوئے وراثت چچا کو منتقل نہیں ہوسکتی۔

پھر آپ نے مخالفین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: (راقم الحروف مفہوم عرض کرتا ہے) ہمارے درمیان اس مجلس میں مولانا نور احمد منیر صاحب موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے عربی زبان کے ماہر ہیں اور عرب ممالک میں جماعت کے داعی اور مربی کے طور پر خدمات انجام دے چکے ہیں۔ ان سے پوچھ لیجئے غلام کے معنے عربی زبان میں ''بیٹا'' کے ہوتے ہیں حضرت مرزا غلام احمد کے نام پر غور کریں۔پس امت محمدیہ کی روحانی وراثت امت کے روحانی بیٹوں کو ملے گی جو محمد رسول اللہ کے سچے خادم ہوں گے۔ باہر سے کسی کے آنے کی ضرورت اور گنجائش نہیں۔

خلافت حقہ کے سچے عاشق

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محترم مولانا صاحب احمدیت اور خلافت کے فدائی اور سچے عاشق تھے اپنے اخلاص و وفا اور خدمت و ایثار کی وجہ سے آپ کو حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ، حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے موجودہ محبوب امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ الودود کی گہری خوشنودی اور پذیرائی حاصل ہونے کا برابر شرف حاصل رہا۔خلافت کے ساتھ ان کی دلی وابستگی اور وارفتگی کا ایک واقعہ خاکسار کو یاد آرہا ہے۔ غالباً 1984ء کا واقعہ ہے۔ خاکسار کالج میں تعطیلات گرما کی وجہ سے مڈل ایسٹ سے ربوہ آیا ہوا تھا۔ چونکہ چھٹیوں کے دوران کچھ ہفتے ہی ربوہ میں عارضی قیام ہوتا تھا۔ اس لئے خاکسار گھر سے تانگے پر بیت الاقصیٰ میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے جاتا تھا۔ایک جمعہ کو خاکسار معمول سے کچھ لیٹ ہوگیا اور تانگے پر جاتے ہوئے جب گولبازار تک پہنچا تو محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب تیز تیز قدم چلتے ہوئے نظر آئے۔ میں نے فوراً تانگے والے کو رکنے کے لئے کہا اور بڑے احترام سے محترم مولانا کو تانگے پر سوار ہونے کے لئے عرض کیا۔محترم مولانا حسب عادت بہت تپاک سے ملے اور تانگے پر سوار ہوگئے۔ راستے میں فرمانے لگے کہ میں جمعے کے روز بھی خلافت لائبریری کے دفتر میں آکر بیٹھ جاتا ہوں اور منتظر رہتا ہوں کہ حضور (خلیفۃ المسیح الرابع) کی طرف سے کوئی حوالے وغیرہ کے متعلق پیغام موصول ہو تو فوراً تعمیل کروں اور پھر نماز جمعہ کے لئے بیت اقصیٰ پہنچ جاؤں۔

شاعر نے کیا خوبصورت بات کہی ہے:

جنونِ عشق کی رسم عجیب کیا کہنا
میں ان سے دور وہ مجھ سے قریب کیا کہنا

خطوط میں بھی عشق خلافت کی خوشبو

حقیقت یہ ہے کہ محترم مولانا کی علمیت اور نکتہ وری اور عاجزی وانکساری اور خاص طور پر خلافت سے عشق واطاعت کی صفاتِ حسنہ ان کے نجی خطوط میں بھی صاف جھلکتی ہیں۔

خاکسار اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہے کہ محترم مولانا کے کچھ نہایت ہی قابل قدر اور شفقت بھرے خطوط خاکسار کے پاس محفوظ ہیں۔ زیر نظر مضمون کے مندرجات کی مناسبت سے خاکسار ان میں سے کچھ اقتباسات درج کرے گا۔ ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ محترم مولانا کے عجز و بے نفسی اور دوسروں کے لئے تکریم اور شفقت کا یہ حال تھا کہ مثال کے طور پر جو خطوط انہوں نے خاکسار کو لکھے ہیں۔ ان میں القاب اور مندرجات اس عالی ظرفی اور کمال جذبۂ تشکر سے تحریر فرمائے کہ خاکسار "من آنم کہ من دانم" کے مصداق ان الفاظ کے مقابل شرمندہ ہوتا ہے۔ اور ان کو پوری طرح درج کرنے کی ہمت نہیں پاتا۔ صرف چند اقتباسات ہی پیش کرسکوں گا۔

دوسری بات ان خطوط کو پڑھنے سے یہ واضح ہوتی ہے کہ محترم مولوی صاحب اپنے ایک ایک لمحے کو قیمتی سمجھتے تھے اور کم سے کم وقت میں دوسرے امور کو نمٹا کر اپنے فرضِ منصبی میں جت جاتے تھے۔ اس لئے متذکرہ خطوط عجلت میں لکھے محسوس ہوتے ہیں۔

محترم مولانا اپنے 4 جنوری 2006ء کے خط میں جلسہ سالانہ قادیان 2005 میں شمولیت اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس کی عنایات اور خلافت کی برکات کا ذکر کرتے ہیں:۔

"تاریخی جلسہ سالانہ قادیان دارالامان کے بابرکت انعقاد اور سالِ نو کی صد مبارک اور تحفہ سالِ نو کا ازحد شکریہ۔ للہ الحمد کہ عاجز کو جلسہ سالانہ اور زیارت (...) نصیب ہوئی جس کا مجھے وہم وگمان نہ تھا۔ حضور نے تبرک بھی عطا فرمایا اور ملاقاتیوں کے ہجوم اور عشاق خلافت کے پروانوں کی کثرت کے دوران خود یاد کرکے شرف ملاقات بخشا اور بعض اہم ہدایات تاریخ سے متعلق دیں اور (حوالہ جات) لے جانے کی ہدایت فرمائی جو عاجز بخیریت تمام ربوہ لے آیا ہے۔ قادیان سے مطبوعہ دو کیلنڈر ہدیہ ہیں۔ "ہوشیار پور ٹائمز" اور "ہند سماچار" کے چیف ایڈیٹر نے پون گھنٹہ انٹرویو لیا۔ اور آخر میں فرطِ عقیدت سے پانچ سو روپے بھی پیش کئے جو عاجز نے چندہ خدمت درویشاں میں اسی وقت جمع کرا دیئے۔ الحمد للہ ہندوستان بھر کے اردو ہندی اور انگریزی پریس نے حیرت انگیز کوریج دیا۔"

(از مکتوب محررہ 4-1-2006)

تاریخ احمدیت کی خدمت محض فضلِ الٰہی اور خلفائے اربعہ کی دعاؤں کا نتیجہ

خاکسار نے ایک خط میں محترم مولانا کی "تاریخ احمدیت" کے سلسلہ میں عظیم خدمات کا ذکر کیا تو اپنے 26 اکتوبر 2008ء کے مکتوب گرامی میں یہ بھی تحریر فرمایا:

"دراصل تاریخ اور اس کے مندرجات محض اللہ کے فضل اور خلفائے اربعہ کی دعاؤں کا کرشمہ ہے میں تو صرف ایک پُر معصیت و پُر گناہ غلامان محمد کی جوتیوں کا ادنیٰ ترین غلام ہوں اے کاش حشر کے روز رب غفور کی چادر مغفرت مجھ

نالائق کو بھی ڈھانپ لے......"

اور خط کے آخر میں یہ وجد آفریں الفاظ تحریر کئے:۔

خاکپائے مسرور شاہد

باغ و بہار شخصیت

محترم مولانا کو جنابِ الٰہی سے یہ خاص وصف عطا ہوا تھا کہ وہ ہر ملاقاتی کو مسکراتے چہرے کے ساتھ بڑے تپاک سے ملتے اور کوئی نہ کوئی علمی وروحانی نکتہ بھی گوش گزار کر دیتے۔اسی طرح جب کسی محفل میں شریک ہوتے تو اپنی باغ و بہار شخصیت کی وجہ سے پوری محفل کی رونق بن جاتے تھے۔اپنے وسیع علم و فضل کی وجہ سے علمی اور روحانی باتوں سے اہل مجلس کو مستفیض فرماتے اور ساتھ ساتھ لطیف مزاح اور واقعات سے دوستوں کو خوب محظوظ بھی کرتے تھے۔ پاکستان کی گولڈن جوبلی (اگست 1997ء) کے موقع پر جامعہ احمدیہ ربوہ میں ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں سامعین نے محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب کا معلومات افزاء اور خصوصی بیان سنا۔محترم یوسف سہیل شوق صاحب مرحوم اور خاکسار کو بھی کچھ بیان کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔تقریب کے بعد پرنسل جامعہ احمدیہ محترم میر محمود احمد صاحب ناصر باکمال شفقت مقررین اور چند دوستوں اور سٹاف ممبران کو اپنے دفتر میں لے گئے اور ٹھنڈے مشروب سے تواضع فرمائی۔جب محترم مولانا صاحب شیزان کی ایک بوتل نوش فرما چکے تو محترم میر صاحب کے ارشاد پر دوسری بوتل پیش کی گئی۔محترم مولانا صاحب مشروب پینے کے ساتھ ساتھ اپنی دلنشیں گفتگو بھی جاری رکھے ہوئے تھے کہ محترم میر صاحب کے اشارے پر شیزان کی تیسری بوتل مولانا کے سامنے آ گئی۔مولانا نے بوتل پکڑی اور مسکراتے ہوئے فرمایا "اچھا تثلیث سے مقابلہ ہے؟" آپ کی اس لطیف بذلہ سنجی پر پوری محفل کشت زعفران بن گئی۔

کتابوں کی سچی لگن اور مطالعہ کی حیرت انگیز وسعت

محترم مولانا کی کتابوں کے ساتھ گہری محبت اور حد درجہ وسعت مطالعہ کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ الودود نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 2009ء میں حضرت مولوی صاحب کی خصوصیات کا ذکر فرماتے ہوئے انہیں انسائیکلو پیڈیا قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ان کی ذاتی لائبریری میں آٹھ ہزار کے قریب مختلف النوع کتب موجود ہیں۔قارئین کرام! غور فرمائیے خلافت لائبریری کی بے شمار کتب اور رسائل و جرائد کا وسیع مطالعہ اس کے علاوہ ہے۔محترم مولانا کا ایک مضمون روزنامہ الفضل مورخہ 14 مارچ 2008ء میں شائع ہوا تھا۔جس میں آپ نے ان غیر معمولی اور ممتاز بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔جن کا شوق مطالعہ انہیں دنیا و ما فیہا سے بے خبر کر دیتا تھا۔یہ مثالی بزرگ کتابوں کے حصول اور حفاظت کے لئے بے حد مشقت اور محنت کرتے تھے اور بے دریغ خرچ برداشت کرتے تھے۔

اگر غور کیا جائے تو اس دور میں محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب اپنے مطالعہ اور کتابیں جمع کرنے اور پڑھنے میں بے حد نمایاں اور ممتاز نظر آئیں گے۔انہیں پرانی اور نئی ہر طرح کی کتابیں پڑھنے کا بے حد شوق اور محاورہ حاصل تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ان کے لئے ''چوٹی کے عالم'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو قابلِ ہزار رشک ہیں۔

خاکسار نے اردو زبان میں اپنی پہلی تصنیف ''جو دل پہ گزرتی ہے'' کا تحفہ محترم مولوی صاحب کی خدمت میں ارسال کیا تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور خاکسار کی بے حد پذیرائی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ محترم مولانا نے اپنے 7 اکتوبر 1991ء کے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

''آپ کی نئی اور حقیقت افروز علمی پیشکش ''جو دل پہ گزرتی ہے'' پہنچی اور باعث مسرت وموجب افتخار ہوئی۔ اس معلوماتی مرقع پر ہدیہ تبریک قبول فرمایئے

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

آپ جس علمی جہاد میں مصروف عمل ہیں اس میں آپ کو جناب الٰہی سے ہر لحہ روح القدس کی تائید خاص حاصل رہے..... اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص اندازِ تحریر اور اسلوب بیان سے نوازا ہے اور یہ منفرد کمال بھی بخشا ہے کہ آپ کے قلم سے انگریزی کا اردو ترجمہ بالکل اصل معلوم ہوتا ہے جو ترجمانی کا نقطۂ عروج کہلاتا ہے.....''

خط کے آخر میں یہ بھی تحریر فرمایا:

''اے کاش خاکسار کو آپ کی ان دوسری رشحات قلم کی زیارت بھی نصیب ہوسکتی جن سے میری ذاتی لائبریری ابھی تک محروم ہے۔ دوبارہ شکریہ''۔

خاکسار نے پہلی فرصت میں انگریزی گریمر اور انگریزی بول چال کے موضوع پر دونوں کتابیں بصد شوق و احترام جناب مولانا کو پہنچادیں۔

''ہم محبت سے محبت کا صلہ دیتے ہیں''

محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب نے بکمال شفقت اپنی کچھ کتب اس عاجز کو بطور تحفہ عنایت فرمائیں جو علم وعرفان کے موتیوں سے لبریز ہیں۔ آپ اپنے 24 اکتوبر 1996ء کے نوازش نامہ میں کس قدر شفقت اور عالی ظرفی سے تحریر فرماتے ہیں:۔

''تعمیر وترقی پاکستان اور جماعت احمدیہ'' کا بیش قیمت علمی تحفہ باعث افتخار ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وقلم کو بے پناہ برکتوں سے نوازے آمین۔ خاکسار کی ایک نئی تالیف نظارت اشاعت ہی نے شائع کرائی ہے جس کا ایک نسخہ بغرض دعا نہایت ادب کے ساتھ ہدیۂ پیش خدمت ہے گر قبول افتد زہے عز وشرف۔ برگِ سبز تحفہ درویش.....''

(از مکتوب محررہ 24، اکتوبر 1996ء)

گزشتہ سال (2008ء) بھی آپ نے اپنی دو تازہ تصنیفات بطور تحفہ عنایت فرمائیں اللہ نے چاہا تو ان کا بھی آئندہ ذکر کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

محترم مولانا کی شفقت کا ایک اور انداز خاکسار کو یاد آرہا ہے۔ عند الملاقات کئی بار خاکسار سے فرمایا کہ ''لاہور'' اور ''الفضل'' میں آپ کا فلاں مضمون پڑھا۔ مبارک ہو''۔ بلکہ ایک دو دفعہ تو حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے متعلق خاکسار کے مضمون کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ میں نے آپ کا مضمون دو دفعہ پڑھا ہے۔ یہ تھا انداز محترم مولانا کی شفقت اور عزت افزائی کا۔

انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیادہ!

خاکسار کی والدہ محترمہ کی وفات پر ڈھارس بندھائی

خاکسار کی والدہ محترمہ سعیدہ بیگم صاحبہ (جو حضرت محمد خان آف کپورتھلہ یکے از 313 کی پوتی تھیں) بقضائے الٰہی مورخہ 10 دسمبر 2003ء کو وفات پا گئیں تو جنازہ کے بعد محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب اور محترم مولانا سلطان محمود انور صاحب دونوں بزرگوں نے بہت شفقت فرمائی اور خاکسار سے تعزیت کرنے کے لئے اکٹھے بہشتی مقبرہ پہنچے۔ خاکسار کے غم میں شریک ہوئے اور حوصلے اور دعا سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

پریشانی و بیماری میں الٰہی حکمت اور مداوا

خاکسار کو ماہ ستمبر 2005ء میں بائیں پاؤں کی ایڑی میں اچانک اور شدید درد کی شکایت ہو گئی۔ کافی علاج کیا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ خاکسار نے حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی اور پھر محترم مولانا کو بھی دعا کے لئے لکھا۔ آپ نے اپنے 12 اکتوبر 2005ء کے نامۂ گرامی میں جماعت پر خدا تعالیٰ کے خاص فضل کا بھی ذکر فرمایا:

''میں سمجھتا ہوں کہ یہ بیماریاں اور دوسرے تفکرات تو جناب الٰہی کی طرف سے محض دعا کی طرف متوجہ کرنے کا ایک پیارا طریق ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ہم پر کتنا فضل ہے کہ خلافت خامسہ جیسی انقلابی خلافت کا ہم پر سایہ ہے۔ ڈھائی سالہ دور میں دنیا کا نقشہ کس طرح بدل گیا ہے اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے''۔ اور خط کے آخر میں سچے عاشق خلافت نے تحریر کیا:

خاکپائے مسرور ناچیز شاہد

مزاح کی لطیف حس

محترم و مکرم مولانا کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ اپنے خطوط کو وقتاً فوقتاً خوبصورت اشعار اور مزیدار نکات سے مزین فرماتے جو تحریر کو بے حد شگفتہ بنا دیتے۔ آپ اپنے مکتوب مورخہ 9 مئی 2006ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''...... اول: آپ کی شاہکار نگارشات کا مرقع ''حاصل شام و سحر'' تو پہلے ہی خاکسار کی لائبریری کی زینت ہے اب پریکٹیکل سائنس کی حیثیت سے اس کا نہایت خوش ذائقہ اور نقرئی اور سفید براق کا حامل پہلا ایڈیشن (مراد آئس کریم ہے۔ ناقل) بھی عطا ہو گیا ہے......

دوم: یہ محبتوں کے تحفے جو کبھی مکہ و مدینہ میں نظر آتے تھے آج ربوہ میں جلوہ آراء ہیں۔

یہ معمورۂ محبت کا امیں ہے
یہاں انسان سے نفرت نہیں ہے
یہاں دشمن سے بھی مہر و محبت
بنام رحمۃ للعالمین ہے

(سعید اعجاز)

سوم: بہر کیف ذرہ نوازی کا ''سخت'' شکریہ۔ سخت اس لئے کہ گرمی بھی سخت تھی کہ آنمکرم کی برکت سے غیب سے برفانی aid پہنچ گئی جو خالص تصرف الٰہی ہے''۔

مولانا جامی کا خوبصورت اور دلنشیں شعر

محترم و مولانا دوست محمد شاہد صاحب جذبۂ تشکر اور فروتنی اور خوفِ الٰہی کے پیکر تھے معمولی تحفے کی بھی بے حد قدردانی فرماتے۔ محترم مولانا تقویٰ اور آخرت کو ہر وقت

مدنظر رکھتے۔ ایک خط میں انہوں نے مولانا جامی کا نہایت ہی اثر پذیر اور دلآویز شعر رقم کیا۔ 5 جون 2005ء کے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"......جزاکم اللہ آتشیں فضا میں برفانی تحفہ (آئس کریم۔ ناقل) عطا ہوا جو آپ کے معجز نما خلوص اور اخوت (...) کا عکاس ہے۔ جس کا شکریہ ادا کرنے کو الفاظ نہیں پاتا ......احقر کو بھی نیم شبی دعاؤں میں یاد رکھنے کی عاجزانہ درخواست ہے۔

چوں بازوے شفاعت راکشائی بر گنہگاراں
مکن محروم جامی را براں یا رسول اللہ
خاکپائے مسرور شاہد

معلومات اور حوالوں کے بادشاہ

جس ہستی کو حضرت خلیفۃ المسیح نے "انسائیکلو پیڈیا" اور "حوالوں کے بادشاہ" کا خطاب دیا ہو اس کے علم وفضل اور حافظے کا کیا کہنا!

خاکسار کو یاد ہے ایک دفعہ گولبازار میں ایک جماعتی جلسہ ہوا۔ یہ 1980ء کی دہائی کی بات ہے۔ خاکسار کو وہ جلسہ سننے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ محترم مولانا نے اپنی تقریر کے دوران قبل از تقسیم ہند کے ایک اخبار کا پرانا پرچہ سامعین کو دکھا کر اس میں سے ایک اہم حوالہ پڑھا اور بتایا کہ یہ پرچہ وہ قادیان سے ہجرت کے موقع پر اپنے ساتھ لائے تھے۔ مطلب یہ کہ وہ حوالے بہت سنبھال کر رکھتے تھے اور وسیع مطالعہ کے بے حد شائق تھے یعنی حوالوں کے بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ کتابیں پڑھنے کے بھی بادشاہ تھے۔

ایک دفعہ ایک دوست نے مجھ سے ذکر کیا کہ انہیں خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد کے بارہ میں کچھ معلومات درکار ہیں۔ میں نے یہ استفسار حضرت مولانا کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ آپ نے فوراً جواب عنایت فرماتے ہوئے بکمال شفقت تحریر فرمایا:

".... عنائت نامہ کے لئے ممنونِ احسان ہوں۔ **فجزاکم اللہ**۔ عرض خدمت ہے کہ تاریخ سے بالبداہت ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے نو صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں۔ اولاد میں مشہور صرف حضرت ابان بن عثمانؓ ہوئے جو مدینہ منورہ میں سات برس تک گورنر رہے اور جن کا شمار مدینہ کے دس ممتاز اور نامور فقہاء میں ہوتا ہے۔ یہ سب تفصیلات اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) جلد 12 ص 1010 اور جلد 1 ص 334، 335 میں بھی موجود ہیں۔"

(مکتوب مورخہ 29 اکتوبر 1996ء)

مناظرہ ڈلوال کا حوالہ

جب خاکسار تعلیم الاسلام کالج کے طالب علم کے طور پر ربوہ میں آکر رہائش پذیر ہوا تو ہمارے کزن رانجہ محمد نواز صاحب نے ایک دو دفعہ ذکر کیا کہ ہمارے علاقہ میں ڈلوال میں جو مناظرہ احمدی علماء اور مخالف مولوی لال حسین اختر کے درمیان ہوا تھا اس کا ذکر تاریخ احمدیت میں موجود ہے۔ یہ بات تو خاکسار کو ذہن نشین ہوگئی لیکن مزید کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ اس بات کو سالہا سال گزر گئے یہاں تک کہ جب میں 1985ء میں بیرون ملک سے وطن واپس آگیا اور ربوہ میں

سکونت پذیر ہوا تو میرے دل میں اس بات کی آرزو پیدا ہوئی کہ مناظرہ ڈلوال کی کچھ تفصیل معلوم کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں خاکسار نے مکرم منور احمد عارف صاحب آف کلر کہار کی مدد سے کافی مواد جمع کر لیا۔ یہ مناظرہ دسمبر 1944ء میرے والد صاحب راجہ فضل داد خان رئیس ڈلوال نے کرایا تھا۔

تاریخ احمدیت کے حوالہ کے لئے میں نے محترم مولانا کو عرض کیا تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا:

"مناظرہ ڈلوال" کا ذکر تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 238 پر زیب اشاعت ہوا ہے۔ یہ معلوم کر کے از حد مسرت ہوئی کہ قلمی مجاہد اخبار "دن" کے اندھیروں کو پاش پاش کرنے میں مصروف ہیں (خاکسار کے ایک جوابی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ ناقل) رب کائنات آسمانی فرشتوں سے نصرت فرمائے۔

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ان کو ستانے والے

خاکپائے مسرور احقر العباد دوست محمد شاہد

(مکتوب مورخہ 19 نومبر 2007ء)

لیکن جو بات انتہائی حیرت کا باعث ہے وہ یہ کہ جب خاکسار نے متذکرہ مناظرے کی روداد کو ایک مضمون کی شکل میں لکھنے کا ارادہ کیا (جو امسال الفضل انٹرنیشنل میں شائع ہو چکا ہے۔ الحمدللہ) تو محترم مولانا سے درخواست کی کہ وہ تاریخ احمدیت کے حوالہ کی فوٹو کاپی عنایت فرمائیں۔ آپ نے اس حوالہ کے علاوہ یہ کمال کیا کہ روزنامہ الفضل قادیان مورخہ 11 دسمبر 1944ء کے ص 6 کی فوٹو سٹیٹ دس منٹ میں مہیا فرما دی جس سے خاکسار کو اصل ماخذ مہیا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزائے خیر عطا کرے۔

جشن خلافت احمدیہ صد سالہ اور سو مبارک کا آسمانی تحفہ

خلافت احمدیہ صد سالہ جوبلی کے خاص موقع پر خاکسار کے مبارکباد کے خط میں محترم مولانا نے کئی علمی نکات تحریر فرمائے اور ساتھ انجیل برناباس کے حوالے کی فوٹوسٹیٹ بھی ارسال فرمائی۔

"...... اول: جشن صد سالہ خلافت کی حضرت مسیح الزماں کے الہامی اور مقدس کلمات میں "سو مبارک"۔

دوم: ایک بار حضرت مسیح موعود کو عید کی صبح الہام ہوا جس پر حضرت نے یہ لطیف فقرہ لکھا ہے کہ عید کے دن دستور ہے کہ پیارے دوست ایک دوسرے کو تحفہ دیتے ہیں سو میرے محبوب خدا نے مجھے یہ تحفہ عطا فرمایا۔ **جزاکم اللہ ثم جزاکم اللہ** آپ کا بیش قیمت "تحفہ عید" باعث افتخار و اعزاز ہوا۔

دراصل فصحاء عرب جوبلی کے لئے عید کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

سوم: ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انجیل برناباس باب 82 میں حضرت مسیح ناصری کی یہ پیشگوئی موجود ہے کہ میں تو بنی اسرائیل کا مسیح ہوں عالمگیر مسیح کے زمانہ میں ہر سال جوبلی منائی جایا کرے گی۔ (ساتھ ہی اصل حوالے کی فوٹو کاپی بھی ارسال فرمائی۔ ناقل) علم و عرفان میں مزید اضافہ

کے لئے یہ نکتہ بھی ہے کہ مائۂ عام قرآنی الفاظ مسیح موعود کو بھی الہام ہوئے جن میں خبر دی گئی کہ سو سال کے بعد بستی (Global Village) کا احیاء مقدر ہے۔ سو اس انقلاب انگیز جوبلی کی بے شمار مبارکبادیں ہوں۔ دوبارہ شکریہ۔ ہزار بار شکریہ۔ خاکپائے مسرور شاہد

(مکتوب مورخہ 25 مئی 2008ء)

ہمارے خاندان پر محترم مولانا کا عظیم احسان

خاکسار نے چند سال پہلے اپنے والد محترم راجہ فضل داد خان (جنہیں ڈلوال کا پہلا احمدی ہونے کا شرف حاصل ہوا) اور ڈلوال کے دوسرے احمدی گھرانے جس کے سربراہ ہمارے کزن راجہ محمد نواز صاحب تھے، کے حالات اور واقعات پر مبنی ایک مضمون تحریر کیا تھا۔ جو مؤقر الفضل ربوہ میں بعنوان ''ڈلوال میں نفوذ احمدیت اور ہمارے خاندانی حالات'' دو قسطوں (3 مارچ 2005ء اور 4 مارچ 2005ء) میں شائع ہوا تھا۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب کا احسان عظیم ہے کہ انہوں نے میرے والد محترم راجہ فضل داد خان صاحب (سن وفات 1959ء) سے متعلق متذکرہ مضمون کا حصہ تاریخ احمدیت جلد 20 (جس میں 1960ء کے آخر تک کے حالات وواقعات درج ہیں) میں شامل فرمادیا۔ اس بے نفسی اور بے لوث شفقت کے ساتھ کہ خاکسار کو بطور احسان جتلانا تو ایک طرف رہا کوئی ذکر تک نہیں کیا کہ وہ خاکسار اور خاکسار کے خاندان پر قیامت تک کے لئے یہ احسان کر رہے ہیں۔ تاریخ احمدیت کی جلد 20 شائع ہونے کے قریب تھی تب شعبۂ تاریخ کے مربی مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب نے خاکسار کو فون پر یہ عظیم خوشخبری دی اور خاکسار کا دل اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور محترم مولانا کی عنایت والتفات کے جذبۂ شکر سے بھر گیا۔ یہاں مجھے محترم ثاقب زیروی صاحب کا وہ دعائیہ مصرع یاد آ رہا ہے جو محترم مولانا دوست محمد شاہد کو بے حد پسند تھا اور خاکسار کے نام کئی خطوں میں انہوں نے تحریر کیا اور آج میں یہ مصرع محترم مولانا کے لئے تحریر کر رہا ہوں۔

تیرے اس لطف کی اللہ ہی جزا دے ساقی!

حضرت مصلح موعود کا دنیائے احمدیت پر تاقیامت احسان

قدرتی بات ہے کہ خاکسار نے محترم مولوی صاحب کی اس عظیم و بے لوث عنائت پر دلی شکریے کا خط لکھا۔ محترم مولوی صاحب نے جوابی خط میں حضرت مصلح موعود اور تاریخ احمدیت سے متعلق بہت پیاری باتیں تحریر کی ہیں۔

محترم مولوی صاحب کا خط ان شفقت بھرے الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

''میرے نہایت ہی پیارے اخویم پروفیسر راجا نصر اللہ خان صاحب آپ کے زندۂ جاوید والد بزرگوار پر رشک آتا ہے............''

مرنے کے بعد ہم کو زمیں پر نہ کر تلاش
ہم عارفوں کے سینہ میں رکھتے ہیں بودو باش

دراصل یہ احسان عظیم دنیا پر قیامت تک کے لئے سیدنا حضرت مصلح موعود کا ہے جن کی توجہ خاص اور فرمان

خاص سے 25 جون 1953ء کو ''تاریخ احمدیت'' کا ننھا پودہ لگا جواب تناور درخت بن گیا ہے اور اب صرف 2008ء تک کے حالات کے دس سال کا مسودہ باقی ہے۔ میں نے حضور کی خدمت میں اپنی نالائقی اور بے بضاعتی کا عذر پہلے ہی دن پیش کر دیا تھا جس پر مقدس ومحبوب آقا نے فرمایا خلیفہ وقت جسے کوئی خدمت سپرد کرتا ہے اس کے لئے دعا بھی کرتا ہے۔ اور خلفاء کی حقانیت کا ثبوت یہی قبولیت کا نشان ہے۔

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

(ازمکتوب مورخہ 2008-10-9)

یقیناً محترم مولوی صاحب اپنی دن رات کی خدمات اور خلافت کے ساتھ دیوانہ وار وابستگی اور وارفتگی کے باعث بفضلہ تعالیٰ حضرت مصلح موعود کے اس شعر کے مصداق تھے۔

عاقل کا یہاں پر کام نہیں وہ لاکھوں بھی بے فائدہ ہیں
مقصود مرا پورا ہو اگر مل جائیں مجھے دیوانے دو

☆☆☆

ہے لعل و جواہر کی مالا خلافت
ہے نور نبوت کا ہالہ خلافت
تھی باطل کی تاریکی چھائی جہاں میں
تو ہے راہ حق کا اُجالا خلافت
کہ کبر اور نفرت کے اس دور میں بھی
ہے الفت کے شربت کا پیالہ خلافت

(از: مکرم محمود انور صاحب)

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی اولاد

آپ کی اہلیہ محترمہ سلیمہ بیگم صاحبہ کی وفات 22 مئی 1990ء کو ہوئی تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا اور پانچ بیٹیوں سے نوازا۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

☆مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب کارڈیالوجسٹ فضل عمر ہسپتال ربوہ و جنرل سیکرٹری احمدیہ میڈیکل ایسوسی ایشن پاکستان۔

☆محترمہ شاہدہ بشریٰ صاحبہ اہلیہ مبارک احمد طاہر صاحب وائس پریذیڈنٹ نیشنل بینک آف پاکستان، واپڈا ٹاؤن لاہور۔ (مکرم مبارک احمد طاہر صاحب سانحہ لاہور 28 مئی 2010ء کو راہ مولیٰ میں قربان ہو گئے تھے)۔

☆محترمہ طاہرہ صدیقہ صاحبہ اہلیہ مکرم محمد سرور بٹ صاحب ٹورانٹو کینیڈا۔

☆محترمہ ناصرہ مبشرہ صاحبہ اہلیہ مکرم خالد اقبال صاحب سٹیٹ لائف سوسائٹی لاہور۔

☆محترمہ خالدہ منور صاحبہ اہلیہ مکرم منور احمد عباسی صاحب جوہر ٹاؤن لاہور۔

☆محترمہ قانتہ بشریٰ صاحبہ اہلیہ مکرم عبدالوہاب رازی صاحب آف کنری (حال فرینکفرٹ جرمنی)۔

آپ کی اولاد میں 2 پوتے، 9 نواسے اور 4 نواسیاں شامل ہیں۔

(روزنامہ الفضل 27 اگست 2009ء)

☆☆☆☆☆

باتیں ان کی یاد رہیں گی!

(مکرم محمد اعظم اکسیر صاحب۔ تحریک جدید ربوہ)

کچھ لوگ اپنی گفتگو اور رنگا رنگ متنوع، مدلل اور پرمغز باتوں کے سبب ہمیشہ سرسبز اور تازہ اور سدا بہار رہتے ہیں۔ قابل احترام مورخ سلسلہ ''حوالوں کے بادشاہ'' تحریر و تقریر کے دھنی حاضر جواب و حاضر دماغ پیارے مولانا دوست محمد شاہد مرحوم ایسے ہی نابغہ روزگار وجود تھے۔ قلب و روح کی دنیا انہیں ماضی کی نہیں ہر دور کی شخصیت مان چکی ہے۔

غالباً 1958ء کا واقعہ ہے کہ پہلی دفعہ آپ سے ملاقات ہوئی۔ بھیرہ ضلع سرگودھا میں آپ بسلسلہ ''تاریخ احمدیت'' تشریف لائے۔ شوق وخلوص سے پورا وقت دینے کی پیشکش کی جسے قبول کرتے ہوئے آپ غریب خانہ میری ''دعوت'' قبول کر کے میرے ساتھ ہی پہنچے تو عجیب حالت تھی۔ بہر حال گھر سے باہر کئی مکانوں کے مشترکہ وسیع احاطہ میں چارپائی ڈال دی اور اندر گیا اور کھانا لے آیا۔ کھانا کیا تھا؟ ایک ٹرے میں دال، روٹی، اچار اور پانی۔ مجھے آج تک محترم مولانا کی وہ باتیں یاد ہیں جو آپ نے کھانے کی تعریف اور وہاں پہنچنے پر غیر معمولی ''مزا'' آنے سے متعلق کہیں۔ ان باتوں کے پیچھے پوشیدہ شخصیت کو مجسمۂ تشکر و امتنان کہوں یا سراپا ذرہ نواز و دلنواز۔ ان لفظوں کی خوشبو آج بھی میرے من کو مہکا رہی ہے۔

ایک خوشگوار تاریخی واقعہ

محترم مولانا صاحب نے بھیرہ میں جو مکانات دیکھنے اور کام کرنے تھے وہ واضح طور پر ان کے پاس نوٹ تھے۔ اللہ کا بے حد شکر ہے کہ مجھے بھرپور معاونت کی سعادت ملی۔ ہم دونوں پیدل چلے اور بہت چلے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا گھر جس میں حضور کا حجرہ ولادت بھی موجود ہے اور مدت سے یہ گھر خدا کا ہو چکا ہے۔ اس لیے اس کا نام ''بیت النور'' ہے۔ حجرہ ولادت میں نصب عظیم الشان چوبی دروازہ وقت کے عظیم کاریگر مخلص احمدی جمعہ خان صاحب کا ساختہ ہے۔ انہوں نے دو دروازے تیار کیے تھے۔ جس میں سے ایک ''بیت النور'' میں لگا ہوا ہے اور دوسرا سرکاری عجائب گھر لاہور میں محفوظ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے نام پر قائم ''کوچہ نورالدین'' آپ کے پنڈ دادنخان جانے گھوڑے کا راستہ، شاہ پور جانے کا راستہ، مزار مولوی دلپذیر صاحب، بھیرہ کا قدیم سکول اور وہ ہسپتال جس میں کبھی بیڈ لگتے تھے، اور حضور کے مطب سے منسلک تھا۔ اب ایک پرائمری سکول کی شکل میں موجود تھا۔ بھیرہ کے آثار قدیمہ یعنی شیر شاہ سوری سے منسوب شیش محل، شاہی مسجد، چیک پوسٹ، فصیل، خندق، سرکلر روڈ پر بنے بڑے بڑے گیٹ، عیسائیوں کی ویران شدہ عمارات جن میں شہر سے باہر بڑے پادری کی کوٹھی، وسیع لائبریری وریڈنگ روم، گیسٹ ہاؤس اور دیگر دفاتر شامل تھے مولانا صاحب تفصیلی سیر سے بہت محظوظ ہوئے۔

لیکن اصل کام ''تاریخی مواد'' کا کھوج تھا۔ خوش قسمتی سے میری دور کی عزیز داری بعض ان بزرگوں سے تھی جو

''انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور'' کے مرکزی راہنما تھے خاص طور پر محترم محمد عیسیٰ پراچہ صاحب ''مجلس معتمدین'' کے ممبر اور سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے دست مبارک پر احمدیت قبول کرنے والوں میں شامل تھے اور ان کے گھر بہت قیمتی ذخیرہ کتب موجود تھا۔ محترم مولانا صاحب کی ہدایات دل میں لیے مجھے متعدد دفعہ محترم محمد عیسیٰ پراچہ صاحب کے ہاں جانے کا موقع ملا اور وہاں سے بڑی قیمتی معلومات حاصل ہوئیں۔ جو من وعن محترم مولانا صاحب کے حوالے کردیں۔ انہی میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا 1902ء میں لیا گیا وہ تاریخی اور نادر فوٹو بھی شامل ہے جو تاریخ احمدیت جلد سوم میں شائع ہو چکا ہے۔ فوٹو میں حضور کی دائیں ران پر آپ کے صاحبزادہ میاں عبدالحیٔ صاحب بیٹھے ہیں۔ یہ فوٹو ایک فریم میں کمرے کی دیوار میں لگا ہوا تھا اور میں نے بڑی لجاجت سے محترم محمد عیسیٰ پراچہ صاحب کو آمادہ کر کے حاصل کیا۔

ایک دوسرے موقع پر محترم مولانا صاحب کی زبان سے سنا کہ ایک نادر کتاب ''قاطع الانف الشیعہ الشنیعہ'' مطلوب ہے۔ مگر کہیں سے مل نہیں رہی۔ مجھے کتب جمع کرنے کا فطری شوق عطا ہے۔ بھیرہ میں بہت لوگ ہیں جن کے گھروں میں علمی خزانے مدفون ہیں جن تک رسائی بہت کچھ دیتی رہی۔ جو حوالہ محترم مولانا صاحب نے بتایا وہ مجھے یاد آ گیا اور اس طرح میری خوش قسمتی تھی کہ بھیرہ سے لا کر مطلوبہ کتاب پیش کر دی اور محترم مولانا صاحب نے اس پر جو شکریہ کا خط لکھا وہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ بعد میں بہت دفعہ ملنے پر مولانا صاحب اس عظیم الشان تحفہ کا ذکر

دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی

جن کو نشانِ حضرت باری ہوا نصیب
وہ اس جناب پاک سے ہر دم ہوئے قریب
کھینچے گئے کچھ ایسے کہ دنیا سے سو گئے
کچھ ایسا نور دیکھا کہ اس کے ہی ہو گئے
بن دیکھے کیسے پاک ہو انساں گناہ سے
اس چاہ سے نکلتے ہیں لوگ اس کی چاہ سے
بن دیکھے کس طرح کسی مہ رخ پہ آئے دل
کیونکر کوئی خیالی صنم سے لگائے دل
دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی
حسن و جمال یار کے آثار ہی سہی

(کلام حضرت اقدس مسیح موعودؑ)

فرماتے رہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

محترم مولانا صاحب ہمیشہ مسکراتے چہرہ کے ساتھ تپاک سے ملتے جیسے صدیوں کے پیار والا مدتوں بعد ملا ہو۔ جو القابات استعمال فرماتے سن کر ندامت سی ہونے لگتی جیسے ہمارے مجاہد، خدا کے شیر، مخدوم و معظم وغیرہ کے ساتھ حضرت کا لاحقہ اور کسی معمولی بات کا تذکرہ بھی ''احسان عظیم'' اور ہمالیہ سر کرنے کے الفاظ ہیں۔ آج سوچتا ہوں کہ دراصل پیارے مولانا صاحب ان سب لفظوں میں پوشیدہ عزت و وقار اور احترام و اعزاز کی طرف گویا دعائیہ اشارہ کر رہے ہوتے تھے۔ اس طرح کا پر جوش ''استقبال'' میل ملاپ صرف لفظی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ مختلف مواقع پر قسم قسم کے میوے اور خشک و تر کھانے کی چیزیں بھی پیش فرماتے۔ اب بھی منہ میں ڈرائی فروٹس کے علاوہ باداموں، سونف، تلوں اور السی وغیرہ کی تیار کردہ پنیوں کا مزا آ رہا ہے۔

بارعب شخصیت

(مکرم جمیل احمد انور صاحب۔ربوہ)

محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب (مورخ احمدیت) کی بارعب آواز و انداز کی وجہ سے خاکسار کے ذہن پر انکی رعب دار شخصیت کا عنصر غالب تھا اور ان سے بات کرتے ہوئے ایک قسم کا حجاب رہتا تھا کہ کہیں کوئی گستاخی نہ ہو جائے یا محترم مولانا صاحب کے مزاج کے خلاف کوئی بات نہ ہو جائے، اسی حجاب کی وجہ سے متعدد بار کسی علمی کام کے بارے میں مشورہ لینے کا خیال آتا تو یہی کوشش ہوتی کہ کسی اور دوست کی مدد سے یہ بات پوچھ لی جائے۔خود سامنے آنے سے گھبراہٹ محسوس ہوتی تھی۔

لیکن خاکسار کو قریب رہ کر آپکی شخصیت دیکھنے کا اور خدمت کرنے کا موقع اس وقت ملا جب آپ فضل عمر ہسپتال میں ایکسیڈینٹ کی وجہ سے ٹانگ فریکچر ہونے کے بعد داخل ہوئے۔

جامعہ احمدیہ کی طرف سے روزانہ رات کو طلباء جامعہ احمدیہ کی ڈیوٹی ہوتی تھی کہ محترم مولانا صاحب کی ضروریات کا خیال رکھا جائے اور انکو آرام پہنچایا جائے چنانچہ اسی سلسلہ میں خاکسار نے دو راتیں مسلسل ڈیوٹی دی اور محترم مولانا صاحب کو ایک باپ کی طرح شفیق اور خلافت احمدیہ کا شیدائی انسان پایا۔

پہلی رات جب خاکسار ڈیوٹی کے لیے محترم مولانا صاحب کے پاس پہنچا تو تمام ضروری ہدایات کے بعد ہسپتال کا عملہ روانہ ہو گیا کہ فلاں فلاں دوائی اس جگہ پڑی ہے اور اس اس وقت وہ کھلانی ہے وغیرہ۔تو جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ ایک قسم کا رعب خاکسار کے دل پر طاری تھا اور خاکسار یہ سوچ رہا تھا کہ اگر محترم مولانا صاحب کو کسی چیز کی ضرورت پڑی تو وہ مجھے کس طرح پکاریں گے اور اگر خدانخواستہ میری آنکھ لگ گئی تو محترم مولانا صاحب کو میری وجہ سے کوئی تکلیف نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔(ویسے تو دو طلباء ڈیوٹی پر ہوتے تھے لیکن بہرحال میرے ذہن میں یہ خیالات گردش کر رہے تھے)۔

مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ غالباً رات کے دس یا گیارہ بجے کا وقت ہوگا محترم مولانا صاحب کو کچھ پانی کی طلب ہوئی تو بڑے ہی نرم لہجے میں فرمانے لگے میاں! مجھے پانی دے دیں۔

یہ الفاظ اور یہ انداز مجھے اتنا اچھا لگا کہ میں نے اسے اپنی روزمرہ کی گفتگو میں شامل کر لیا اور فیلڈ میں کئی جگہوں پر جانے کا موقعہ ملتا ہے تو اگر کسی کا نام معلوم نہ ہو یا اگر نام آتا بھی ہو تو میاں لگا کر پکاریں تو خود کو بھی اچھا لگتا ہے اور جس کو پکارا جائے اسے بھی بہت اچھا لگتا ہے۔

میں نے آپکی شخصیت کو خلافت کا فدائی اور ''چاکر'' پایا۔رات ڈیوٹی کے بعد صبح صبح ہسپتال کا عملہ محترم مولانا صاحب کے پاس حوائج ضروریہ سے فراغت کے لیے آتا تو آپ نے ان کے جانے کے بعد میرے سامنے ذکر کیا کہ میاں یہ سب خلافت کی دعائیں ہیں کہ میری صحت دن بدن

اچھی ہوتی جارہی ہے۔اور فرمایا دیکھیں میں کئی دنوں سے بستر پر پڑا ہوں لیکن خدا کے فضل سے ٹائم پر کھانا، ٹائم پر حوائج ضروریہ سے فارغ ہونا وغیرہ یہ سب حضور کی دعاؤں سے ممکن ہوا ہے اور حضور کی براہ راست نگرانی ہے مجھ ناچیز پر جس کا میں ساری عمر بھی شکرادا کروں تو نہیں کرسکتا۔

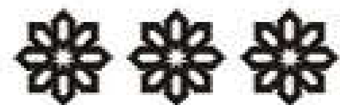
یہ وہ کلمات اور پختہ آواز میں نصائح تھیں جو آج تک میرے دل میں نقش ہیں۔

نیز مکمل صحت یابی کے بعد جامعہ احمدیہ میں آکر تمام طلبا جامعہ احمدیہ جو مسلسل تیمارداری کرتے رہے انکا شکریہ ادا کرنے کا انداز جو میں نے سنا وہ بھی آج تک میرے ذہن میں نقش ہے۔گویا آپ ہمارے احسانوں تلے دبے ہوئے ہیں یعنی اتنی بڑی شخصیت اور ”خلافت کے چاکر“ لیکن ہماری حقیری سی تیمارداری کو اپنے الفاظ میں اسقدر بیان کر رہے تھے کہ شاید ہم نے وہ احسان کیے ہیں آپکی ذات پر جو آج تک کوئی نہیں کرسکا۔

حدیث من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ کی جیتی جاگتی عملی تصویر تھے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے۔

❀ ❀ ❀



اک یاد ہے جو دل میں رہے گی تمام عمر

منزل کی بات اور ہے، منزل تو پا گیا
اک شخص ہم کو حد سے زیادہ رُلا گیا

اک یاد ہے جو دل میں رہے گی تمام عمر
اک دائمی سا کرب وہ دل کو لگا گیا

آئے کسی کی یاد تو آنسو نکل پڑیں
کرتے ہیں کس طرح سے محبت، بتا گیا

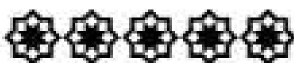
کہنی تھی ایک بات مگر دیر ہوگئی
سننا تھا دل کا حال مگر وہ چلا گیا

دن رات کے گزرنے کی تخصیص نہ رہی
آیا جو کوئی یاد تو آتا چلا گیا

ٹھنڈک تھا وہ دلوں کی، سکوں تھا، قرار تھا
اک چاند تھا جو چاندنی ہر سُو بچھا گیا

سُکھ بانٹتا رہتا تھا مگر جانے کیا ہوا
اپنوں کو کس طرح سے وہ آنسو بنا گیا

(مکرم عطاء القدوس طاہر صاحب۔کینیڈا)



ع ہنسی ہنسی میں چل دیا کہ میں ہاتھ تک نہ ہلا سکا

جہاں جگہ ملی رستہ بنالیا

(مکرم نوید احمد اشرف صاحب۔کوٹری سندھ)

یہ سالانہ تربیتی کلاس 2004ء خدام الاحمدیہ پاکستان کا موقع تھا جب مجھے مرکز سلسلہ میں خوب گھومنے پھرنے کا موقع ملا۔انہی دنوں کی ایک خوبصورت شام میں بیتے پل مجھے آج بھی یاد ہیں۔سورج اپنی تمازت کا مظاہرہ کر کے غروب ہو چکا تھا اور اب اندھیرا ہر سو پھیلنے لگا تھا۔میں اپنے دوست احباب کے ساتھ بیت المبارک میں نماز پڑھ کر باہر نکل رہا تھا۔

ہمارے دل از حد خوش تھے اور اس خوشی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب ہمارے ساتھ تھے۔

آپ شیروانی زیب تن کئے، ہاتھ میں چھڑی اور سر پر پگڑی باندھے بہت ہی جاذب نظر لگ رہے تھے۔

ہم میں سے اکثر کی آپ سے یہ پہلی ملاقات تھی جو یادگار بن گئی۔جب ہم نے انہیں اپنے تربیتی کلاس کے سلسلے میں ربوہ آنے اور مرکز سلسلہ کی زیارت کے متعلق آگاہ کیا تو وہ بہت ہی خوش ہوئے اور دوران گفتگو ہم نے آپ سے آپکی لائبریری دیکھنے کی خواہش کی تو خوشی خوشی راضی ہو گئے۔چنانچہ ہم نماز مغرب کے بعد آپکے ساتھ آپ کے گھر پہنچے۔آپ ہمیں اپنے گھر میں واقع لائبریری میں لے گئے۔ایک طرف تو الماریوں میں ہزاروں کتابیں اس ترتیب سے پڑی تھیں کہ گویا چھت کو چھو رہی تھیں اور دوسری طرف کتابوں کی کثیر تعداد جن میں متعدد مقامات پر کاغذ بطور نشانی رکھے گئے تھے، میز پر پڑی اپنی باری کی منتظر نظر آ رہی تھیں۔

یہ سب دیکھ کر معلوم ہوا کہ خدمت دین میں کس طرح رات اور دن ایک ہو رہے ہیں، ایسا مرد سپاہی جس کے ہاں چھٹی کا تصور ہی نہیں۔

حضرت مولانا صاحب کا زیادہ وقت لئے بغیر ہم سب دوست حسین یادیں لیکر واپس لوٹے۔

اس کے بعد مجھے بفضل خدا جامعہ احمدیہ میں آنے کی توفیق ملی۔پھر جب کبھی بھی ملاقات میں انہیں یہ بتاتا کہ میں جامعہ احمدیہ کا طالبعلم ہوں تو یہ سن کر بہت خوشی کا اظہار فرماتے۔

ایک دفعہ جب کسی اہم کام کے سلسلہ میں مجھے اپنے دوست کے ہمراہ آپ کے پاس جانے کا موقع ملا تو ہمیں تحقیق کرنے کے لئے ایسے متعدد راستوں سے آگاہ کیا اور راہنمائی فرمائی کہ ہمیں یوں لگا جیسے مسئلہ حل ہی ہو گیا ہے۔

اگرچہ آپ سے بہت کم ملاقات ہوئی تاہم معدودے چند مرتبہ یوں بھی ہوا کہ جب ہم بیت اقصیٰ میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد آپ سے مصافحہ کرنے کے لئے آگے بڑھتے تو آپ ہمیں اپنے اردگرد بٹھا لیتے۔یہاں آپ کے پاس بیٹھنے والوں میں نہ صرف ہم بلکہ اور بھی کئی چھوٹے بڑے حضرات ہوتے۔پھر حضرت مولانا صاحب کوئی نہ کوئی سبق آموز واقعہ یا نصیحت فرما کر تشریف لے جاتے۔اپنے اس مضمون میں میں نے کوشش کی کہ آپ کے بیان کردہ انہی واقعات یا

نصیحت کو آپ کے سامنے رکھوں۔ وما توفیقی الا باللہ

11 مارچ 2005ء بروز جمعۃ المبارک، بیت اقصیٰ میں خطبہ جمعہ میں نصاریٰ کے عقائد کا ذکر تھا چنانچہ نماز جمعہ کے بعد آپ نے دو واقعات بیان فرمائے جو اسی ضمن میں تھے۔

آپ نے فرمایا کہ بلاد عربیہ میں مفتی مصر کی ایک بڑے افسر نے دعوت کی۔ جب مفتی صاحب وہاں گئے تو میزبان نے میز پر اپنے، اپنی بیوی اور بیٹی کے سامنے شراب کی بوتل رکھی اور چونکہ اس کو پتہ تھا کہ ان کے دین میں شراب حرام ہے اس لئے ان کے سامنے انگور رکھ دیئے۔ کھانا شروع ہوا تو میزبان نے شراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ھذا من ھذا (یعنی یہ شراب انہی انگوروں کی ہی تو بنی ہے آپ انگور تو کھا لیتے ہیں مگر ان کی بنی ہوئی شراب نہیں پیتے)۔

اسی وقت مفتی صاحب کے دل میں خدا تعالیٰ کی طرف سے جواب ڈالا گیا تو آپ نے میزبان کی بیوی اور بیٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ھذہ من ھذہ (یعنی آپکی بیٹی آپکی بیوی ہی سے تو ہے مگر تمہاری بیوی تمہارے لئے حلال ہے مگر بیٹی نہیں)

دوسرا واقعہ حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب نے یہ بیان فرمایا کہ ہمارے ایک (مربی) صاحب باہر (یعنی یورپ) گئے تو وہاں ایک دکان پر گئے دکان کا مالک عیسائی تھا (مربی) صاحب نے اس عیسائی دکاندار سے مختلف اشیاء کی قیمتیں پوچھیں تو ایک چیز کی قیمت اس نے 3 ڈالر بتائی اس پر انہوں نے فرمایا کہ آپ یہ عقیدہ مانتے ہیں نا کہ ایک تین اور تین ایک ہیں وہ بولا ہاں! تو فرمایا کہ پھر یہ ایک ڈالر ہے اسی کو تین ڈالر سمجھ کر رکھ لیں اس پر دکاندار بولا نہیں نہیں کاروبار میں یہ اصول نہیں۔ (اس سے (مربی) صاحب کی مراد یہ تھی کہ اگر آپ کاروباری معاملے میں ایک تین اور تین ایک کے اصول کو نہیں مان سکتے تو خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق آپ کس طرح یہ ماننے کی جرأت کر لیتے ہیں کہ وہ ایک تین اور تین ایک ہے۔)

18 مارچ 2005ء بروز جمعۃ المبارک بیت اقصیٰ میں خطبہ جمعہ و نماز کی ادائیگی کے بعد لوگوں کی کثیر تعداد نے بڑھ کر حضرت مولانا صاحب سے مصافحہ کیا اور معرفت کے موتی چنے۔

آپ نے فرمایا کہ خاتم الرسل، شان انبیاء، سرور کونین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہم پر اتنے احسان ہیں کہ اگر ستاروں کو گننا ممکن ہو، اگر زمین کے ایک ایک ذرے کو گن کر بھی اور سمندروں میں پانی کے ایک ایک قطرے کو بھی شمار کر لیا جائے تو بھی آپ ﷺ کی ذات بالا ہے یعنی آپ ﷺ کے احسانات پھر بھی زیادہ ہی رہیں گے جو آپ نے انسانیت پر کئے۔

بات کو آگے بڑھاتے ہوئے حضرت مولانا صاحب نے دعوت الی اللہ کے متعلق فرمایا اب دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں جو دعوت الی اللہ کی اور وہاں جو تکلیفیں اٹھائیں انہیں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے لوگوں کو آپ کے ہاتھ پر جمع کر دیا چنانچہ آپ نے جب ہجرت فرمائی تو اس وقت 7 ستمبر کا دن تھا جو مصری اور GREGORIAN کیلنڈر کی تاریخوں سے ثابت ہے بالکل اسی طرح ستمبر کے مہینہ میں ہم پر جو ظلم ڈھایا وہ بھی 7 تاریخ ہی تھی۔

مزید فرمایا: آنحضور ﷺ نے بہت سے جہاد کئے۔

تلوار بھی اٹھائی مگر کیا (نعوذ باللہ) دین تلوار کے زور سے پھیلا۔ ہرگز نہیں! دیکھو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جو بغیر کسی دلیل کے آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ پھر حضرت عمرؓ ہیں جو تلوار اٹھائے قتل کرنے جارہے تھے مگر اچانک ان کے اندر ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ دین کو قبول کرلیا۔

پھر فرمایا: آپ کو اس (بیت الاقصیٰ) کا گنبد، مینار نظر آرہے ہیں مگر بنیادیں نظر نہیں آرہی۔ کیا وہ اینٹ نظر آرہی ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنے ہاتھوں سے رکھی؟ ہرگز ایسا نہیں۔ بنیادیں ننگی نہیں کی جاسکتیں۔ وہ قائم رہتی ہیں اور ان پر عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح یہ دعوت الی اللہ کی بنیادیں ہیں جن پر عمارتیں بڑی شان کے ساتھ تعمیر کی جارہی ہیں۔

اس تمام تمہید کے بعد حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ میں 3 واقعات بیان کرونگا۔ حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) نے 3 خدام کو ''خالد احمدیت'' کا خطاب دیا جن کے نام یہ ہیں:

1۔ حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب

2۔ حضرت ملک عبدالرحمان خادم صاحب

3۔ حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحب

فرمایا کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جلسے میں انہیں ''خالد احمدیت'' کا خطاب دے رہے تھے تو اس وقت حضرت ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم میرے ساتھ اسٹیج پر تشریف فرما تھے جب میں نے انہیں دیکھا تو اس وقت ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے چنانچہ اب میں انہی کا واقعہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ایک دفعہ انہوں نے مناظرہ میں شرکت کی تو اس میں جج ایک سکھ مقرر ہوا اور بحث وفات عیسیٰ پر جاری تھی مقدمہ بظاہر مخالفوں کے حق میں نظر آتا تھا مگر اختتام پر آخری بات مولانا صاحب نے یہ کہی کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ موجود ہیں تو تمہارے ہی گرو بابا نانک نے یہ مانا ہے کہ عیسیٰ واقعی آسمان پر زندہ نہیں گئے۔ اس پر مجمع میں خاموشی چھا گئی۔ چنانچہ اب سکھ کے فیصلہ کرنے کا وقت آیا تو اس نے کہا خادم صاحب کی آخری بات کہنے تک تو مجھے بھی یقین تھا کہ عیسیٰ واقعی آسمان پر زندہ گئے ہیں۔ مگر اب میں یہ کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ اگر اب بھی زندہ ہوکر آجائیں تو ان کی وفات پر اتنی زیادہ کھینچا تانی ہوچکی ہے کہ وہ یقیناً زمین میں ہی دفن ہیں۔

فرمایا کہ اب میں دوسرا واقعہ حضرت مولانا شمس صاحب کا آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ انہوں نے کافی عرصہ انگلستان میں خدمت سرانجام دی چنانچہ ادھر جب مناظرہ ہوا (غالباً کیتھولک چرچ میں) جس میں حضرت مولانا شمس صاحب شریک تھے تو سوال اٹھایا گیا کہ حضرت عیسیٰ کے لئے قرآن کریم میں زکی کا لفظ آیا ہے یعنی مطہر تو آپ ﷺ کے لئے وہ کیوں نہیں آیا تو آپ نے فوراً جواب دیا کہ اگر آنحضرت ﷺ کے لئے بھی زکی کا لفظ استعمال ہوتا تو اس کا مطلب تھا کہ آپ ﷺ بھی عیسیٰ کے برابر آگئے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ بہرحال عیسیٰ سے بہت زیادہ ہے اس لئے قرآن شریف میں آپ ﷺ کے لئے زکی کا لفظ نہیں بلکہ مزکی کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے ''زکی بنانے والا۔''

پھر تیسرا اور آخری واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے فلسطین میں خدمت سرانجام دی۔ وہاں ایک دن آپکے پاس کچھ لوگ آئے۔ ان میں سے ایک نے سوال اٹھایا کہ آپ لوگ جو یہ کہتے ہو کہ عیسیٰ کشمیر چلے گئے تھے آسمان پرنہیں گئے تو حضرت مسیح تو فلسطین میں تھے کشمیر میں اتنی دور کس طرح چلے گئے۔ ابھی مولانا صاحب جواب نہ دے پائے تھے کہ آپکے ایک شاگرد نے فوراً جواب دیا کہ کیا کشمیر آسمان سے بھی دور ہے؟ ان کی مراد یہ تھی کہ آپ لوگ عیسیٰ کا آسمان پر جانا تو تسلیم کر لیتے ہیں مگر کشمیر جانے پر تعجب کررہے ہیں کہ وہ دور کا علاقہ ہے۔ حالانکہ کشمیر بہر حال زمین پر ہے اور آسمان سے دورنہیں۔

(نوٹ: یہ واقعہ حیات خالد، خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطا جالندھری صاحب کتاب میں صفحہ 314 پر، کشمیر دور ہے یا آسمان؟ کی ہیڈنگ سے تفصیلاً درج ہے)۔

مذکورہ بالا واقعات بیان کر کے آپ واپس تشریف لے گئے۔

خاکسار کی جب بھی حضرت مولانا صاحب سے ملاقات ہوتی آپ بہت ہی چاق وچوبند اور ہشاش بشاش نظر آتے اور جب کوئی واقعہ جو خصوصاً دعوت الی اللہ کے متعلق ہوتا تو آپ کے چہرے پر ایک خاص قسم کا جوش نظر آتا جو خدا تعالیٰ کی ہستی، رسول کریم ﷺ اور آپ کے غلام صادق حضرت مسیح موعودؑ یا خلفاء کے ذکر کے وقت مزید بڑھ کر سامنے آجاتا۔ ایک بات مزید کہ جب آپ دوران گفتگو درثمین سے اشعار پڑھتے تو ترنم اور انتہائی محبت سے پڑھتے۔

حضرت مولانا صاحب کی عظیم الشان خدمات اور قربانیاں جو آپ نے دن رات انجام دیں، اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیروں جزا دے (آمین)۔ آخر میں خاکسار اپنے پیارے مولا کریم سے دعا کرتا ہے کہ وہ ہمیں بھی اپنی رضا کی راہوں پر چلائے اور اپنے پیارے بندوں میں شامل فرمائے (آمین)، اوراذکروا محاسن موتاکم (کنوزالحقائق) کے تحت میری اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے (آمین اللھم آمین)۔



دعائے لیلۃ القدر

حضرت عائشہؓ نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ اگر میں لیلۃ القدر کو پاؤں تو کیا دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا کرنا:

ترجمہ: اے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا کریم ہے۔ تو عفو کو پسند کرتا ہے، پس مجھ سے درگزر فرما۔

(ترمذی کتاب الدعوات)

ادارہ خالد کی طرف سے تمام قارئین خالد کی خدمت میں دلی عید مبارک۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو عید کی ڈھیروں خوشیاں مبارک کرے۔ آمین

خلافت کا ادنیٰ چاکر

(مکرم محمد رفاقت احمد صاحب۔ اسلام آباد)

میرے بچپن کی بات ہے 1962ء یا 1963ء میں گرمیوں کی چھٹیوں میں خاکسار والدین کے ہمراہ خوشاب گیا۔ وہاں ہمارا قیام محلہ بھگلا نوالہ میں ہمارے ایک رشتہ دار بزرگ مکرم شیخ بشارت احمد صاحب احمدی مرحوم ابن حضرت میاں جمعہ خان صاحب (رفیق حضرت مسیح موعودؑ) بھیروی کے گھر تھا۔ ایک روز بیت احمدیہ خوشاب میں بعد نماز مغرب جلسہ میں ایک مربی صاحب اچکن پگڑی پہنے ہوئے گول عدسوں والی عینک لگائے زبردست تقریر کر رہے تھے۔ بعد میں مکرم شیخ صاحب مرحوم نے بتایا کہ یہ مقرر مرکز ربوہ سے تشریف لائے ہیں ان کا نام مولوی دوست محمد صاحب شاہد ہے۔

اگلے سال جماعت احمدیہ راولپنڈی نے لائبریری ہال میں ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا۔ مرکز سے حضرت مولوی صاحب موصوف تشریف لائے۔ ''احمدیت کا پیغام'' کے موضوع پر زوردار تقریر فرمائی۔ اپنے صندوق سے کتابیں نکالتے اور لہرا لہرا کر سامعین کو دکھاتے اور اعتراضات کے مؤثر جوابات دیتے۔ جلسہ گاہ کے ہال کے باہر کئی غیر از جماعت احباب بھی جمع ہو گئے اور انہوں نے مولانا کی تقریر سنی۔ اس خطاب کا اہل محلہ میں خوب چرچا ہوا کہ قادیانیوں نے ''بڑا تیز'' مولوی منگوایا ہے۔ (دعوت الی اللہ) کے حوالہ سے اس تقریر کا لوگوں میں خاص اثر ہوا۔

1969ء کا ذکر ہے نہایت متعصب پیغامی مناظر خواجہ محمد عبداللہ صاحب نے خاکسار اور ہماری جماعت کے دو بزرگوں مکرم خواجہ محمد عنایت اللہ صاحب مرحوم اور مکرم ملک محمد شریف صاحب مرحوم کو کہا کہ مجھے امسال ربوہ لے جا کر اپنا جلسہ سالانہ دکھاؤ اور اپنے علماء سے ملاقات کراؤ۔ ہم انہیں ربوہ لے گئے۔ جلسہ کے انتظامات دیکھے اور انہوں نے تقاریر سنیں۔ جلسہ کے بعد علماء سلسلہ حضرت قاضی محمد نذیر صاحب مرحوم، حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم سے ملاقات کروائی۔ ان کے ساتھ تو بحث وغیرہ نہ کر سکے۔ اس کے بعد ان کی خواہش پر مؤرخ احمدیت مولانا دوست محمد صاحب شاہد مرحوم سے ان کے گھر کوارٹرز صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں ملاقات کروائی۔

خواجہ محمد عبداللہ صاحب نے مولوی صاحب کو ''ایک معمولی'' نوجوان دیکھتے ہوئے بحث شروع کر دی اور مولوی دوست محمد صاحب کو کفرو (دین حق) کی فضیلت بر مسیح ناصری علیہ السلام جزئی یا کلی نیز حضرت اقدسؑ کی کتاب ''تریاق القلوب'' 1902ء کی تصنیف ہے نہ کہ 1899ء کی وغیرہ جیسے مسائل میں الجھانا چاہا مگر حضرت مولوی صاحب نے خواجہ صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا۔ تاہم متانت و سنجیدگی کے

ساتھ جوابات دیے اور اس کو ساکت کر دیا۔

1971ء میں گوجرانوالہ میں آپ کا ایک مناظرہ اہل قرآن کے معروف مناظر میاں محمد اسماعیل صاحب سے ہوا۔ شرائط مناظرہ میں ایک شرط یہ تھی کہ احمدی مناظر صرف قرآن مجید سے ''امکان نبوت در امت اسلامیہ'' کا ثبوت دیں گے۔ حضرت مولوی دوست محمد صاحب شاہد مرحوم نے اپنی تقریر میں دو آیات قرآنی پیش کیں۔ پہلی ومن یطع اللہ والرسول...وحسن اولئک رفیقا. (النساء:70)

اور دوسری ما کان اللہ ...حتے یمیز الخبیث من الطیب....فلکم اجر عظیم۔

(آل عمران 180)

تفصیل کا موقع نہیں۔ پھر مخالف مناظر نے سوال کیا کہ غیر مسلم ناقدین اور مستشرقین کہتے ہیں کہ قرآنی فارمولا کے مطابق تقسیم وراثت کا حاصل ایک (One) نہیں آتا تو احمدیوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ مولانا مرحوم نے بغیر بحث و مباحثہ فرمایا کہ اس بات کا مفصل جواب ربوہ جا کر بھجوا دوں گا۔ اس مناظرہ میں آپ نے بہت صبر و تحمل کے ساتھ مدلل جوابات دیے۔ اسی کا اثر تھا کہ مدمقابل مناظر نے آپ کو نہایت عزت و احترام سے رخصت کیا۔ اس مناظرہ کی کچھ تفصیل اہل قرآن نے اپنے ماہوار رسالہ ''بلاغ القرآن'' لاہور (1971ء جولائی کے شمارہ) میں شائع کر دی تھی۔

72-1971ء بابیوں اور بہائیوں نے اپنے آرگن ''نفحات'' کے ذریعہ جماعت احمدیہ کے خلاف مضامین لکھے اور حضرت نعمت اللہ ولیؒ کے قصیدہ کو مسخ شدہ حالت میں پیش کیا۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ قصیدہ اپنی اصل حالت میں الفرقان ربوہ کے شمارہ میں شائع کر دیا اور بہائی دنیا پر اتمام حجت کر دی۔ خاکسار نے یہ اصل قصیدہ جب اپنے ایک بہائی پروفیسر کو دیا انہوں نے مطالعہ کے بعد کہا کہ اس (Subject) مضمون پر آپ کے مولوی صاحب کی تحقیق بے مثال ہے۔ بعد ازاں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خواہش پر مکرم مولوی صاحب نے یہ اصل قصیدہ ملک کے بعض جریدوں میں شائع کرنے کا بندوبست کیا۔

1974ء میں قومی اسمبلی میں ہونے والی کارروائی کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اپنے وفد کے ہمراہ جن میں حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد بھی شامل تھے، چند ماہ اسلام آباد کے سیکٹر F-8/3 میں قیام پذیر رہے۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کے خدام کی ڈیوٹیاں لگتی تھیں۔ خاکسار کو بھی اس خدمت کی کئی بار توفیق ملی۔ اس طرح جہاں آتے جاتے ہوئے حضور کی زیارت ہو جاتی وہاں علماء سلسلہ کی مفید باتیں سننے کے مواقع بھی ملتے۔ گھر کے اوپر والے حصہ میں علماء سلسلہ کا قیام تھا۔ ایک دن اوپر والے کمرہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب، حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد، مکرم خلیفہ صباح الدین صاحب اور ربوہ سے خصوصی طور پر بلائے گئے حضرت مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری علمی باتوں کے علاوہ وہاں موجود خدام و انصار کی باتوں کے جوابات دے رہے تھے اور نصائح بھی کر رہے تھے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ ان دنوں شیعوں کے خلاف بھی ترجمان اہلحدیث، الاعتصام اور المنبر وغیرہ جرائد میں اس قسم کی باتیں آ رہی ہیں کہ قادیانی تو ختم نبوت کا ایک دروازہ توڑتے ہیں مگر

رافضی بارہ دروازے توڑتے ہیں۔ مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد نے حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ماشاء اللہ اچھا منطقی استدلال ہے اور یہ حوالہ ہماری بحث سے متعلق فائدہ مند ہوگا۔ ایک دن مولانا دوست محمد صاحب شاہد نے خاکسار کی ڈیوٹی لگائی کہ ''مباحثہ راولپنڈی'' کتاب کی فوراً ضرورت ہے اور یہ کتاب راولپنڈی نمبر 22 چونگی میں مکرم ملک محمد شریف صاحب کے پاس موجود ہے چنانچہ عشاء سے قبل یہ کتاب خاکسار نے مہیا کردی۔ اسی طرح ایک دن فرمایا شیعوں کی حدیث کی کتاب بحارالانوار جلد 13 اور صحاح اربعہ میں الاستبصار کی ایک جلد کی ضرورت ہے۔ بھیرہ کے حضرت منشی خادم حسین صاحب مرحوم کے پاس تو شیعی کتب کا انبار تھا۔ دیکھیں آج بھیرہ والے یہ مطلوبہ کتب کس طرح لاتے ہیں۔ خاکسار نے تعمیل کرتے ہوئے راولپنڈی کے دونوں بزرگوں مکرم خواجہ محمد عنایت اللہ صاحب اور مکرم ملک محمد شریف صاحب سے رابطہ کیا۔ محترم ملک صاحب نے اپنے ایک شیعہ دوست سے یہ کتابیں لے کر دیں جو مولانا موصوف کو پہنچادی گئیں۔ گویا مولوی صاحب ہر دم تیار رہتے اور کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت کئے بغیر مخالفین پر اتمام حجت کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے۔

1978ء کی بات ہے خاکسار ربوہ میں حضرت قاضی محمد نذیر صاحب مرحوم سے ملاقات کے لیے ان کے دفتر گیا۔ حضرت قاضی صاحب نے بتایا کہ عزیزم مولوی دوست محمد شاہد صاحب نے حدیث ''نبیھا منھا'' بڑی محنت سے خصائص کبریٰ، شرح مواہب اللدنیہ، نشرالطیب، ترجمان السنۃ وغیرہ سے نکالی ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے کہ اس حدیث سے احمدی لٹریچر میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور اس حدیث کو جہاں پیش کیا گیا کامیابی ہوئی۔ حضرت قاضی صاحب نے یہ بھی بتایا کہ امام سراج الدین ابن الوردی اور محمد اکرم صاحب صابری کے حوالے ''کہ ایک گروہ امت مسلمہ نے نزول عیسیٰؑ سے مراد اصالتاً نہیں بلکہ وکالتاً لیا ہے'' بھی مولوی دوست محمد صاحب نے نکالے اور اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

1978ء میں خدام الاحمدیہ ضلع راولپنڈی کا سالانہ اجتماع تھا مرکز سے حضرت مولوی صاحب اور مکرم حافظ مظفر احمد صاحب تشریف لائے تھے۔ دونوں علماء کو بذریعہ ٹیکسی کھانے کے لیے مکرم شیخ عبدالوحید صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی کے گھر پہنچانا خاکسار کے ذمہ تھا چنانچہ اس دوران راستہ میں خاکسار نے مولانا موصوف سے عرض کیا کہ غیر احمدی مولوی کہا کرتے ہیں کہ احمدی ''مسلمان سلاطین'' میں کسی کا حوالہ امکان نبوت پر نہیں دے سکتے۔ مگر مولوی صاحب کی تحقیق دیکھئے کہ اللہ کے فضل سے آپ نے جلسہ سالانہ کی تقریر (1977ء) ''تفسیر خاتم النبیین اور بزرگان سلف'' میں آٹھویں صدی ہجری کے سلطان ابوالفتح محمد شاہ تغلق کا یہ مطلوبہ حوالہ بھی پیش کردیا ہے۔ اس سلطان کا حوالہ یہ ہے ''جب اللہ تعالیٰ کا فیض وکرم ختم ہونے والا نہیں تو نبوت کا فیض کس طرح ختم ہوسکتا ہے۔ اس وقت بھی اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے اور خوارق عادات و معجزات دکھائے تو اس کو نبی تسلیم کرنے سے کون سا امر مانع ہے؟''

(اخبارالاخیار اردو صفحہ 418)

1983ء میں ایک مجلس سوال وجواب کے سلسلہ میں

آپ بیت الحمد راولپنڈی میں تشریف لائے۔ ایک غیراز جماعت وکیل نے سوال کیا کہ امت محمدیہ کو قرآن کریم کی موجودگی میں کسی مجدد، امام مہدی یا امتی نبی کی کیا ضرورت ہے؟ مولانا صاحب موصوف نے ان صاحب کو قانون کی زبان میں ایسا مسکت جواب دیا کہ وہ عش عش کر اٹھے۔

1976ء کے آغاز میں بھٹو حکومت نے اعلان کیا کہ جن پاکستانی مصنوعات پر چھ کونی نشان ہے انہیں ضبط کرلیا جائے گا کیونکہ یہ اسرائیلی حکومت کا نشان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شوشہ احراری دیوبندی مولویوں اور (۔) صاحب کے گٹھ جوڑ سے چھوڑا گیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو جب یہ اطلاع ملی کہ احمدیوں کو اسرائیلی ایجنٹ قرار دے کر پورے نظام کو خلاف آئین سمجھا جائے گا۔ تو آپؒ نے مولانا موصوف کو فوری طور پر ریسرچ کر کے مضامین لکھنے کا فرمایا کہ قدیمی اسلامی حکومتوں میں قلعوں، سکوں، اہم عمارات، مساجد اور مزاروں پر چھ کونی ستارہ ہی قومی نشان کے طور پر استعمال رہا ہے۔ اسرائیلی حکومت نے اپنے جھنڈے پر مسلمانوں کی نقل میں چھ کونی ستارے کو ترجیح دی۔ مولانا موصوف نے تحقیقی مقالہ لکھا جو رسالہ ''لاہور'' میں 10 مئی اور 7 جون 1976ء کو شائع ہوا۔ ان مضامین کی مختلف اخبارات اور رسائل میں اشاعت سے یہ سارا معاملہ داخل دفتر ہوا اور احمدیت کے خلاف سازش ناکام ہوگئی۔ یہ مضمون تفصیل کے ساتھ ہفت روزہ صحافت لاہور نے اپنی اشاعت مورخہ 17 ستمبر 1993ء میں بھی شائع کیا۔

مولانا موصوف کی جامعہ احمدیہ کی تعلیم کا آغاز 1944ء میں ہوا۔ اسی عرصہ میں آپ نے تحقیقی مضامین لکھنا شروع کردیے۔ آپ کا ایک زبردست مضمون ''مسلم نما یہود کے لیے مثیل مسیح کا ظہور'' ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ ستمبر 1945ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں مولوی صاحب نے بے شمار مماثلتیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے شرح وبسط کے ساتھ بیان کی ہیں۔ 1952ء میں مولانا صاحب نے جامعۃ المبشرین سے شاہد کا امتحان پاس کیا اور ڈگری حاصل کرنے کے لیے انہوں نے ''تحریک جماعت اسلامی'' پر شاندار مقالہ لکھا جس پر جامعہ کے بورڈ نے انہیں شاہد قرار دیا۔ یہ تحقیقی مقالہ الفرقان ربوہ کے خاص نمبر مئی و جون 1955ء میں شائع ہوا۔ اس مقالہ میں قیم جماعت اسلامی میاں طفیل محمد صاحب کا یہ بیان موجود ہے۔ ''مولانا (مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی) اس زمانہ میں اسلام کی ایک مانی ہوئی ہستی تھے اور اسلام کے ہر مسئلہ میں سند تھے اور سند ہیں۔'' (قاصد کشمیر نمبر)

اسی حوالہ کی بنا پر اہل قرآن اور بالخصوص جناب غلام احمد صاحب پرویز نے مولانا مودودی صاحب پر انکار ختم نبوت کا الزام لگایا۔

اس طرح مولانا موصوف نے یہ انکشاف کیا کہ دیوبندی کے بزرگ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی کتاب ''اسلامی احکام عقل کی نظر میں'' میں حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے کئی صفحات نقل کیے ہیں۔

مولوی صاحب موصوف مجالس سوال و جواب میں موقع اور مناسبت کے مطابق اپنی مخصوص لے میں معروف شعراء کے اشعار بھی پڑھتے تھے جن میں سائل کے سوال یا

اعتراض کا مکمل جواب ہوتا۔ 2000ء میں آپ مرکز کی ہدایت کے تحت کسی کام کے سلسلہ میں راولپنڈی تشریف لائے۔ قیام بیت العطاء پشاور روڈ میں تھا۔ خاکسار ملنے گیا بڑی محبت سے ملے اوران کی خدمت کا موقع بھی ملا۔ اس دوران واقعہ سنایا کہ دبئی میں ایک صاحب نے سوال کیا تھا کہ 1984ء کے آرڈیننس کے بعد جماعت احمدیہ کا کیا مستقبل ہوگا۔ جن پر میں نے حفیظ ہوشیار پوری کا یہ شعر سنایا تھا جس سے سائل کا سوال کافور ہوگیا۔

رات جتنی طویل ہوتی ہے صبح اتنی جمیل ہوتی ہے

ساری فرعونیت حفیظ ایک دن غرق دریائے نیل ہوتی ہے

دوسرا واقعہ یہ سنایا کہ ایک دفعہ ایک غیر احمدی مولوی صاحب خلافت لائبریری ربوہ آئے انہوں نے سوال کیا کہ پاکستان میں تو احمدیوں کو کافر قرار دے دیا گیا ہے۔ آپ نے مولوی صاحب کو کہا 54-1953ء میں جوش ملیح آبادی ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ 1953ء کے حالات وواقعات جو احمدیوں کے بارہ میں انکے ذہن میں تھے۔ کسی صحافی نے جوش سے پوچھا کہ آپ کے بعض خیالات کے باعث بعض علماء آپ کو کافر کہتے ہیں۔ حضرت جوش ملیح آبادی نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

رہا جو میں ہند کی نظر میں مسلم

بنا کافر جو پاکستان آیا

اپنی بے پناہ صلاحیتوں اور تحقیقی کاوشوں کی وجہ سے 93-1992ء میں کیمبرج کے مشہور بین الاقوامی ادارہ انٹرنیشنل بائیوگرافیکل سنٹر نے آپ کو مین آف دی ایئر کا اعزاز دیا تھا اور یہ اعزاز ایسی علمی شخصیات کو دیا جاتا ہے جن کی صلاحیتوں کا عالمی سطح پر اعتراف کیا جاتا ہے۔

علمی، ادبی اور تحقیقی خوبیوں کے علاوہ مولانا موصوف کے اوصاف اس طرح کہ ایک مرتبہ خاکسار آپ سے ربوہ میں ملا اور عرض کیا کہ خوشاب میں ایک قدیم (بیت) جس کا معروف نام بادشاہوں والی (بیت) ہے اس کے باہر والے دروازے کے اوپر حضرت مسیح موعودؑ کا یہ شعر کندہ ہے:

عجب نوریست در جان محمدؐ

عجب لعلیست در کان محمدؐ

خاکسار نے اس کا فوٹوگراف پیش کیا تو محترم مولانا نے فرمایا ''بیش قیمت ریکارڈ ہے، نہایت شکریہ، نہایت شکریہ''۔ عرصہ ہوا خاکسار نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ایک فیض یافتہ بزرگ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بسملؓ کی سیرت وسوانح پر ایک مضمون لکھا جو روزنامہ الفضل ربوہ کی اشاعت مورخہ 18 اکتوبر 1980ء میں شائع ہوا۔ اس کی اشاعت پر آپ نے حوصلہ افزائی فرمائی اور فرمایا کہ ایسے مضامین لکھا کرو خود اپنا علم بھی بڑھتا ہے اور دیگر احباب کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے میری صحت کا راز سائیکل چلانا ہے اور فوراً حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا یہ ارشاد سنا دیا:

''دعائیں کرتے ہوئے پچھلے دنوں مجھے خیال آیا کہ سائیکل چلانا صحت کے لیے بڑا اچھا ہے۔'' 2008ء میں ایک ملاقات کے دوران خاکسار نے کہا مولانا صاحب آپ تھوڑے کمزور نظر آرہے ہیں بڑے حوصلے سے فرمانے لگے

واقف زندگی کبھی کمزور نہیں ہوتا۔ 2003ء میں ربوہ ان کے دفتر گیا اور عرض کی کہ ہمارے بھیرہ کے ایک معروف (رفیق حضرت مسیح موعودؑ) حضرت میاں جمعہ خان صاحب تھے جن کی (دعوت الی اللہ) کی وجہ سے ایک پورا قبیلہ احمدی ہو گیا ان کے بارہ میں ضروری معلومات درکار ہیں۔ فرمانے لگے رفقاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے متعلق ضروری معلومات وریکارڈ فراہم کرنا میرے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ اور آپ کو ضروری نوٹ بذریعہ ڈاک مل جائے گا۔ چند دنوں بعد خاکسار کو مکرم مولانا صاحب کا خط اسلام آباد کے پتہ پر مل گیا۔ جس میں تمام معلومات موجود تھیں۔ آپ بہت حلیم الطبع تھے۔ ایک اجلاس میں ایک صاحب نے مولانا صاحب سے تلخی سے کوئی بات کی مگر آپ نے تحمل اور خندہ پیشانی سے ان کو سمجھایا اور ان کی باتوں کا کوئی برا نہ منایا۔ آپ کے اوصاف حمیدہ میں سے ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ آپ اپنے اساتذہ کے نام بڑے ادب سے لیتے مثلاً استاذی المکرم قاضی محمد نذیر صاحب، مولانا غلام باری صاحب سیف، مولانا محمد سلیم صاحب سابق مربی بلاد عربیہ وغیرہ۔

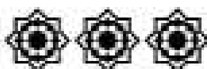
خلافت احمدیہ سے آپ کا گہرا تعلق تھا بلکہ آپ اس کے ایک فدائی تھے۔ خلیفہ وقت کی طرف سے کوئی کام آجاتا خواہ رات کے دو بجے ہوتے، کام مکمل ہونے تک اور کوئی کام نہ کرتے اور اپنا کھانا پینا حتیٰ کے آرام تک قربان کر دیتے۔ کبھی کوئی پریشانی کا ان سے ذکر کرتا تو فرماتے سب سے پہلے خلیفہ وقت کو دعا کے لئے لکھو پھر صدقہ دو پھر درود شریف اور استغفار کثرت سے پڑھو۔

آپ کو ہمیشہ یہی کہتے سنا کہ میں حضرت سلطان القلمؑ کی فوج کا ایک ادنیٰ سپاہی، دربار خلافت کا ادنیٰ خادم، خاکپائے خلفاء ہوں، ایوان خلافت کا کفش بردار، ایوان خلافت کا خاک در، خاک پائے مسرور ہوں۔ مولانا موصوف اپنے لباس، ظاہری حلیہ میں بھی خلیفہ وقت کا نمونہ اختیار کئے ہمیشہ اچکن، شیروانی اور پگڑی زیب تن فرماتے اور چھڑی (عصا) ہاتھ میں رکھتے۔ آپ کے اس لباس کو دیکھ کر ایک غیر احمدی مولوی صاحب نے آپ کی بہت تعریف کی۔ خلافت کے ساتھ عشق و وفا ایسا تھا کہ بقول شاعر (مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب):

پروانہ تھا وہ شمع خلافت کا جاں نثار
جس وقت اس کو دیکھا وہ محو طواف تھا

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مولوی صاحب موصوف کو چاروں خلفاء احمدیت کی سند خوشنودی حاصل رہی۔ اور خلافت کے ہر خادم کی یہی تمنا ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ خلافت کو ہزاروں آپ جیسے چاکر عطا فرمائے۔ بہرحال حضرت مولوی صاحب کی یادیں تو بہت ہیں مگر میں اس مضمون کو مکرم اعظم نوید صاحب کے اس پیارے شعر پر ختم کرتا ہوں:

ہو حسن ذکر تیرا اور چند شعروں میں!
میں چاہتا ہوں کہ اس پر کوئی کتاب لکھوں



ایک نابغہ روزگار ہستی

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد

(مکرم نصیر احمد بدر صاحب۔ ربوہ)

خاکسار کو پہلی دفعہ جڑانوالہ میں ایک مجلس سوال و جواب میں محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد سے ملاقات کا موقع ملا جب کہ اس وقت خاکسار ابھی عہد طفولیت میں تھا لیکن اس وقت بھی آپ کی عظیم اور پروقار شخصیت کا اثر دل پہ بہت گہرا تھا۔

خاکسار نے دیکھا کہ آپ کسی بھی سوال کا جواب دیتے وقت فوراً اپنے بیگ سے حوالہ نکالتے اور ہوا میں لہراتے ہوئے اپنی بات کی سچائی کا ثبوت پیش کر دیتے اور معترض آپ کی علمیت اور سچائی کا قائل ہوئے بغیر نہ رہتا اور ایسے ہی مواقع پر اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

وقت گزرنے کے ساتھ یہ تاثر مزید بہتر ہوتا چلا گیا 1989ء میں جب خاکسار کی پہلی تقرری بطور مربی سلسلہ احمد آباد جنوبی ضلع خوشاب ہوئی۔ وہاں متبادل جلسہ سالانہ پر آپ تشریف لے گئے تو آپ کی ایمان افروز تقریر سن کر بلا تمیز احمدی و غیر احمدی دوستوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ آپ نے آنحضرتؐ کی پاکیزہ سیرت اور اس زمانہ کے مامور من اللہ کی صداقت کو ایسے حسین اور دلکش انداز میں بیان فرمایا کہ بے اختیار دل خدا کی حمد و ثناء سے جھوم اٹھے اس موقع پر خاکسار کو بھی مقامی احباب کے ساتھ مل کر ان کی مہمان نوازی کی توفیق ملی جسے دیکھ کر بہت دعائیں دیتے رہے۔

دارالضیافت میں ایک دفعہ مجلس سوال و جواب کے اختتام پر آپ کچھ جلدی میں تھے اور آپ اپنا حوالوں والا بریف کیس دارالضیافت میں ہی بھول گئے خاکسار نے آپ کو الوداع کرنے کے بعد دیکھا تو آپ کا بریف کیس وہیں پڑا تھا اس پر خاکسار نے یہ بریف سنبھال کر رکھ لیا اور کچھ دیر بعد اسے لے کر بحفاظت ان کے گھر پہنچانے گیا۔ جب میں نے انہیں بریف کیس دیا تو اگر چہ وہ بہت تھکے ہوئے بھی تھے اور نہایت مصروف بھی تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے مجھے اندر بٹھایا اور مہمان نوازی کی اور بار بار شکریہ ادا کرنے لگے اور دعائیں دیتے رہے اور فرمانے لگے کہ یہ میری ساری عمر کی کمائی ہے جو آپ نے بڑی حفاظت سے مجھے پہنچا دی ہے محترم مولانا صاحب کی محبت اور شکریہ کا انداز آج تک مجھے یاد ہے جسے میں کبھی بھلا نہیں سکتا۔

خاکسار کئی دفعہ غیر از جماعت دوستوں کو لے کر آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتا تو باوجود اپنی بے انتہا مصروفیت کے فوراً ان کو اندر بلا لیتے اور ہر لحاظ سے ان کی پوری تسلی کرواتے اور خاکسار بھی آپ کے علم اور تجربہ سے فیض یاب ہوتا۔ آپ موقع کی مناسبت سے ایسے اچھوتے جواب دیتے کہ سننے والا حیران رہ جاتا۔ ایک دفعہ ایک مولوی صاحب خاکسار کے ساتھ ربوہ آئے، آپ سے وقت لیا لیکن وہ مولوی صاحب آپ سے ملتے ہی کہنے لگے میرے پاس وقت کم ہے مجھے چند منٹوں میں

میرے سوال کا جواب مختصر طور پر دے دیں۔آپ کھڑے ہوئے اور سلام کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لیتا اگر آپ مصروف ہیں تو اچھا اللہ حافظ، بعد میں وقت ہو تو تشریف لے آنا۔وہ مولوی صاحب اپنی اس غلطی کو محسوس کر کے کہنے لگے۔نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا آپ مجھے جس طرح چاہیں جواب دیں چنانچہ آپ نے بڑی شفقت سے اس کے سوالوں کے مختصر مگر جامع جوابات دیئے۔اور وہ مطمئن ہو کر گئے۔

جلسہ سالانہ قادیان 2005ء میں طبیعت ناساز ہونے کے باوجود آپ نماز فجر و درس قرآن کے بعد بیت الذکر میں ہی علم وعرفان کی شمع روشن فرماتے۔مجلس کو دلچسپ بنانے کے لیے بھی ترنم کے ساتھ اشعار پڑھتے اور کبھی لطائف سناتے اور اسی طریق پر علم وحکمت کے دریا بہاتے چلے جاتے۔قادیان میں پہلے دن مجلس میں شامل ہونے والوں کی تعداد کچھ کم تھی لیکن جونہی لوگوں کو پتا چلتا دن بدن اس تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔میں چونکہ آپ کی تمام مجالس کے نوٹس اپنی ڈائری میں لکھتا تھا اس لیے اگر کہیں کوئی بات رہ جاتی تو دوبارہ پوچھنے پر پھر لکھوا دیتے اور بعد میں کئی دوست مجھے ملتے جو آپ کی بعض باتوں کی تفصیل جاننے کے لیے میرے پاس آتے بعض لوگ ان مجالس کی ریکارڈنگ بھی کروا لیتے جسے وہ اوروں کو سنا کر ان کی علمی پیاس بجھاتے۔

قادیان ہی کی بات ہے کہ ایک دن خاکسار کسی معاملہ میں رہنمائی کے لیے دارالضیافت میں ان کے کمرہ میں گیا تو محترم عطاء المجیب صاحب راشد امام بیت الفضل لندن بھی ان کے ہمراہ تھے محترم مولانا صاحب نے نہایت شفقت کے ساتھ نہ صرف اس معاملہ میں رہنمائی فرمائی بلکہ ناشتہ میں بھی اپنے ساتھ شامل فرمایا جس کی لذت آج تک محسوس ہو رہی ہے۔

خلافت لائبریری ربوہ میں خاکسار کو محترم عطاء المجیب صاحب راشد کے ساتھ قریباً دو ہفتے تک "حیات خالد" کی تدوین کے سلسلہ میں خدمت کی توفیق ملی۔اس دوران خاکسار کو اکثر محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا۔جب بھی آپ سے ملاقات ہوتی آپ کی عظیم شخصیت اور مرتبہ کی قدر بڑھتی جاتی۔خلافت اور دربار خلافت کے خدام کے ادب و احترام کے پیش نظر محترم عطاء المجیب صاحب راشد کی مطلوبہ معلومات فوری طور پر مہیا فرما دیتے اور اسے اپنی سعادت سمجھتے۔

محترم مولانا صاحب کے قول اور فعل میں مطابقت کمال درجہ کی تھی آپ عالم باعمل ہونے کی شاندار مثال تھے۔آپ کے دفتر میں جلی حروف میں لکھا ہوا تھا ابھی کرو! ان الفاظ پر عمل درآمدگی کی بے شمار مثالیں ہیں لیکن ایک واقعہ میں اس جگہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔خاکسار نے جب تاریخ احمدیت ضلع لیہ مرتب کرنی شروع کی تو اس سلسلہ میں آپ سے بھی مل کر رہنمائی چاہی۔آپ نے نہایت مصروفیت کے باوجود بڑی محبت کا اظہار کرتے ہوئے اس کام کے بابرکت ہونے کے لیے دعائیں بھی دیں اور بڑی تفصیل سے رہنمائی بھی کی اور متعلقہ مواد کو تلاش کرنے اور اسے اچھے انداز میں پیش کرنے کی طرف توجہ دلائی۔بعد ازاں اس سلسلہ میں محترم امیر صاحب ضلع لیہ کے ایک خط کا تفصیلی جواب بھی اپنے ہاتھ سے رقم فرمایا اور تاریخ احمدیت ضلع لیہ کو مفید اور موثر بنانے کے لیے نہایت قیمتی مشورے دیے اور بہت سی معلومات بھی فراہم کی۔

حوالوں کا بادشاہ، اللہ کے حوالے

(مکرم مظفر احمد وڑائچ صاحب۔ ربوہ)

مولانا دوست محمد شاہد صاحب اپنے وقت کے ولولہ انگیز اور پر شوکت مقرر تھے۔ جلسہ سالانہ اور سالانہ اجتماعات پر آپ کی ایمان افروز تقاریر سننے کا موقع ملا کرتا تھا82-1981ء کی بات ہے لوکل انجمن احمدیہ کے تحت بیت المہدی کے ساتھ والے کھلے پارک میں جلسہ سیرت النبی ﷺ منعقد ہو رہا تھا۔ ربوہ کے باسیوں کی کثیر تعداد عشق رسول سے سرشار جلسہ میں شامل تھی کہ ایک جلوس کی شکل میں کچھ لوگ اپنے خیال میں اظہارِ محبتِ رسول کرتے ہوئے مغلظ نعرے لگاتے ہمارے جلسہ کے پاس سے گزرے۔ اس وقت سٹیج پر مولانا دوست محمد شاہد صاحب سیرت رسول ﷺ پر خطاب فرما رہے تھے۔ گزرنے والوں کے بے ہنگم شور و غوغا کی وجہ سے صدر جلسہ نے محترم مولانا صاحب کو روک دیا کہ ان لوگوں کو گزر لینے دیں تا کہ حاضرین تسلی سے آپ کا خطاب سن سکیں۔ اس دوران احباب جماعت نہایت حوصلے، صبر اور اطمینان سے اپنے جلسہ گاہ میں بیٹھے رہے۔ گدھا گاڑیوں پر جلوس گزر جانے کے بعد محترم مولانا صاحب نے بہت پر شوکت نعرے لگوائے اور فرمایا کہ اگر ان گزرنے والوں کے نعروں کی آواز پہلے آسمان پر جا رہی ہے تو تمہارے نعروں کی آواز ساتویں آسمان سے بھی اوپر تک جانی چاہیے۔ چنانچہ حاضرین نے پورے جوش و جذبہ سے نعرے ہائے تکبیر و رسالت بلند کیے۔ پھر آپ نے اپنے خطاب کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میلاد النبی ﷺ اور محبتِ رسول کا تعلق نہ تو جلسوں سے ہے اور نہ ہی جلوس اور سڑکوں پر شور و غوغا کرنے سے۔ محبت رسول کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہو اور پھر ان پر عملی تصدیق ہو۔ یہ انتہائی نازک وقت تھا جبکہ احباب جماعت ایک پارک میں اس طریق سے جمع تھے کہ بپھرا ہوا دشمن ٹولہ کھڑا بد زبانی کر رہا تھا جبکہ درمیان میں سجاوٹ کے لئے لگائی گئی جھنڈیوں کی صرف رسی بندھی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور جماعتی عہدیداران نے اپنی فراست سے احمدی مجمع بھی کنٹرول میں رکھا اور دشمن کے بدارادے کہ جھگڑا اور انتشار پیدا ہو، ناکام ہوئے۔ اور پھر فوراً بعد مولانا صاحب نے نعرہ ہائے تکبر اور ولولہ انگیز خطاب کے ذریعہ احباب جماعت کے جذبہ ایمانی کو سات آسمانوں کی سیر کرا دی۔ الحمد للہ علی ذلک۔

حوالہ حاضر ہے!

1985ء میں جامعہ احمدیہ میں شاہد کلاس کے مقالے کے طور پر مولوی عبدالرحیم اشرف آف فیصل آباد کی کتاب قادیانی غیر مسلم کیوں؟ کا جواب لکھنا خاکسار کے سپرد کیا گیا۔ جس میں تمام وجوہات اور اعتراضات کا جواب لکھا گیا۔ اس کتاب کے ایک اعتراض کے جواب میں یہ لکھنا تھا کہ جنگ عظیم اول جو جرمنی، اٹلی اور فرانس، برطانیہ کے دو بڑے اتحادوں کے درمیان لڑی گئی۔ جس میں برٹش

گورنمنٹ کو فتح ہوئی تھی۔ نمبر۱: اس جنگ میں سعودی حکومت نے انگریزوں کی مدد کی اور نمبر۲: برطانیہ کی فتح پر کروڑوں مسلمانوں نے جشن منایا۔ لیکن اس کی تائید میں کوئی دستاویزی حوالہ نہیں مل رہا تھا محترم مولانا صاحب ان دنوں جلسہ انگلستان میں شرکت کے لیے لندن گئے ہوئے تھے۔ مقالہ مکمل کر کے جمع کروانے کا وقت ختم ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب آپ واپس تشریف لائے خاکسار نے آپ سے نماز ظہر پر بیت المبارک میں مل کر اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے آپ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگرچہ کوارٹر میں کچھ مرمت کے کام کے باعث خاکسار نے اپنی کتب سمیٹ سماٹ کر رکھی ہوئی ہیں تاہم آپ آج ہی نماز عصر کے بعد گھر آ جانا انشاءاللہ حوالے مل جائیں گے۔ خاکسار حسب ہدایت حاضر ہوا تو آپ نے اپنی الماری سے فوراً کتب و اخبار نکال کر اور متعلقہ صفحہ کھول کر میرے سامنے رکھ دیا اور متعلقہ صفحہ فوٹو کاپی کروانے کے لئے مجھے کتب بھی عنایت فرما دیں۔ پس وہ حوالہ جس کی جستجو میں میں مہینوں سے سرگرداں تھا آپ نے فوراً مہیا فرما دیا جو یوں ہے:

1۔ اردو انسائیکلو پیڈیا زیرِ لفظ ابن سعود ص40

سوانح حیات سلطان ابن سعود ص132 تا 134۔

2۔ ہفتہ وار اخبار حق، لاہور 23 نومبر 1919ء صفحہ 1 تا 2۔

محترم مولانا صاحب کی قربت

بطور مربی سلسلہ خاکسار کی پہلی تقرری جولائی 1986ء کو علی پور چٹھہ ضلع گوجرانولہ میں ہوئی 23 مارچ 1988ء کو تلونڈی موسٰے خان ضلع گوجرانوالہ کی جماعت نے حلقہ کی سطح پر جلسہ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد کیا جس میں ضلع بھر کے مربیان بھی شامل ہوئے۔ مرکزی وفد کے سرخیل محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد تھے۔ جلسہ کی افتتاحی تقریر خاکسار نے کی۔ صدارت کے فرائض آفتاب احمد صاحب امیر ضلع گوجرانوالہ سرانجام دے رہے تھے۔ مولانا صاحب کی باقاعدہ تقریر ابھی ہونا باقی تھی کہ مخالفین کی شرارت اور اطلاع پر دوران جلسہ گوجرانوالہ سے پولیس آ گئی۔ جس کے نتیجے میں محترم مولانا صاحب، محترم شبیر احمد ثاقب اور نو مقامی احباب پر مقدمہ درج ہوا۔ اور بعد ازاں گرفتاری کی وجہ سے مولانا صاحب کو اس سال کا ماہ رمضان المبارک جیل میں گزارنا پڑا۔ اس کیس میں خاکسار صفائی کا گواہ اور سیرت النبی ﷺ پر تقریر کرنے کا اقبالی مجرم تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ چونکہ محترم مولانا صاحب نے باقاعدہ خطاب نہیں فرمایا مگر ان کے خلاف مقدمہ درج ہوا ہے جب کہ خاکسار نے افتتاحی تقریر کی ہے اور مقدمے میں نام نہیں ہے۔ اس لئے مولانا صاحب کی جگہ خاکسار کا نام مقدمہ میں شامل کیا جائے مگر خاکسار کے اقبالِ جرم کے باوجود ایسا نہ ہو سکا۔ جب گوجرانوالہ سیشن کوٹ میں کیس کی سماعت شروع ہوئی تو خاکسار جھنگ میں تعینات ہو چکا تھا۔ چنانچہ تاریخ پر گوجرانوالہ حاضر ہونے کے لئے ربوہ سے محترم مولانا صاحب کی معیت حاصل ہوتی رہی۔ یہ وہ موقع تھا جب خاکسار نے محترم مولانا صاحب کو بہت قریب سے دیکھا۔

کتب خریدنے کا شوق

مذکورہ بالا کیس میں ہمارے وکیل مکرم خواجہ سرفراز

احمد صاحب تھے۔ان کی خاطر ہمیں گوجرانوالہ جاتے یا آتے ہوئے لاہور سے گزرنا پڑتا تھا۔ہم جب بھی لاہور جاتے محترم مولانا صاحب وہاں سے بڑی ضخیم کتب خریدتے تھے۔ ہر بار آپ کو اس قدر ضخیم اور قیمتی کتب خریدتے ہوئے دیکھ کر ایک دن خاکسار نے عرض کیا کہ مولانا صاحب! آپ کا ایک ہی بیٹا ہے جو اللہ کے فضل سے میڈیکل ڈاکٹر ہے۔ یہ اتنی زیادہ کتب آئندہ کس کام آئیں گی۔ کیا آپ کے بیٹے کو اس طرف کوئی رغبت ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا کہ اگرچہ میرا بیٹا ڈاکٹر سلطان احمد مبشر میڈیکل ڈاکٹر ہے لیکن علم کلام اور تاریخ کی کتب کے مطالعہ کا اسے بھی بہت شوق ہے۔ وہ ان سے استفادہ کرتا ہے اور کرے گا۔اس لئے میرے بعد بھی یہ خزانہ ضائع نہیں جائے گا۔

مطالعہ کا طریق

دورانِ سفر آپ عموماً گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے تھے۔گھر سے لائی ہوئی یا لاہور سے خریدی ہوئی کتب پورے انہماک سے مطالعہ کرتے رہتے تھے اور جلد ہی ہزاروں صفحات کا مطالعہ کر کے پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی رائے سے نوازتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں کتاب کو سطر بسطر دائیں سے بائیں نہیں پڑھتا بلکہ اوپر سے نیچے صفحہ بصفحہ پڑھتا ہوں۔ میں پڑھتا نہیں بلکہ کتاب کو سونگھتا ہوں۔ اس کے باوجود آپ کو ضروری حوالہ جات کے صفحات تک یاد ہو چکے ہوتے تھے۔جب مطالعہ کے لئے کوئی کتاب آپ کے پاس نہ ہوتی تو آپ اپنے علم سے ہمیں بہرہ ور کرتے رہتے۔

جس موضوع پر بھی گفتگو ہو جاتی محترم مولانا صاحب اس میں بھرپور شرکت فرماتے اور اپنی رائے اور تبصرہ سے نوازتے۔عموماً موضوع جماعتی امور ہی ہوا کرتے تھے۔

افادہ عام

آپ کا یہ طریق تھا کہ جب بھی آپ کو موقع ملتا آپ حاضرین کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتے رہتے تھے۔آپ کا یہ طریق دفتر میں، بیوت میں حتیٰ کہ بہشتی مقبرہ میں جبکہ تدفین کے لئے انتظار کیا جا رہا ہوتا تھا جاری رہتا۔خواہ کوئی سوال پوچھتا یا نہ پوچھتا آپ علم کا دریا بہاتے رہتے اور احباب آپ سے مستفید ہوتے رہتے۔ یہ ناممکن تھا کہ ایسا کوئی موقع ہو اور محترم مولانا صاحب فارغ وقت ضائع کریں بلکہ آپ ایک چلتا پھرتا مدرسہ تھے اور اس موبائل مدرسہ کے طلبہ ہر جگہ اور ہر وقت میسر ہوا کرتے تھے۔حتیٰ کہ جب آپ گوجرانوالہ کی عدالت میں پیشی کے لئے جایا کرتے تھے تو بیسیوں احبابِ جماعت بھی آئے ہوتے تھے۔آپ وہاں ہی پیشی کے انتظار میں بعض دفعہ گھنٹوں احبابِ جماعت کے ساتھ کھڑے کھڑے یا گھاس پر بیٹھ کر علم وعرفان کے دریا بہاتے رہتے۔اور احباب بڑی دلچسپی اور دلجمعی سے معرفت کی جھولیاں بھرتے رہتے تھے۔اور وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا اور وقت گزاری یا وقت کا یہ بہترین مصرف ہوا کرتا تھا۔

پہلی دفعہ جب آپ کی ضمانت منسوخ ہوئی اور آپ کو عدالت میں ہی ہتھ کڑی لگائی گئی تو آپ نے سب کے سامنے ہتھ کڑی کو چوم لیا کہ صرف اور صرف راہِ مولیٰ میں آپ کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا تھا۔آپ نے جیل میں بھی اور ہر پیشی کے وقت اپنا مخصوص لباس یعنی اچکن اور پگڑی

زیب تن رکھا۔ایک دفعہ جیل سے عدالت پیش ہونے پر جج نے آپ سے پوچھا مولانا صاحب! کیا حال ہے تو آپ نے اپنے مخصوص انداز میں یہ شعر پڑھا:

نہ خوشی اچھی ہے اے دل نہ ملال اچھا ہے
جس حال میں وہ یار رکھے وہی حال اچھا ہے

عدالت میں جرح

جس دن عدالت میں خاکسار کی شہادت پر جرح ہوئی تھی اس دن ابتدائی تعارف میں خاکسار پر سرکاری وکیل جرحی سوالات کر رہا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ (دعوت حق) کے لئے کوئی اقبالی بیان مجھ سے لے سکے۔ اس دوران (داعی الی اللہ) اور مربی کے معنوں اور کام کی بھی بحث چھڑی۔ مگر خاکسار کا یہی مؤقف رہا کہ ہمارے تمام (داعیان) بیرونِ پاکستان کام کر رہے ہیں اور صرف مربیان پاکستان میں کام کر رہے ہیں کیونکہ پاکستان کا قانون ہمیں (دعوت حق) کی اجازت نہیں دیتا۔ اس پر جج صاحب نے سرکاری وکیل کو یہ کہہ کر مزید سوالات سے روک دیا کہ اس نوجوان پر آپ کو کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ محترم مولانا صاحب نے اس نکتہ اور وضاحت سے بہت لطف اٹھایا اور بطور خاص بعد میں ذکر کیا کہ (داعی الی اللہ) اور مربی کے معنوں کا فرق آج اچھی طرح واضح ہو گیا ہے۔

وقت کا استعمال

ایک دفعہ بیرون ربوہ سے محلہ دارالبرکات میں ایک بارات آئی۔ محترم مولانا صاحب کو نکاح کے اعلان کے لئے دعوت دی گئی تھی۔ جب آپ نکاح کے لئے کھڑے ہوئے تو نکاح فارم دیکھنے پر معلوم ہوا کہ نظارت اصلاح وارشاد کی اجازت حاصل کرنا ابھی باقی ہے۔ آپ نے متعلقہ افراد کو اس طرف توجہ دلائی۔ ایک صاحب نظارت سے اجازت لینے روانہ ہو گئے اور مولانا صاحب نے وقت ضائع کئے بغیر خطبہ نکاح میں وعظ ونصائح شروع فرما دیں۔ گھنٹہ بھر خطبہ جاری رہا جب فارم مکمل ہو کر آئے تو آپ نے ایجاب وقبول کروا دیا۔ اس طرح وہ وقت جو فارغ انتظار کرتے ہوئے گزرنا تھا آپ نے اس کا بہترین استعمال کیا اور حاضرین بھی شادمان ہو گئے۔

پہلے کام

1987ء میں حلقہ مانگٹ اونچا ضلع گوجرانوالہ کا جلسہ رکھا گیا۔ جلسہ کے دوسرے دن بروز جمعہ سرکردہ مرکزی علماء شامل ہوئے۔ دیگر نمائندگان نے تو جمعہ سے قبل ہی خطابات فرمائے جبکہ محترم مولانا صاحب کے ذمہ خطبہ جمعہ تھا۔ دوپہر کا کھانا خطبہِ جمعہ سے قبل کھایا گیا۔ محترم مولانا صاحب اپنے کاغذات اور دستاویزی ثبوتوں کو ترتیب دے رہے تھے کہ خاکسار نے حاضر ہو کر کھانے کے لئے تشریف لانے کو عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں کھانا نمازِ جمعہ کے بعد کھاؤں گا۔ چنانچہ خطبہ جمعہ میں آپ نے حاضرین کے ایمانوں کو خوب گرمایا۔ نمازِ جمعہ کے فوراً بعد مرکزی اکابرین نے فیصلہ کیا کہ جلسہ بخیریت اختتام کو پہنچ گیا ہے اس لئے اب مزید یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ محترم مولانا صاحب کو بھی مرکزی وفد کے دیگر ارکان کے ہمراہ واپس آنا پڑا اور آپ نے ذکر تک نہ کیا کہ ہنوز آپ نے کھانا کھانا ہے۔

آج جب کہ وہ ایک نافع الناس، عالم باعمل وجود جو اپنی ذات میں ایک ادارہ تھا ہم میں نہیں رہا تو ہم دعا گو ہیں کہ مولیٰ کریم انہیں غریق رحمت کرے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ پس ماندگان کا حامی و ناصر ہو اور جماعت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین



ذرا دیکھو ''خالد''

اسے بھی تو قربت غضب کی ملی تھی
اسمبلی میں ناصر کے احباب میں سے
وہ روشن تھا گویا چمکتا ستارہ
وہ موتی تھا اقسامِ نایاب میں سے
اگرچہ وہ تاریخ لکھتا رہا تھا
مگر اب وہ تاریخی ابواب میں سے
خلافت کے سائے میں پلتے بڑھا تھا
کرن جیسے کوئی ہو مہتاب میں سے
میں حضرت تجھے دوست! لکھتا رہوں گا
کہ یہ بھی تو ہے تیرے آداب میں سے
بیاں تیرا ایسے دلوں کو تھا بھاتا
مدُھر لَے ہو جیسا مضراب میں سے
فراز اس کی صفتوں سے کالم بھرے ہیں
ذرا دیکھو 'خالد'☆ کے ابواب میں سے

(مکرم اطہر حفیظ فراز صاحب)

☆مراد ماہنامہ ''خالد''

تحریر و بیاں کا شاہسوار

اٹھ گیا بزمِ جہاں سے اور اک عالی وقار
باغ احمد کا شجر اک خوشنما و سایہ دار
منکسر، عاجز، وہ خادم دیں کا، سلطان نصیر
رحمتیں مولیٰ کی ہوں تربت پہ اس کی بے شمار
کاتبِ احوال ملت لحہ لحہ کا امیں
مخزنِ تاریخ تحریر و بیاں کا شاہسوار
وقف تھے اوقات اس کے دیں کی خدمت کے لیے
روک تھی کوئی نہ تھی خدمت کسی میں کوئی عار
معجزہ قوتِ قدسی سے اک عاجز دیا
یوں چمک اٹھا کہ جیسے شمس ہو نصف النہار
جو کمر بستہ ہوا دیں کے لیے فائز ہوا
نعمتیں اس راہ میں ملتی ہیں
جو ہیں اللہ کے، نہیں ان کے نصیبوں میں شکست
روک سکتا ہی نہیں کوئی انہیں دشمن کا وار
قلب صافی پر ہوا نازل فلک سے نورِ حق
یوں قلم چلتا گیا کہ جیسے تیغ تیز دھار
یا الٰہی مجھ سے عاصی کو بھی کر تقویٰ عطا
لوگ کہہ اٹھیں کہ طاہر ہو گیا انجام کار

(مکرم طاہر عارف صاحب)

مؤرخ احمدیت کی یاد میں

بعض مشاہدات وتاثرات

(مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب۔ ربوہ)

اطاعت خلافت

خاکسار نے آپ کے پاس ایک لمبا عرصہ کام کیا۔ جن خاص خوبیوں کو خاکسار نے مشاہدہ کیا ان کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ خلافت کی اطاعت سے حاصل کیا۔ امام وقت کے ذکر سے آپ کا دل گداز ہو جاتا تھا۔

لندن سے حضور انور کی طرف سے بذریعہ فیکس بعض حوالہ جات آپ سے طلب کئے جاتے تھے۔ جونہی آپ کے پاس حوالہ جات کے سلسلہ میں فیکس آتی۔ اپنے ساتھیوں کو بلا کر فوراً کام شروع کر دیتے۔ اس وقت آپ کی کیفیت قابل دید ہوتی۔ نہایت سبک رفتاری سے کام کرتے تھے۔

آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ امام وقت کے ارشاد کی جلد سے جلد تعمیل ہو۔ سب سے پہلے دعا کی جاتی پھر متعلقہ کتب کو منگوا لیتے تھے۔ حوالوں کو تلاش کر کے متعلقہ صفحات پر پیپر لگا دیئے جاتے تھے۔

اس کے بعد ان حوالہ جات کی مع سرورق فوٹو کاپیاں کروائی جاتیں۔ اس کے بعد ان کی ترتیب لگاتے پھر ایک علیحدہ چٹھی لکھ کر ان کی تفصیل درج کرتے تھے۔ کام مکمل کر کے دو ممبران کو دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں یہ سارا مواد دے کر بھجواتے۔

جب کام زیادہ ہوتا تو آپ اپنے ساتھیوں کو اپنی طرف سے چائے وغیرہ پلاتے۔ کبھی پھل منگا لیا جاتا اور کھانا دارالضیافت سے منگوایا جاتا تھا۔

آپ کا کام کرنے اور کرانے کا انداز ایسا تھا کہ رونق لگائے رکھتے تھے۔ کبھی کوئی لطیفہ سنا دیا۔ کبھی تاریخی واقعہ اور ساتھ ساتھ وعظ ونصیحت بھی جاری رہتی۔

ایک ہی وقت میں کئی پہلوؤں سے آپ سرگرم عمل ہوتے تھے۔ ہمیں یاد ہے کہ کسی ممبر نے ایسے موقعوں پر کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں کی تھی۔ ان کے کام کرنے کا طریق، جذبہ اور خلوص تھا جو ساتھیوں کو بھی متحرک اور مستعد رکھتا۔

خلفاء احمدیت سے عقیدت ومحبت کا اظہار آپ کے خطوط سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ نہایت انکساری اور عاجزی کا انداز اختیار کرتے تھے۔ ایم ٹی اے پر خلفاء احمدیت کے تمام پروگرام دیکھتے رہتے تھے۔ جونہی کوئی اہم بات سامنے آتی اس کو ڈائری میں نوٹ کر لیتے تھے۔ پھر دفتر میں اپنے ساتھیوں کو بھی آگاہ فرماتے۔ اپنی ذاتی لائبریری میں دوران مطالعہ اور تحریری کام کے ساتھ ساتھ ایم ٹی اے بھی لگا ہوا ہوتا تھا۔

پابندی وقت

آپ کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ آپ وقت کی بہت پابندی کرتے تھے۔صبح کے وقت دفتر میں کچھ پہلے ہی پہنچ جاتے۔جب تک صحت ٹھیک رہی دوپہر کے بعد دفتر دوبارہ آجاتے اور پھر رات گئے تک کام کرتے رہتے تھے۔کبھی کبھی خاکسار آکر آپ کی معاونت کرتا تو بہت ممنون ہوتے تھے۔

جنوری 2000ء میں سائیکل سے گرنے کے بعد دفتری اوقات کے علاوہ گھر میں ہی اپنا کام کرتے تھے۔ لیکن حتی المقدور صبح کے وقت دفتر میں وقت پر آتے رہے۔ وقت کے ضیاع کا شدت سے آپ کو احساس ہوتا تھا۔فرمایا کرتے تھے کہ جو لمحہ گزر گیا وہ لاکھوں کروڑوں پونڈ خرچ کرکے بھی واپس نہیں لایا جاسکتا۔اس لئے اس کی قدر کرنی چاہئے۔دفتر میں آپ نے دو فریم بنوائے ایک اپنے پاس رکھا دوسرا ہمارے کمرہ میں رکھوایا ان فریموں میں درج ذیل ارشادات درج ہیں۔

’’تو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔‘‘ (ترجمہ الہام حضرت مسیح موعود تذکرہ طبع چہارم ص 389)

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

وقت نہایت قیمتی چیز ہے جو وقت کو استعمال کرے گا وہی جیتے گا اور جو ضائع کرے گا وہ ہار جائے گا۔

(فرمان مصلح موعود الفضل 23 فروری 1952ء)

کام مشکل ہے بہت منزل مقصود ہے دور
اے مرے اہل وفا سست کبھی گام نہ ہو

ہم تو جس طرح بنے کام کئے جاتے ہیں
آپ کے وقت میں یہ سلسلہ بدنام نہ ہو

وقت کم ہے بہت ہیں کام چلو
ملگجی ہو رہی ہے شام چلو

’’حضرت خلیفۃ المسیح امام وقت ہیں۔وقت آپ ہی کا ہے جس کے ایک لمحہ کا ضیاع بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا۔‘‘

ان ارشادات کو آپ نے مدنظر رکھا اور ان کے مطابق اپنا کام کرنے کی کوشش کی۔ہر لحہ مصروف عمل رہے اور اسی کے مطابق کام کرنے کی تلقین فرماتے رہے۔آپ دفتر سے جانے کے بعد گھر میں بھی تاریخ احمدیت کا کام کرتے رہتے تھے۔

اکثر بتایا کرتے تھے رات ایک دو بجے تک کام کرتا ہوں۔

کسی پروگرام میں آپ کو جب بلایا جاتا یا کسی میٹنگ میں آپ نے جانا ہوتا تھا تو ہمیشہ وقت کی پابندی کرتے۔ مجھے یاد نہیں کہ ساڑھے بیس سال کی رفاقت میں ایک دفعہ بھی آپ کسی پروگرام میں بروقت نہ پہنچے ہوں۔

احساس ذمہ داری

ذمہ داری چھوٹی ہو یا بڑی آپ اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔علاوہ مفوضہ فرائض کے جو بھی ذمہ داری سامنے آتی اس کی ادائیگی کے لئے پوری تیاری کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں تو کسی نکاح کا اعلان بھی بغیر تیاری کے نہیں کرتا۔اتنی معلومات اور علم رکھنے کے باوجود ہر پروگرام کی تیاری کرتے نئے حوالے نئی معلومات مہیا کرنے

کا ازحد شوق اور جذبہ تھا۔کوئی بات بغیر حوالے کے کرنا آپ کو پسند نہیں تھا۔آپ کا کوئی مضمون بھی دیکھیں اس میں حوالے ضرور دیئے گئے ہیں۔

آپ کی تصانیف میں بھی یہ چیز بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔آپ کہیں بھی جاتے تو تاریخ احمدیت کی تدوین وتالیف کے لئے مطلب کی چیزوں کی تلاش میں رہتے تھے۔کسی پریشانی یا تکلیف کی پرواہ کئے بغیر اپنا فرض ادا کرتے رہے۔

اپریل 1990ء میں آپ گوجرانوالہ کی سنٹرل جیل میں تھے۔آپ نے 13اپریل 1990ء کے مکتوب بنام خاکسار میں لکھا ''یہاں میں اخبارات پڑھ کر ضروری خبروں والے صفحات جمع کر رہا ہوں امید ہے کہ اگر کوئی معتبر ذریعہ مل گیا تو میں ریکارڈ میں محفوظ رہنے کے لئے بھجوا سکوں گا۔یہ تراشے مساوات،مشرق،جنگ اور نوائے وقت کے ہیں۔یقین ہے کہ آپ خبروں کا ضروری خلاصہ خاص اہتمام سے محفوظ کر رہے ہوں گے۔''

جب بھی بیرون ربوہ جاتے واپسی پر تاریخ احمدیت کے لئے کچھ نہ کچھ مواد ضرور اکٹھا کر کے لاتے۔روزانہ کی بنیاد پر کام کرتے تھے۔یعنی آج کا کام کل پر ڈالنا ان کو گوارا نہ تھا۔فرمایا کرتے تھے کہ میں اس لئے آج کا کام کل پر نہیں چھوڑتا کہ پھر کل کی ذمہ داریوں کو کیسے ادا کرسکوں گا۔جن کا معلوم نہیں کہ وہ کیسی ہوں۔اکثر دنیا بھر کے احمدی احباب اور عہدیدار آپ سے حوالہ جات اور معلومات حاصل کرتے رہتے تھے اور آپ ان کو حسب ضرورت مواد مہیا کرتے۔

اندازِ تحقیق

کسی امر کی تحقیق میں کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیتے تھے۔جتنے ماخذ میسر آتے ان کو بغور ملاحظہ کرنے کے بعد آپ کی تسلی ہوتی تھی۔اپنے ساتھیوں کو بھی آپ نے یہی سبق دیا۔بعض اوقات ایک حوالہ کے لئے آپ کو کئی کتب کا مطالعہ کرنا پڑتا۔آپ کا طریق تھا کہ سب سے پہلے قریب ترین ماخذ کو دیکھتے اگر کامیابی نہ ہوتی تو دوسرے ماخذ کو چیک کرتے۔لیکن کام ادھورا نہیں چھوڑتے تھے۔خواہ اس پر کتنا ہی وقت لگے۔

ایک دن آپ نے بتایا کہ رفقاء حضرت مسیح موعود کی بیعت کے حوالے سے لوا حقین اندازوں سے بات کردیتے ہیں۔لیکن تاریخ کا تعلق اندازوں سے نہیں حقائق سے ہے اور اس کے لئے مجھے تحقیق کرنی پڑتی ہے۔کئی ماخذ دیکھتا ہوں پھر تاریخ بیعت کو درج کرتا ہوں۔تاریخ احمدیت کی تدوین میں آپ نے شب وروز محنت کی اور حتی المقدور کوشش کی کہ صحیح معلومات اگلی نسل کو منتقل ہوں۔

آپ بتایا کرتے تھے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بات رہ جائے تو دوبارہ چھپ جائے گی لیکن اگر کوئی غلط بات چھپ جائے تو اس کی تلافی آسان نہیں کیونکہ تصحیح کو تو بہت کم لوگ ہی پڑھیں گے۔

تحقیق اور ریسرچ ورک کو آپ دلچسپ کام قرار دیا کرتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ تحقیق کرتے وقت نئی نئی معلومات سے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور اس سے مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے۔

دین کی خدمت کا غیر معمولی جوش وجذبہ آپ میں پایا جاتا تھا۔علمی یا قلمی کام کرتے ہوئے محویت کا عجیب عالم ہوتا تھا۔

کہتے تھے کہ جب میں کچھ لکھ رہا ہوتا ہوں تو ایک رو دماغ میں چل رہی ہوتی ہے۔ دائیں بائیں کا خیال نہیں آتا کہ کیا ہو رہا ہے۔

مسائل اور مشکلات کو فرائض کی ادائیگی میں آپ نے رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے بھی دقت درپیش ہوتی تھی۔ معمولی سی لائٹ سے ہی کام جاری رکھتے تھے۔

شوق مطالعہ

کئی دفعہ ہم نے دیکھا کہ کتب کا ڈھیر پڑا ہے اور آپ نے ان کا مطالعہ شروع کر دیا۔ جب تک وہ ختم نہ ہو جاتیں آپ چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ ضروری اور اہم پوائنٹ کو کتاب کے شروع میں درج کر دیتے تھے اور بعض اہم حوالوں پر نشانی رکھ کر ان کی کاپی کروا کر سنبھال لیتے اور حسب ضرورت کام میں لاتے تھے۔

حوالہ جات کی کتب کے حصول کے لئے سرگرداں رہتے۔ ایک دفعہ خاکسار آپ کے ساتھ کتب کی خرید کے لئے لاہور گیا۔ مختلف اداروں سے کتب خریدی گئیں۔ ایک کتاب ''چودہ ستارے'' حاصل کرنے کے لئے پیدل موچی دروازے سے ہو کر ایک عام سی گلی میں لے گئے۔ وہاں ایک دکان سے یہ کتاب ملی۔ میرے لئے یہ بات بڑی حیران کن تھی کہ آپ نے کتابوں کے حصول کے ہر مرکز سے واقفیت رکھی ہوئی تھی۔ کئی دفعہ خلافت لائبریری میں آنے والی نئی کتب کو ملاحظہ کرتے اور جو بھی کتب موجود ہوتی تھیں ان کے ضروری اور اہم حصے فوٹو کاپی کروا لیتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کو تاکید کیا کرتے تھے کہ میاں جب بھی کوئی نئی کتاب سامنے آئے تو اس کو کم از کم سونگھ ضرور لیا کرو۔ یعنی یہ دیکھ لیا کریں کہ کتاب کا موضوع کیا ہے۔ کس نے لکھی ہے اور کونسی خاص بات اس میں بیان ہوئی ہے۔

اگر کوئی آپ کو کتاب تحفہ میں دیتا تو آپ کو بے حد خوشی ہوتی تھی۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے سلسلہ کی تائید میں کوئی حوالہ لا کر دے تو یہ میرے لئے ہیرے اور جواہرات سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔

جذبہ دعوت الی اللہ

دفتری مصروفیت اور اہم ذمہ داریوں کے باوجود (دعوت الی اللہ) کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔

کئی دفعہ پورا دفتری ٹائم اس کام پر صرف ہو جاتا تھا۔ جس بات کو پیش کرتے، اصل کتاب سے اس کا حوالہ بھی دکھا دیتے۔ اس غرض کے لئے آپ نے حوالوں کی بہت سی کتب اپنی دسترس میں رکھی ہوتی تھیں۔

پُر جوش آواز اور انداز سے دیر تک بولتے چلے جانا آپ ہی کا خاصہ تھا۔ دوران سفر بھی کسی نہ کسی رنگ میں دعوت الی اللہ جاری رہتی۔ مخاطب اپنا ساتھی ہوتا، لیکن دوسروں کو بھی آواز بلند رکھ کر سنا دیتے۔ ایک دن لاہور سے ہم بذریعہ ٹرین ربوہ آ رہے تھے۔ لاہور سٹیشن سے گاڑی پر بیٹھتے ہی گفتگو کا سلسلہ آپ نے شروع کیا۔ خاکسار کے علاوہ دو تین احمدی نوجوان اور بھی تھے جو ربوہ کے لئے سوار ہوئے۔ انہوں نے مولوی صاحب کو دیکھا تو وہ بھی پاس آ گئے۔ بلاخوف وخطر ربوہ تک آپ نے ہمیں مخاطب کر کے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ جس کو ساتھ بیٹھے مسافر بھی سنتے رہے۔

اپنی بات کرنے کا فن اور ڈھنگ بھی آپ کو خوب آتا تھا۔ پھر موقعہ اور محل کے مطابق بات کرنے کا بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ (دعوت الی اللہ) کے حوالے سے احباب جماعت کی مدد کرتے رہتے تھے۔ ان کو حوالوں کے ہتھیاروں سے مسلح کرتے رہے۔

خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت ہر آن آپ کے شامل حال دیکھی۔ کسی شخص کی حیثیت یا علمیت سے آپ مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ہر مسلک کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اسی طرح دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں یا کوئی اور اہم علمی نقطہ آپ کے ذہن میں آتا تو فوراً اپنے ساتھیوں کو بتاتے تھے۔ فرماتے تھے یہ طریق ہمارے بزرگوں کا بھی تھا۔ ایک دن آپ نے بتایا کہ رات کا وقت تھا۔ حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری نے مجھے بلایا۔ جب میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے ایک علمی نکتہ میرے ذہن میں آیا تھا۔ سوچا آپ کو بتا دوں ایسا نہ ہو کہ صبح تک میں زندہ نہ رہوں اور یہ امانت آگے منتقل ہونے سے رہ جائے۔

بزرگان سلسلہ کے یہ ذوق اور شوق ہی تھے کہ جس نے احباب جماعت کے دلوں میں خدمت دین کے جذبوں کو بلند رکھا۔ اپریل 1990ء میں دوران اسیری بھی آپ نے سنٹرل جیل گوجرانوالہ میں (دعوت الی اللہ) جاری رکھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی خدمت میں آپ نے جو رپورٹ بھجوائی اس کے جواب میں حضور انور نے 19 جون 1990ء کے اپنے ایک خط میں خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ''آپ کا خط ملا جیل میں ماشاء اللہ آپ نے تو خوب (دعوت الی اللہ) کی اور زبردست جماعت قائم کی ہے۔ ...... اللہ تعالیٰ ان سب کو استقامت بخشے اور بیشمار رحمتوں اور فضلوں سے نوازے اور کام کی صحت و توفیق عطا فرمائے''۔

خطوط کا جواب

جس دن کسی کا خط موصول ہوتا اسی دن اس کا جواب لکھ کر حوالہ ڈاک کر دیتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا یہ طریق تھا کہ وہ بھی خط کا فوری جواب دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ خط کا جواب میں اپنے اوپر قرض سمجھتا ہوں اگر قاف کا ایک نقطہ حذف ہو تو یہ فرض بن جاتا ہے اگر دوسرا بھی حذف ہو جائے تو مرض بن جاتا ہے اور میں کسی مرض کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ آپ نے بھی یہی طریق اختیار کئے رکھا۔

ہر خط کے جواب میں کوئی نہ کوئی علمی بات، کوئی شعر یا قول ضرور تحریر فرماتے تاکہ پڑھنے والے کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو۔

آپ فرماتے تھے کہ میاں اس سے خط میں ایک خوبصورتی آجاتی ہے اور متعلقہ احباب کو خوشی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہمیں مفت کا ثواب مل جاتا ہے۔

خلفاء احمدیت کے خطوط آپ نے ایک ترتیب کے ساتھ فائلوں میں محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ بلکہ احباب جماعت کے اکثر خطوط بھی آپ نے سنبھال کر رکھے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ میں نے اپنی آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ رکھے ہیں تاکہ وہ ہمارے ان محسنوں کو بھلا نہ دیں۔

بچوں سے حسن سلوک

دفتر میں مصروفیت کے باوجود اگر کوئی بچہ ملنے آتا تو ضرور وقت دیتے تھے۔ کسی نوجوان یا بڑے سے معذرت کر لیتے لیکن احمدی بچوں کی دلجوئی کرتے اور ان سے محبت سے پیش آنا خاص طور پر ہمیں نظر آتا تھا۔

ممبران شعبہ تاریخ احمدیت میں سے کسی کا کوئی بچہ دفتر آتا تو اسے بڑی محبت سے ملتے اور اگر کوئی چیز پاس ہوتی تو اسے دے دیتے۔ کئی دفعہ چیز نہیں ہوتی تھی تو جیب سے کچھ پیسے دے کر اپنے دل کی تسکین کا سامان کر لیتے۔

آپ کی وفات کا ذکر جب میں نے اپنے چھوٹے بیٹے طاہر احمد (عمر گیارہ سال) سے کیا تو کہنے لگا آپ کے دفتر کے وہ مولوی صاحب فوت ہوئے ہیں جنہوں نے مجھے ایک دن بسکٹ دیئے تھے۔

طاہر آباد ربوہ سے ایک دن دو بچے آئے ہم نے کہا کہ مولوی صاحب تو مصروف ہیں لیکن ان کا اصرار تھا کہ ہم نے ضرور ملنا ہے ہم اتنی دور سے آئے ہیں ہم نے دعا کے لئے کہنا ہے۔ میں نے مولانا صاحب کو بتایا تو آپ نے کہا بلالیں۔ چنانچہ وہ بچے آدھا گھنٹہ آپ سے باتیں کرتے رہے۔ آپ ان سے باتیں بھی کرتے جاتے اور ساتھ ساتھ اپنا کام بھی کرتے رہے۔ وہ بچے بڑے خوش تھے اور اسی لئے وہ کئی بار دفتر آئے اور آپ نے متعدد مرتبہ ان کو ملاقات کا موقع دیا۔

اسی طرح جب بھی کوئی ملنے آیا اگر ان کے ساتھ کوئی بچہ ہوتا تو ان کو خصوصاً وقت دے دیتے۔ فرماتے یہ بچے ہمارا مستقبل ہیں اور یہ خوش قسمت ہیں کہ ان کی زندگی میں احمدیت کو بڑا عروج حاصل ہو چکا ہوگا اور آج کے یہ بچے کل کو بڑی بڑی ذمہ داریاں سنبھالنے والے ہیں۔

محترم مولانا صاحب کا احباب جماعت بہت احترام کرتے تھے۔ آپ معمولی سی چیز پر بھی ایسے رنگ میں شکر گزار ہوتے کہ گویا کوئی انمول چیز مل گئی ہے۔ اگر کوئی کسی اخبار کا مضمون یا کسی اہم خبر کی کٹنگ دے کر جاتا تو اس کا نہایت اچھے جذبات کے ساتھ شکریہ ادا کرتے۔

کسی بھی دفتر سے کوئی کتاب یا بغرض ریکارڈ کوئی رپورٹ یا چٹھی آتی تو فوراً شکریہ ادا کرتے تھے۔

خود اگر مصروف ہوتے تو دفتر کے کسی ممبر کو کہہ دیتے کہ بذریعہ فون میری طرف سے شکریہ ادا کریں۔ بعض اوقات اپنے معین الفاظ میں شکریہ ادا کرنے کی تاکید کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں جو لوگ بیٹھے بٹھائے مواد مہیا کرتے ہیں ان کا شکریہ ادا کرنا ہم پر فرض ہے۔ اگر آپ تحفہ وغیرہ قبول کرتے تھے تو خود بھی ایسے احباب کو کسی نہ کسی صورت میں تحفہ تحائف دیتے تھے۔ کبھی کسی کتاب کی صورت میں یا مٹھائی وغیرہ کی صورت میں کوئی تحفہ وغیرہ ملتا تو یہ مصرع بطور تشکر ضرور کہتے۔ ع

تیرے اس لطف کی اللہ ہی جزا دے ساقی

لوگوں کے احسانات کو آپ یاد رکھتے تھے اور ان کا اکثر ہمارے سامنے ذکر بھی کرتے رہتے تھے۔ آپ کے ساتھ کام کرتے ہوئے یہ خوبی آپ میں نمایاں نظر آئی۔ چھوٹے سے چھوٹے کام میں معاونت پر ممبران شعبہ تاریخ کے ممنون ہوتے اور نہایت عمدہ الفاظ شکریہ کے لئے استعمال کرتے۔



خاک پائے مسرور

(مکرم بشارت اللہ مہر صاحب۔ مظفر گڑھ)

احمدیت کی خاطر اپنی زندگی کا ہر لمحہ قربان کرنے والا شیدائی اپنے نام کی طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک ادنیٰ خادم اور خلافت احمدیہ کا دیوانہ اسکے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کرنے والا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے روحانی فرزند جلیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عاشق حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد ہم سے جدا ہو گئے۔ (کل من علیها فان)

خلافت احمدیہ کے اس دیوانے خادم نے اپنی زندگی وقف کی تو کر دی۔ آپ ایک بے باک مقرر، موقع کی مناسبت سے قادر کلام اور اپنے مخصوص انداز بیان کی وجہ سے اور خصوصاً نوجوان احمدیت کے لیے کشش کا خاص درجہ رکھتے تھے۔ جلسہ سالانہ کی تمام تقاریر ہی خدا کے فضل سے اپنی جگہ بہت ہی اہمیت کی حامل اور پر مغز ہوتیں لیکن مولانا کا انداز ہی نرالہ ہوتا تھا۔

ہر چھوٹے بڑے کو نہایت ہی ادب کے ساتھ یا حضرت کہتے ہوئے مخصوص تبسم بھرے لہجے میں پہلے سلام کرنا آپ کا ہی طرۂ امتیاز تھا۔ 1974ء کے پر آشوب دور میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ساتھ قومی اسمبلی میں جماعت احمدیہ کی طرف سے نمائندہ وفد میں شامل ہونا اپنے لیے ہر لحاظ سے قابل فخر سمجھتے تھے اور اس خدمت کو ہمیشہ ہی مختلف انداز میں بتایا کرتے تھے۔

1974-75ء میں خاکسار تعلیم الاسلام کالج ربوہ تعلیم کے دوران پھر وہاں سٹوڈنٹس یونین کے صدر منتخب ہونے نیز فضل عمر ہوسٹل کا زعیم مجلس خدام الاحمدیہ ہونے کی وجہ سے آپ سے بہت باقاعدگی سے میل ملاقات رہتی اور ہمیشہ ملاقات میں آپ کو خلافت، (دین حق) واحمدیت کے لیے وفا شعار اور دیوانگی کی حد تک پیار اور محبت میں ڈوبا ہوا پایا۔

ہر ملاقات میں ان سے ایک نیا خزانہ ملتا۔ ایک ملاقات میں ایران سے فارسی زبان میں شائع ہونے والی ایک بہت ہی پرانی کتاب کا نسخہ دکھایا جس میں ایک بزرگ نے آئندہ زمانے میں ایک طلسمی جادو بھری زبان میں لوگوں کا دل موہ لینے والے مقرر کا ذکر کیا تھا اور پھر لکھا کہ یہ 52 کے عدد تک جائے گا۔

ایک تصویر بھی دکھائی کہ اس کو غور سے دیکھو یہ مصر کے بادشاہ کی ایک ممی ہے۔ ایک مشہور شخصیت کی طرف اشارہ کرتی ہے وغیرہ وغیرہ...

جب 1980ء میں خاکسار ملتان کینٹ میں قائد خدام الاحمدیہ اور ملتان یونیورسٹی کا طالب علم تھا، ایک کتاب جسٹس محمد منیر صاحب کی "جناح ٹو ضیاء" شائع ہوئی۔ مولانا کی شدید خواہش تھی کہ جیسے بھی ہو یہ کتاب یا اس کی مکمل فوٹو سٹیٹ کسی طرح سے فوراً حاصل کرنی ہے کیونکہ ان دنوں اس کتاب کا حصول مشکل تھا۔ ملتان میں جب حضرت مولانا

عبدالمالک خان صاحب ناظر اصلاح و ارشاد اور مولانا دوست محمد صاحب شاہد تشریف لائے تو خاکسار نے ملک فاروق احمد کھوکھر صاحب کی کوٹھی پر کتاب ’’جناح ٹو ضیاء‘‘ کی مکمل فوٹو اسٹیٹ مولانا کو پیش کی (بعض ضروری حوالہ جات کے لیے اس کی ضرورت تھی) تو اس پر بہت خوش ہوئے ربوہ جا کر شکریہ کا خط بھی لکھا۔ ایک مرتبہ لیہ سے جو کہ ضلع مظفر گڑھ کی ایک اور تحصیل تھی وہاں سے ایک کتاب بعنوان ’’جنگ ستم‘‘ شائع ہوئی۔ جس میں مختلف فرقوں کی طرف سے ایک دوسرے کے متعلق سخت زبان استعمال کی گئی تھی خاکسار نے کوشش کر کے وہ کتاب آپ کو بھجوائی۔ اس کتاب کے ملنے پر بہت خوش ہوئے۔ گویا آپ ہر دم علمی خزانے کی تلاش میں رہتے تھے۔

خاکسار نے اپنے بچوں اور اپنے لیے دعا کا خط لکھا تو جواب میں معمول کے مطابق خاکسار دوست محمد شاہد لکھنے کی بجائے ’’خاک پائے مسرور‘‘ خاکسار کے ساتھ لکھ دیا۔ اللہ اللہ کیسی دیوانگی ہے۔ ایک اپنے خادم کو خط کے جواب میں خلافت احمدیہ سے پیار اور اطاعت کے علاوہ یہ سبق دیا کہ سب دعائیں اسی کے دربار میں پیش کرنے کے لائق ہیں جس کے قدموں کی میں خاک ہوں۔

جب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے نظام وصیت میں احباب جماعت کو شمولیت کی تحریک میں اضافہ کی طرف توجہ دلائی گئی تو ایک مرتبہ ایک چھوٹے بچے کے سوال پر کہ مولانا کیا آپ نے وصیت کروائی ہوئی ہے؟ روزنامہ الفضل میں ایک نہایت ہی قیمتی اور تفصیلی مضمون آئندہ آنیوالی نسلوں کے لئے لکھ دیا جس میں خود اپنی وصیت کی تفصیل کے ساتھ، وصیت کی غرض وغایت حقیقت اور ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ لکھا مجھے آج احساس ہوا ہے کہ نظام وصیت ہم سے کن پاک تبدیلیوں کے پیدا کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔

الغرض آپ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ مسلسل اور متواتر خدمت (دین حق) واحمدیت کرتے ہوئے بے شمار علمی ذخیرہ چھوڑ دیا جو ہمیشہ قیامت تک آپ کی یاد کو تازہ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے آپ کی ساری اولاد اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں۔ کئی اور دوست محمد شاہد پیدا ہوتے چلے جائیں اور خلافت کے قدموں کی خاک بن کر خدمات بجالاتے رہیں کہ آپ کو بہترین خراج عقیدت پیش کرنیکا یہی طریقہ ہوگا۔



روزہ افطار کرنے کی دعا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن زہرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ روزہ افطار کرتے وقت یہ دعا کیا کرتے تھے:۔

ترجمہ: اے اللہ تیرے لئے میں نے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر میں نے افطار کیا۔

(ابوداؤد کتاب الصوم)



مؤرخِ احمدیت سے ایک ملاقات

جس نے ''ضلع چکوال تاریخ احمدیت'' لکھنے کے خواب کو عملی جامہ پہنایا

(مکرم ریاض احمد ملک صاحب۔ امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع چکوال)

مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد دوالمیال بھی کئی مرتبہ تشریف لائے اور احمدیہ دارالذکر دوالمیال میں ان کی تقاریر سننے کا موقع ملا۔ اور آپ کی مدلل تقاریر کو سن کر دل میں ہمیشہ آپ کے لیے دعائیں نکلتی تھیں اور خاص کر آپ کا تاریخ احمدیت کے واقعات اور شب و روز ترقی کو قلمبند کرنے کا کارنامہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔

مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد سے میری ملاقات 1995ء میں آپ کے دفتر میں ہوئی جس نے مجھے لکھاری بنا دیا۔ اور مجھ ناچیز کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ ''ضلع چکوال تاریخ احمدیت'' کی ترتیب و تالیف کردی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضلوں، حضور پرنور کی شفقتوں، بزرگوں کی دعاؤں اور محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی صحیح راہنمائی اور محبتوں کی بدولت مجھ ناچیز کو اس خدمت کا موقع ملا۔ اس پر جتنا بھی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کم ہے۔

اس روح پرور، ہمتیں بڑھانے، حوصلوں کو نیا جذبہ بخشنے والی ملاقات جو میری خوش بختی اور میرے ارادوں کو مستحکم کرنے والی تھی۔ جس نے میرے اندر کو سوئے ہوئے لکھاری من کو جگا دیا اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

میں نے اخبار الفضل ربوہ میں مورخہ 15 جون 1994ء کو ایک اعلان شائع کروایا تھا کہ تاریخ احمدیت چکوال لکھنے کا پروگرام مرتب کیا گیا ہے اور احباب جماعت سے درخواست کی کہ تاریخ احمدیت ضلع چکوال کے واقعات، رفقاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام اور ان کے روح پرور واقعات، تصاویر، اور تاریخ احمدیت ضلع چکوال کا متعلقہ مواد ارسال کریں تا کہ اس اہم فریضہ کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔

تاریخ احمدیت ضلع چکوال کے حوالہ جات کو اکٹھا کرنے کی غرض سے میں خلافت لائبریری کے پرانے ریکارڈ سیکشن میں مکرم نصیر احمد فوجی صاحب سے پرانے اخبارات اور ''رجسٹر روایات رفقاء حضرت مسیح موعودؑ'' سے حوالہ جات لے رہا تھا۔ حضرت مولوی احمد الدین صاحب آف منارہ ضلع چکوال جن کا شمار حضرت مسیح موعودؑ کے 313 رفقاء میں ہوتا ہے اور آپ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ آپ ضلع چکوال سے سب سے پہلے حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ہیں اور حضرت مسیح موعودؑ کی دعاوی پر آمنا و صدقنا کہنے والے اور ضلع چکوال میں احمدیت کی ابتداء کرنے والے تھے۔ رجسٹر روایات میں ان کی روایات نہ ملنے پر میں نے مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کے پاس ملاقات کی غرض سے حاضری دی تا کہ حضرت مولوی احمد دین صاحب آف منارہ کے بارے میں معلومات لے سکوں۔

خاکسار آپ کے کمرے میں داخل ہوا۔ آپ نے نہایت انہماک سے خوش آمدید کہا۔ میز پر کتابوں کا ڈھیر اور آپ کچھ لکھنے میں مصروف۔ خاکسار نے اپنے آنے کی وجہ بتائی کہ خاکسار تاریخ احمدیت ضلع چکوال لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ آپ براہ مہربانی راہنمائی فرمادیں۔ آپ کو یہ سن کر ایک حقیقی خوشی محسوس ہوئی اور مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ خاکسار نے بتایا کہ میں گاؤں دوالمیال کا رہنے والا ہوں اور دوالمیال میں مکرم حافظ شہباز صاحب جن کو دوالمیال میں سب سے پہلے احمدیت قبول کرنے کا شرف حاصل ہے ان کے خاندان سے ہوں اس پر آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آئے اور فرمایا کیا واقعی آپ تاریخ احمدیت ضلع چکوال لکھنا چاہتے ہیں اور آپ کا ارادہ پکا ہے۔ کیونکہ یہ بہت زیادہ تحقیق کا کام ہے اور اس کے لیے حوالہ جات اکٹھے کرنے پڑیں گے اور بزرگوں، رفقاء حضرت مسیح موعودؑ کے نام اور واقعات کو جگہ جگہ اور مختلف گاؤں اور لائبریریوں میں جا کر سلسلہ کی کتابوں کو کھنگالنا پڑے گا۔ ریکارڈ سیکشن سے پرانی اخبارات، رسائل اور کتب کو نکال کر ان کی صحیح ورق گردانی کرنی پڑے گی اور حوالہ جات کو اکٹھا کر کے مسودہ تیار کرنا پڑے گا۔ کیا یہ کام کر لو گے۔

میں نے عرض کی کہ میں نے مصمم ارادہ کیا ہوا ہے۔ میں ان بزرگوں کے واقعات کو اکٹھا کر کے تاریخ احمدیت ضلع چکوال انشاءاللہ ضرور لکھوں گا۔ خاکسار کے اس جواب پر آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا اگر آپ کے ارادے پختہ ہیں اور یقین محکم ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس مقصد میں کامیاب کرے گا۔ اب کاغذ پنسل لے لو اور سامنے بیٹھ جاؤ۔

پھر مجھے بہت حیرانی ہوئی۔ کہ آپ نے زبانی ضلع چکوال کے حوالہ جات لکھوانے شروع کر دیے۔ اور تقریباً پچیس منٹ تک لگاتار آپ مجھے حوالہ جات لکھواتے رہے۔ میں لکھتے ہوئے ذہن میں سوچ رہا تھا کہ آپ واقعی تاریخ احمدیت کے انسائیکلوپیڈیا ہیں۔ اور مجھے آپ کی یادداشت پر رشک آنے لگا۔ ایسے واقعات جو مرکز یا خلفاء کے متعلق ہوں وہ تو یوں یاد ہونے چاہئیں۔ کہاں ضلع چکوال پھر اس کے مختلف گاؤں اور رفقاء حضرت مسیح موعودؑ کے نام آپ کو نہ صرف یاد بلکہ ان اخباروں، کتب اور رسائل کے نام ان کی تاریخ، سن اور یہاں تک آپ نے حوالہ جات مجھے لکھوائے کہ ضلع چکوال کے گاؤں کا نام، رفیق حضرت مسیح موعودؑ کا نام، اخبار کا نام تاریخ سن اور ساتھ صفحہ نمبر اور کالم نمبر تک لکھوایا۔ جب میں لکھ رہا تھا تو ساتھ آپ کے لیے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں۔

آپ نے مجھے ضلع چکوال کے بہت سارے رفقاء حضرت مسیح موعودؑ کے حوالہ جات سے لاد دیا۔ ضلع چکوال کے مباحثات و مناظرات، اور خاص کر حضرت مولوی کرمداد صاحب رفیق حضرت مسیح موعودؑ اور پہلے امیر جماعت احمدیہ دوالمیال کے بارے میں مکمل تفصیل سے آگاہ کیا اور ضلع چکوال کے ایسے ایسے گاؤں کا ذکر فرمایا جن کو اس وقت میں بھی نہیں جانتا تھا۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ جس طرح تمہارے ارادے مصمم ہیں اب ان ارادوں کو متزلزل نہیں ہونے دینا۔ یہ ایک بہت ہی اہم کام ہے۔ جس کا تم نے بیڑا اٹھایا ہے۔ اور اس کام کو مکمل کرنا ہے اور ادھورا نہیں چھوڑنا۔ یہ تم وہ کام کرنے چلے ہو جو آنے والی نسلوں پر ایک احسان ہوگا اور ضلع چکوال

کے رفقاء حضرت مسیح موعودؑ کی حیات اور واقعات اور ان کے کارہائے نمایاں اور احمدیت کے لیے ان کی قربانیاں نئی نسل کے لیے مشعل راہ ہوں گی۔ میری دعائیں ہمیشہ تمہارے سنگ ہیں اور کسی وقت بھی میری ضرورت پڑے تو بلا جھجک تم میرے پاس آؤ میں حاضر ہوں۔

اور فرمایا اب کمریں کس لو اور ریکارڈ سیکشن میں جا کر اخبارات، رسائل اور کتب میں سے حوالہ جات نکال کر اپنے نوٹس بنانے شروع کر دو اللہ تعالیٰ تمہاری ان کوششوں میں برکت ڈالے اور اس کام کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) پھر فرمانے لگے اس راستے میں رکاوٹیں بھی آئیں گی۔ مختلف باتیں بھی سننی پڑیں گی ہمت نہ ہارنا اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ ایسے کام کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اپنی منزل کا تم نے تعین کر لیا ہے اب اپنی منزل کو پانے کے لیے مسلسل تگ و دو اور مساعی ضروری ہے۔ ہمیشہ منزل وہی پاتا ہے جس کو منزل ملنے کا مکمل یقین ہوتا ہے تم تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سپاہی ہو تم نے ہمت نہیں ہارنی منزل تمہارے قدم چومے گی۔ اب اپنا سفر شروع کر دو خدا تمہارا حامی و ناصر ہو (آمین) اس کے بعد نہایت انہماک سے مصافحہ کیا اور میں ایک نئی امنگ لیے آپ کے دفتر سے باہر آیا۔

میں اس دن بہت خوش تھا کیونکہ میرا آدھا کام تو محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مورخ احمدیت نے کر دیا تھا۔ پھر اس کے بعد آپ سے ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں اور آپ سے خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔ اور آپ اپنے مشفقانہ مشوروں اور راہنمائی اور نصائح سے نوازتے رہے۔ غرض یوں آپ کی راہنمائی میں کام چلتا رہا۔

آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے خلیفہ وقت کی دعاؤں، معاونین کی سعادت اور بزرگوں کی شفقتوں اور مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی راہنمائی کی بدولت ستمبر 2009ء کو ”ضلع چکوال تاریخ احمدیت“ 763 صفحات پر مشتمل اور تقریباً 100 کے قریب رفقاء اور دوسرے بزرگوں، امراء جماعت ہائے احمدیہ ضلع چکوال اور مختلف اجلاسات وغیرہ کی تصاویر سے مزین، خوبصورت جلد میں شائع ہوگئی۔

مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مورخ احمدیت تھے۔ اور آپ کو تاریخ احمدیت کا تقریباً ہر واقعہ اور رفقاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے واقعات ازبر تھے۔ اور حوالہ جات تک یاد تھے۔ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کا خلا مشکل سے بھرا جا سکتا ہے۔ تاریخ احمدیت کو اکٹھا کر کے مرتب کرنے میں جو آپ نے کردار ادا کیا ہے اور جس جانفشانی سے اس کام کو سرانجام دیا ہے یہ باعث صد تحسین ہے۔ اور ان کی یاد کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جس جمعہ میں مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کے کارناموں پر خراج تحسین پیش کیا تھا تو اس وقت میرے ذہن میں وہ گھومنے لگے جب آپ نے مجھے سامنے بٹھا کر تاریخ احمدیت ضلع چکوال کے حوالہ جات لکھوائے تھے۔ اور میرے دل سے آپ کے لیے اور آپ کی اولاد کے لیے دعائیں نکلیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو جنت الفردوس کا مکین بنائے اور آپ کے اہل و عیال کو آپ کا صحیح رنگ میں وارث بنائے۔ (آمین)

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد

حامیٔ دین متین

(انجینئر مکرم محمود مجیب اصغر صاحب۔ ربوہ)

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو حضرت مصلح موعودؓ نور اللہ مرقدہ نے تاریخ احمدیت کا کام سونپا تھا۔ اس ذمہ داری کو آپ نے نہایت احسن رنگ میں نبھایا۔ شروع سے لیکر خلافت خامسہ کے انتخاب تک کا تاریخی سرمایا آپ نے خود جمع کیا جس کے پیچھے خلفائے مسیح کی دعاؤں اور توجہات روحانی اور مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی مسلسل جدوجہد، جانفشانی اور عرق ریزی کا ایک لمبا سلسلہ پنہاں ہے۔

آپ نے زندگی بھر اپنے آقا مسیح موعودؑ کی غلامی میں علمی خزانے لٹائے۔ جب بھی کسی شخص کو دنیا کے کسی کونے سے کسی حوالے کی ضرورت پڑی اسے نہایت فیاضی سے آپ نے مطلوبہ حوالہ ارسال فرمایا۔

اس عاجز کا ایک بار ایک بہت بڑے شخص کے ساتھ تبادلہ خیال ہوا تھا۔ اور اس میں انہوں نے حضرت مصلح موعود کے حج کا دستاویزی ثبوت مانگا اس عاجز نے فوراً حضرت مولانا کو لکھا اور چند ہی دنوں میں حضرت مصلح موعود کے حج پرمٹ کی فوٹو کاپی اور اخباروں کے تراشے آنمحترم نے فراہم کردیئے۔ جس سے معترض کا منہ بند ہوگیا۔

اس کے علاوہ بھی کئی بار کسی مشکل وقت میں جب بھی مولانا صاحب کو مدد کے لئے لکھا انہوں نے کمال فیاضی سے قیمتی مواد فراہم کیا۔ ایک بار اس عاجز کو مجلس انصار اللہ کی طرف سے حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب پر لکھنے کا کام ملا۔ ان کے والد اور ان کی اہلیہ کے والد آپس میں بھائی تھے اور اچھی طرح واضح نہیں ہوا تھا کہ ان کے والد کون ہیں اور ان کی اہلیہ کے والد کون ہیں؟ اس عاجز نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو لکھ دیا کہ ان (حضرت سید عبدالستار صاحب) کے والد کا کیا نام تھا حضور نے فرمایا کہ مولانا دوست محمد صاحب سے ریسرچ کروائیں۔ خاکسار نے حضور کے خط کی کاپی حضرت مولانا صاحب کو دی اور ہفتے عشرے بعد حاضر ہوا۔ فرمانے لگے کہ انہوں نے اسی دن ہی ریسرچ کر کے حضور کو فیکس بھیج دی تھی۔ اور اس کی نقل خاکسار کو عنایت کی۔ خاکسار نے پوچھا کہ آپ نے کس طرح یہ معلوم کرلیا ہے؟ فرمانے لگے یہ کون سا مشکل کام تھا میں نے حضرت صاحب (حضرت سید عبدالستار صاحب) کا وصیت نامہ نکال کر وہاں سے ولدیت دیکھ لی تھی۔

اللہ نے آپ کو ذہن رسا عطا فرمایا تھا جس کو آپ نے خوب استعمال فرمایا۔

سنی سنائی بات ہے کہ اللہ نے ہر انسان کو جو ذہنی استعدادیں دی ہیں عام انسان اس کا 5 فیصد بھی استعمال نہیں کرتا لیکن حضرت مولانا کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ آپ نے کس مہارت سے اپنی استعدادوں کا استعمال کیا۔

مولانا کی علمی قابلیت اور حوالوں کا بادشاہ ہونے کے حوالے سے ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اس وفد میں

ان کو شامل کیا جن کو ساتھ لیکر حضور پاکستان کی نیشنل اسمبلی میں 1974 میں تشریف لے گئے تھے۔خود بتاتے تھے کہ بعض اوقات حضور خود ان کو رات کے دو دو بجے کسی علمی حوالے کے لئے بلوا لیتے تھے۔(یہ 1974 کے واقعات سے ہٹ کر تھا)۔

ایک مرتبہ حضرت دوست محمد صاحب شاہد راولپنڈی خدام الاحمدیہ کے اجتماع پر گئے (ابھی مجلس خدام الاحمدیہ اسلام آباد مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی کے ماتحت تھی) مولانا کی مہمان نوازی پر ہماری ڈیوٹی تھی۔ جب آپ تشریف لائے تو عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا مغرب کے بعد مولانا صاحب کی تقریر ہونی تھی۔ہم نے اس خیال سے پوچھا کہ کھانا ممکن ہے کہ دوپہر سفر میں نہ کھایا ہو کہ کیا کھانا ابھی پسند فرمائیں گے؟ مسکرا کر فرمانے لگے کہ میں کھانا تقریر کے بعد کھاتا ہوں۔ابھی صرف چائے ہو جائے اور ساتھ وغیرہ وغیرہ۔ان کے ساتھ مل بیٹھ کر بہت مزہ آتا تھا۔آپ لطائف بھی سناتے تھے۔پوری محفل کشت زعفران بن جاتی۔

خاکسار نے خدام الاحمدیہ کے زمانے سے لکھنا شروع کیا وہ چند بزرگ جن سے مختلف مضامین چھپنے پر حوصلہ افزائی (appreciation) ملتی تھی ان میں آپ سرفہرست تھے۔

جب ہم نے عالمی ایسوسی ایشن آف احمدی آرکیٹکٹس اینڈ انجینئرز کی طرف سے ٹیکنیکل میگزین شائع کرنا شروع کیا تو مولانا کو باقاعدگی سے بھجواتے اور مولانا بہت خوشی کا اظہار فرماتے۔ایک بار ایسوسی ایشن کے تعارف اس ناچیز سے لکھوایا اور فرمایا کہ من وعن یہی تاریخ احمدیت میں آئے گا ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ احمدی نوجوان علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں۔خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔آمین

یارب قادیاں میں میرا مزار ہووے

(مرسلہ: مکرم ارسلان احمد بٹ صاحب۔دارالرحمت غربی ربوہ)

یا رب قادیاں میں میرا مزار ہووے
اور میرا ذرہ ذرہ اس پر نثار ہووے
عبدالکریم یا رب جس جا ہوا ہے مدفون!
وہ خاک پاک میری دارالقرار ہووے
اس میں مسیح آیا، جس نے خدا دکھایا
اس پر خدا کی رحمت بس بے شمار ہووے
آیا تو مسیحا چودہ صدی کے سر پر
آمد پہ کیوں نہ تیرے فصل و بہار ہووے
تیرے لئے خدا نے لاکھوں نشاں دکھائے
پھر کیوں نہ تیرا دشمن دنیا میں خوار ہووے
قرآن میں خدا نے یہ لکھ دیا ہے پڑھ لو
گستاخ حق کا دشمن ہر جا پہ خوار ہووے
شیطاں کو یا الٰہی دکھلا دے مار کر کے
مشکل یہی ہے باقی کشتی یہ پار ہووے
اے مہدی و مسیحا بہتر خدا سے دعا کر
رحمت خدا کی ہم پر بس بے شمار ہووے
یا ربی قادیاں میں میرا مزار ہووے
اور میرا ذرہ ذرہ اس پر نثار ہووے

(آخری نظم از ڈاکٹر احمد حسین صاحب لائلپوری جو 16 مئی 1908ء کو حضرت مسیح موعودؑ کے حضور پڑھی گئی اس نظم کے بعد کوئی نظم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے حضور میں نہیں سنائی گئی)۔

(از اخبار الحکم قادیان مورخہ 21،28 مئی 1911ء)

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد

آپ کا وجود میخ کی طرح ہمارے دل پر نقش ہے۔

(عزیزم سید حسن احمد صاحب ابن مکرم سید حسین احمد صاحب۔لاہور)

ربوہ کا ماحول اپنے اندر ایک عجیب سی ٹھنڈک، سکون اور روحانیت کا اثر رکھتا ہے۔مختلف شہروں اور علاقوں سے جب احمدی احباب اپنے اوقات کار میں سے کچھ حصہ نکال کر یہاں آتے ہیں تو وہ اس پاکیزہ تبدیلی کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔اور احمدیت کا خالص اثر ہے جو مرکز سلسلہ میں نظر آتا ہے۔یہ ماحول اور اثر اسی وجہ سے ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جانشینوں اور غلاموں کا یہ مسکن رہا ہے۔جن کی قوت قدسیہ کی بدولت اس شہر کا چپہ چپہ روحانی طور پر منور ہوگیا ہے اور ہر آن خدا کی طرف سے ان دعاؤں کا فیضان نازل ہوتا ہے جو ہمارے خلفاء نے اس بستی کے لیے کیں اور جو آج بھی جاری ہیں۔

اس ماحول کے بنانے میں ایک اہم حصہ رفقائے حضرت مسیح موعودؑ اور ان سے تربیت یافتہ بزرگان سلسلہ کا ہے جو آج بھی عام اوقات میں اور خصوصاً نمازوں کے اوقات میں بیوت الذکر کے راستوں پر نظر آتے ہیں۔

ایسے ہی خوش نصیبوں میں سے ایک شخصیت حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی تھی۔جن کا وجود تمام لوگوں میں نمایاں محسوس ہوتا تھا۔ہم چونکہ مولوی صاحب کو بچپن سے دیکھتے آرہے ہیں اس لیے آپ کا وجود میخ کی طرح ہمارے دل پر نقش ہے۔

نمازوں کے اوقات میں (بیت) مبارک کی طرف ایک بزرگ صفت آدمی سر پر سفید پگڑی، سفید شلوار قمیض، ہاتھ میں سوٹی اور اچکن زیب تن کیے ہوئے خراماں خراماں جاتے نظر آتے۔جب ان کو سلام کرتے تو وہ ایک مخصوص بلند آواز میں ''وعلیکم السلام'' کہتے۔میں نے مولوی صاحب کو یا تو نمازوں کے اوقات میں (بیت) مبارک جاتے دیکھا ہے اور یا خلافت لائبریری میں ''مؤرخ احمدیت'' والے سیکشن میں کتابوں کے ڈھیر کے پیچھے نہایت توجہ اور مصروفیت سے کام کرتے دیکھا ہے۔عام حالات میں ان سے مل کر یہ لگتا ہے کہ آپ نہایت ملنسار اور خوب گفتگو کرنے والے آدمی ہیں مگر ایک آدھ بار جب اسی ذہنی تأثر کے ساتھ ان کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو ایک خوف سا محسوس کیا کیونکہ وہ شخص کام کے وقت بالکل الگ آدمی لگتا تھا۔اس وقت جرأت نہ ہوتی کہ سلام کر کے بھی آپ کے کام کا حرج کیا جائے۔

آج سے قریباً دس پندرہ سال قبل (بیت) مبارک میں مولوی صاحب ہی نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔آپ مختصر نماز پڑھاتے تھے۔التحیات میں آپ پوری طرح نہیں بیٹھ

سکتے تھے اور تھوڑا سا آگے کو جھک کر بیٹھا کرتے تھے۔آپ کے نماز پڑھانے، تکبیرات کہنے اور سلام پھیرنے کا ایک منفرد لہجہ ہوتا تھا جو آج بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ایک اور بات نماز ہی کے حوالے سے یاد ہے وہ یہ کہ آپ پہلے پورا رکن خود ادا کرتے اور بعد میں تکبیر کہہ دیتے۔ مثلاً پہلے پورے سجدہ میں چلے جاتے اور آخر میں اللہ اکبر کہتے نہ کہ ساتھ ہی سجدہ میں جانے کے۔پھر درس بھی ایک خاص جوش کے ساتھ دیتے باآواز بلند جیسے کسی مناظرے میں ہوں۔

جب نماز نہ پڑھا سکتے تھے تو کرسیوں پر بیٹھا کرتے۔ یہاں یہ بھی ایک بات قابل ذکر ہے کہ آج کل تو (بیت) مبارک میں کرسیاں پہلی صف کے دونوں اطراف پر رکھی ہوئی ہیں۔مگر کچھ سال قبل لوگ صفوں کے بیچ میں کرسیاں لے آتے اور اس سے صف میں کچھ بے ترتیبی پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ اعلان ہوا کہ آئندہ احباب کرسیاں درمیان میں نہ لایا کریں بلکہ کرسیاں دونوں اطراف پر ہی رہیں گی۔ اگلی ایک نماز پر جو میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ابھی پہلی صف بھی نمازیوں سے پوری طرح بھری نہیں ہے اور کھڑے نمازیوں اور کرسیوں کے درمیان کافی فاصلہ ہے۔مگر اس کے باوجود مولوی صاحب ہیں کہ وہاں کنارے پر ہی جہاں اعلان ہوا تھا کرسی پر بیٹھے ہیں اور شاید وہ اکیلے ہی تھے۔ حالانکہ اب تو جواز بھی پیدا ہوتا تھا کہ آپ کرسی صف کے مزید اندر لے آئیں مگر آپ نے ساری نماز وہیں بیٹھ کر ادا کی اور آخری دن تک وہیں اپنی کرسی رکھی۔

یہ سلسلے کے وہ خدام تھے جو ادنیٰ سے ادنیٰ حکم کی بھی تعمیل کو اپنا اولین فرض سمجھتے تھے۔اللہ کرے کہ ہم سب اس اسوہ پر چلیں۔(آمین)

نمازوں کے بعد آپ عموماً دیر سے واپس گھر آتے اور نماز کے بعد اکثر ایک محفل منعقد کرتے تھے جس میں اگر کوئی باہر سے مہمان آیا ہوتا تو اس کو دعوت الی اللہ ہو رہی ہوتی اور ساتھ ہی ایک مجمع کی صورت پیدا ہو جاتی۔اس دوران آپ اپنے پرانے واقعات سناتے اور احباب کو محظوظ کرتے۔

میں نے ان سے ایک سے زائد مرتبہ یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک موقعہ پر ان کو مناظرے کے لیے جماعت کے کسی سینئر بزرگ کی بجائے کسی علاقے میں بھیج دیا گیا۔مناظرے سے پہلے مخالفین میں سے ایک نے یہ طعنہ دیا کہ یہ کس نوجوان کو بھیج دیا گیا ہے ہم تو فلاں کو بھی مات دے چکے ہیں۔مولوی صاحب یہ بھی ذکر کرتے تھے کہ وہ شخص بمنزلہ ایک ہاتھی کے تھا۔اور میری حیثیت بظاہر ندارد۔ مگر میں نے یہ کہا کہ اب دیکھتے ہیں کہ ہاتھی کون ہے۔ چنانچہ بحث کا آغاز وفات مسیح سے ہوا۔ میں نے کہا کہ وفات مسیح کا فیصلہ تو معراج کے دن ہی ہو گیا تھا۔آپ ایک بھی حدیث دکھا دیں جس میں یہ لکھا ہو کہ معراج کے دن باقی تمام انبیاء کی روحیں تھیں اور حضرت عیسیٰ کا جسم۔ یہ سننا تھا کہ اس ہاتھی نے کہا کہ میری طبیعت خراب ہے اور جب تک میں اس مقام پر رہا اس مولوی کی طبیعت خراب ہی رہی۔

ایک دفعہ میں نے ان سے سنا کہ وہ اور ان کے والد صاحب اس علاقے سے گزرے جو آج ربوہ ہے۔ اس وقت یہاں بالکل بنجر علاقہ تھا۔اس پر ساتھ کھڑے آدمی نے کہا کہ آپ یہاں سے پیدل گزرے تو جواب میں آپ نے کمال مزاح سے فرمایا کہ اور کیا یہاں اس وقت کوئی گاڑیاں تو نہیں ہوتی تھیں۔

ایک دفعہ مجھے اپنی والدہ کے ساتھ ان کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ ان کے گھر میں ایک لائبریری ہے۔اس دن اس لائبریری کو دیکھنے کا شوق بھی پورا ہوگیا۔کیا دیکھا کہ ایک بڑا سا انگریزی حرف "L" کی طرح کا کمرہ تھا جہاں خلافت لائبریری کی طرز پر شیلف تھیں اور اسی طرح وہ کتابوں سے لدی ہوئی تھیں۔ کمرے کے شروع میں ایک میز تھا جس پر مولوی صاحب کام کرتے تھے اور اس کے ایک طرف پرانے طرز کا ایک بڑا سا ٹی وی رکھا تھا جس پر ایم ٹی اے آ رہا تھا۔خیر حضرت مولوی صاحب آئے تو پہلے انہوں نے کچھ قلم بطور تحفہ دیے اور جس کتاب کے واسطے میری والدہ آئی تھیں اس سے متعلق انہوں نے کچھ دریافت کیا۔ اس دوران ایک موقع پر آکر انہوں نے ایک بات بڑے جلال کے ساتھ کی کہ اگر ہزار صحیح چیزیں چھپنے سے رہ جاتی ہیں تو رہ جائیں کوئی حرج نہیں لیکن اگر ایک بھی غلط چیز چھپ گئی تو اس کا بعد میں مداوا نہیں ہوسکتا۔ پھر ایک مثال دی کہ فلاں رسالے میں غلط معلومات چھپ گئیں اور وہاں سے نقل کر کے کچھ اور رسالوں نے چھاپ دیں۔ پھر آپ نے ذکر کیا کہ اسلامی لٹریچر میں خطرناک تحریف ہو رہی ہے اور وہ حوالے جو سلسلے کے بزرگان مختلف کتب کے دیا کرتے تھے ان حوالوں کے ساتھ خطرناک ردوبدل کیا جا رہا ہے۔

پھر خلافت جوبلی کے حوالے سے ایک سوونیئر کے لیے یا نمائش کے لیے کچھ مواد چاہئے تھا جس میں بطور خاص یہ معلومات کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ خلافت سے پہلے لاہور کب کب آئے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے کسی پرانے رسالے کا بتایا کہ اس میں وہ ذکر ہوگا۔ چنانچہ میں وہ رسالہ لیے آپ کے دفتر میں بیٹھ گیا۔ سامنے وہ کام کر رہے تھے اور ادھر میں اپنا حوالہ ڈھونڈ رہا تھا۔ میں نے اپنی طرف سے اس رسالے کو اچھی طرح چھان مارا مگر کوئی ذکر نہ ملا۔ میں نے کچھ دیر کے بعد ان کو کہہ دیا کہ اس میں ذکر نہیں ہے۔ اس پر ان کا جواب یہ تھا کہ میاں اس طرح نہیں ہوتے تاریخ کے کام۔ یعنی کافی محنت کرنی پڑتی ہے تب مجھے لگا کہ میں نے شاید صحیح طرح رسالہ کو نہیں دیکھا۔

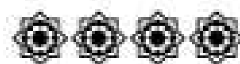
آپ سلسلے کے پرانے بزرگوں کی وساطت سے ان کی اولاد کا بھی احترام کیا کرتے تھے۔ میرے نانا مکرم مولانا عبدالمالک خان صاحب ناظر اصلاح وارشاد رہے ہیں۔ میں نے جب بھی مولوی صاحب کو دعا کی غرض سے خط لکھا تو خط کے اوپر میرا نام لکھ کر مخاطب کرنے کے ساتھ یہ بھی لکھا کرتے کہ نبیرہ مولانا عبدالمالک خان یعنی نواسا مولانا عبدالمالک خان۔ اور اس کے علاوہ جب بھی اپنا تعارف اس حوالے سے کروایا تو بہت تواضع سے ملتے۔

آپ کو سلسلے کے روپے کا اتنا درد تھا کہ اسی روز جب میں ان کے دفتر میں ایک رسالہ سے حوالہ تلاش کر رہا تھا تو انہوں نے ایک کارکن کو کچھ کاغذ دیے کہ یہ فوٹو کاپی کروالاؤ۔ چنانچہ وہ کارکن گیا مگر غلطی سے وہ غلط کاپی کروالایا اور دوبارہ بھی کیا۔ اس پر مولوی صاحب اس سے شدید ناراض ہوئے اور کہا کہ سلسلہ کا پیسہ یوں ضائع ہوتا ہے۔ اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر میں اس مولانا عبدالمالک کے نواسے کو بھی کہہ دیتا تو یہ بھی صحیح کاپی کروالاتا۔ میں بہت حیران ہوا کہ یہ تو ایک معمولی بات ہے اکثر ایسا ہو جایا کرتا ہے کہ غلط فوٹو کاپی ہو جائے اور صفحہ ضائع ہو جائے۔ مگر آپ ہیں کہ اس کارکن کو

دونوں مرتبہ ڈانٹتے ہیں اور اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ یہ سلسلہ لوگوں نے پائی پائی جوڑ کر اور بے پناہ قربانیاں کر کے خدا کے فضل سے بنایا ہے اس کی ہر چیز کی بے پناہ قیمت ہے۔

آج خدا کے فضل وکرم سے جماعت کو یہ توفیق مل رہی ہے کہ وہ کروڑوں روپوں کی لاگت کے بے شمار کام کروا رہی ہے مگر ہر احمدی کی سوچ یہی ہونی چاہئے کہ اس سلسلے کا ایک ایک پیسہ بے حد قیمتی ہے۔

آپ کی وفات پر حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جو خراج تحسین آپ کو پیش کیا اس سے آپ کی حقیقت نمایاں ہے۔ اور جس طرح حضور نے آپ کو ''تاریخ احمدیت کا ایک باب'' قرار دیا آپ کی اہمیت اس سے عیاں ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے سلسلے کے لیے جن خدام کا ذکر فرمایا ہے کہ مجھے اس اس قسم کے افراد چاہئے ہیں یعنی جو فنا فی اللہ ہوں اور (دین حق) کی اشاعت میں سرگرم۔ حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد بلاشبہ ان تمام تقاضوں پر پورا اترنے والے فانی فی اللہ وجود تھے۔



دل سے تو ہر معاملہ کر کے چلے تھے صاف ہم
کہنے میں اُن کے سامنے بات بدل بدل گئی

آخرِ شب کے ہم سفر فیضؔ نجانے کیا ہوئے
رہ گئی کس جگہ صبا، صبح کدھر نکل گئی

(فیض احمد فیض)

حوالوں کا اک شاہ لاجواب

میں گُل کہوں تجھے، مہتاب و آفتاب لکھوں
میں سوچتا ہوں ترا کون سا خطاب لکھوں

تمام عمر گزاری یوں انکساری میں
وفا کے باب میں، میں تجھ کو کامیاب لکھوں

زباں، قلم سے کیے تو نے وہ فروزاں دیے
نویدِ صبح کا تجھ کو نیا نصاب لکھوں

تُو اپنے فن کا تھا موجد بھی اور رہبر بھی
ترے لکھے کو نہایت ہی کامیاب لکھوں

تمام عمر کیا علم و آگہی کو رقم
تجھے حوالوں کا ایک شاہِ لاجواب لکھوں

بہت ہی پیارا تھا تُو تو ہمارے مُرشد کو
تو ان کے حُسنِ نظر میں تھا انتخاب لکھوں

ہو حُسنِ ذکر ترا اور چند شعروں میں!
میں چاہتا ہوں کہ اس پر کوئی کتاب لکھوں

(مکرم اعظم نوید صاحب)

ایک روشن ''چاند''

(مکرم ملک منیر احمد جوکہ صاحب۔ لندن)

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کے بلند پایہ مقام اور مرتبے کا خاکسار تو اس وقت سے قائل تھا اور خطابت کے اس شہسوار کا اس وقت سے گرویدہ تھا جب جلسہ سالانہ کے مقدس سٹیج سے آپ کی بے مثال تقریریں سننے کا شرف حاصل کیا لیکن اس خاص واقعہ کی وجہ سے آپ کا جو ارفع و اعلیٰ مقام میری آنکھوں کے سامنے آیا اس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے سالانہ اجتماع 1979ء کے مبارک ایام کا یہ واقعہ ہے۔ خدام کے علمی مقابلہ جات کیلئے مرکز کی طرف سے تین علمائے دین تشریف لائے۔

(1) حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابعؒ)، (2) مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد، (3) تیسرے عالم دین کے متعلق خاکسار یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن غالب گمان یہ ہے کہ وہ مکرم مولانا غلام باری صاحب سیف تھے۔ اجتماع کالج کے سامنے گراؤنڈ میں ہو رہا تھا۔ خاکسار پنڈال میں سٹیج کے بالکل سامنے اور قریب بیٹھا تھا کہ شمالی سمت سے تینوں علمائے کرام پنڈال میں داخل ہو کر سٹیج پر تشریف لائے۔ سٹیج پر تشریف لانے کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ اور تیسرے عالم دین تو سیدھے ان کرسیوں کی طرف بڑھے جن پر تشریف رکھ کر انہوں نے خدام کے علمی مقابلہ جات کے پروگرام میں حصہ لینا تھا لیکن مولانا دوست محمد صاحب شاہد ان بزرگوں کے پاس بیٹھنے لگے جو کرسیوں کے پیچھے سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ ابھی مولانا موصوف بیٹھے نہیں تھے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ نے فرمایا ''مولانا صاحب آگے تشریف لائیے! چاند بادلوں کے پیچھے اچھا نہیں لگتا۔'' ممکن ہے کسی لفظ میں کوئی کمی بیشی ہو لیکن جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ کی زبان مبارک سے بالکل یہی الفاظ نکلے تھے۔ خدام جو اس وقت پنڈال میں حاضر تھے اور اب یقیناً انصار ہو چکے ہیں اس واقعہ کی تصدیق کریں گے۔ خاکسار تو حضرت صاحبزادہ صاحبؒ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر جھوم اٹھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس بے نظیر عالم دین کو کتنا بلند مقام عطا فرمایا ہے کہ جس کو حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ جیسی ہستی اپنی مبارک زبان سے ''چاند'' کے ساتھ تشبیہ دے رہی ہے۔ جس عالم دین کو اس کی زندگی میں اور اس کی وفات کے بعد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے خلفائے کرام نے بھرپور خراج تحسین پیش کیا ہو اور حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ جیسی مقدس ہستی اپنی زبان مبارک سے جس عالم دین کو ''چاند'' سے مشابہ قرار دے اس خوش قسمت اور بے نظیر عالم دین کے چاند کی طرح روشن ہونے میں کیا شک ہے؟

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے



اسیر راہ مولیٰ

(مکرم شبیر احمد ثاقب صاحب۔ربوہ)

23 مارچ 1988ء کی بات ہے دنیائے شعر کے نامور سپوت عبدالحمید آدم کے آبائی گاؤں تلونڈی موسیٰ خاں ضلع گوجرانوالہ میں شمع احمدیت کو روشن رکھنے اور اس نور کو سعید روحوں تک پہنچانے کے لئے وہاں کے احمدی مخلصین نے ایک جلسہ عام کا انعقاد کیا۔یہ دور اگرچہ جماعت کی مخالفت کا پُر زور دور تھا اور 84ء کے آرڈیننس کو جاری ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا مگر وہاں کے احمدی اپنے نیک نمونے،اثرو رسوخ اور اپنی برادری کے رعب دبدبہ سے یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان مخالفانہ حالات میں بھی کھلے عام جلسہ کر سکتے ہیں۔

اس جلسہ میں احمدیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے علاوہ اس گاؤں اور علاقے کے بعض معزز غیر از جماعت افراد بھی شریک ہوئے۔تلونڈی موسیٰ خاں کی جماعت کی خواہش اور درخواست پر مرکز سے نمائندے اس جلسہ کے لئے بھیجے گئے ان میں بطور خاص حضرت مولانا دوست محمد شاہد صاحب،محترم صوفی محمد اسحٰق صاحب،محترم سمیع اللہ زاہد صاحب اور خاکسار کو حاضر ہونے کی توفیق ملی۔حسب پروگرام جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک اور پاکیزہ منظوم کلام سے ہوا۔بعدہ مکرم مظفر احمد صاحب درانی جن کی اس وقت گوجرانوالہ کی ایک جماعت میں تعیناتی تھی،نے تقریر کی اور ان کے بعد محترم سمیع اللہ زاہد صاحب اور صوفی محمد اسحٰق صاحب اور آخر پر خاکسار نے تقریر کی۔اس سیشن کا آخری حصہ جو سامعین کی خاص دلچسپی اور توجہ کا مرکز تھا وہ محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی مجلس سوال و جواب تھی۔

مولانا صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں سوالوں کے جواب دیئے اور ساتھ ساتھ متعلقہ حوالہ جات کی فوٹو کاپیاں دکھا دکھا کر اپنی ہر بات کا نہ صرف تحریری ثبوت پیش کیا بلکہ صداقت کے ناقابل تردید دلائل سے مخالفین احمدیت کے دانت کھٹے کئے۔یہ دلچسپ اور ہر دل عزیز سلسلہ پورے آب و تاب سے جاری تھا۔ہماری نظر اُٹھی تو کیا دیکھتے ہیں کہ پولیس جلسہ کے داخلی دروازہ پر کھڑی ہے۔جلسہ کے ذمہ دار کارکنان اور اسٹیج پر بیٹھے ہوئے بعض غیر از جماعت معززین نے صورت حال کو بھانپتے ہوئے فوری طور پر پولیس کے افسران سے بات چیت کی اور نقض امن کے ممکنہ خدشات کو دور کیا مگر پولیس اتنی آسانی سے ٹلنے والی نہیں تھی۔بالآخر یہ مذاکراتی ٹیم انہیں اس سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرہ میں لے گئی جس کی گراؤنڈ میں یہ جلسہ ہو رہا تھا۔ادھر جلسہ کے منتظمین نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے مولانا دوست محمد صاحب شاہد کے اُن بکسوں،کتب اور حوالہ جات کی کاپیوں کو بڑی سرعت اور حکمت سے سمیٹتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ اب یہ سیشن اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے کھانا اور نمازیں ہوں گی اور پھر دوسرے سیشن کا آغاز ہوگا۔اُدھر پولیس افسر جو مرکزی نمائندگان کو گرفتار کرنے پر تلے ہوئے تھے اپنی مخصوص چال میں منتظمین کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگئے کہ وہ محترم مولانا دوست محمد صاحب

شاہد کے بڑے قدردان اوران سے خاص ارادت رکھتے ہیں لہٰذا انہیں مولانا موصوف سے ملاقات کا موقع دیا جائے۔اس موقع پر ہمارے ایک وکیل محترم ملک محمود احمد صاحب برادر محترم ملک منور احمد صاحب جاوید(نائب ناظر ضیافت) نے منتظمین کو سمجھایا کہ یہ پولیس کی چال ہے وہ مولانا موصوف کو گرفتار کرنا چاہتی ہے۔اس لئے ہرگز یہ ملاقات نہ کرائی جائے۔اس پر جب پولیس آفیسر کو بتایا گیا کہ مولانا موصوف سے ملاقات ممکن نہیں تو بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔وہ آفیسر کہنے لگے مجھے مرکز کے کسی آدمی سے ملوادیں جس سے ان کے عزائم ظاہر و باہر ہوگئے۔آخر قرعہ فال اس خاکسار پر پڑا۔چنانچہ خاکسار کو پولیس آفیسر کی "ملاقات" کے لئے لے جایا گیا۔جب خاکسار اس کمرے میں داخل ہوا جہاں پولیس آفیسر بیٹھے ہوئے تھے تو پیچھے سے مجھے مکرم ملک محمود احمد صاحب ایڈووکیٹ نے پکڑ کر زور سے پیچھے کی طرف کھینچ لیا اور منتظمین سے بڑے زور سے کہا ہم مرکز کا کوئی نمائندہ گرفتار نہیں ہونے دیں گے چاہے ہم سب گرفتار ہو جائیں۔

اس صورتحال سے بچنے کا اب ایک ہی راستہ تھا کہ جیسے بن پڑے اس گاؤں سے جلد نکلا جائے چنانچہ مرکزی نمائندوں کو بعض خدام کے ساتھ فوری گوجرانوالہ شہر بھجوا دیا گیا۔پولیس مرکزی گاڑی کھڑی دیکھ کر اس امید پر بیٹھی رہی کہ مرکزی نمائندگان اس کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے مگر شام ہوگئی تو اسے پتہ چلا کہ اس کا شکار اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔مگر پولیس بھی آخر پولیس ہے کارروائی تو اس نے ڈالنی ہی تھی۔انہوں نے خالی ہاتھ جانے سے یہ بہتر سمجھا کہ کچھ تو ساتھ لے کے جائیں چنانچہ وہاں کے صدر جماعت محترم چوہدری منظور احمد حمید صاحب والدگرامی محترم آصف جاوید چیمہ صاحب (وائس پرنسپل جامعہ احمدیہ سینئر ربوہ) کو وہ گرفتار کر کے لے گئے۔ اُدھر ہمیں رات بارہ بجے محترم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب امیر ضلع لاہور نے فون پر بتایا کہ گیارہ آدمیوں کے ایف۔آئی۔آر میں نام ہیں۔9 تلونڈی جماعت کے مقامی احباب ہیں اور دو مرکز کے نمائندے ہیں محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد اور خاکسار شبیر ثاقب۔ہماری عبوری ضمانتیں قبل از گرفتاری ہوئیں جن کی توثیق کے لئے 9 اپریل 88ء کو خاکسار، محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد اور مکرم مبارک احمد طاہر صاحب مشیر قانونی کے ساتھ ڈسکہ گئے اور وہاں سے مکرم خواجہ سرفراز احمد صاحب ایڈووکیٹ کو لے کر گوجرانوالہ عدالت میں حاضر ہوئے۔10 اپریل توثیق کی تاریخ تھی۔ عدالت میں حاضر ہوئے، ضمانتیں منسوخ ہوگئیں اور ہم سب کو کمرہ عدالت میں ہتھکڑیاں لگا کر گرفتار کر لیا گیا۔مولانا موصوف نے ہتھکڑی کو چوم لیا کہ راہِ خدا میں پہنائے جانے والے یہ وہ کنگن ہیں جن کو ہم اس کی رضا کی خاطر بخوشی پہنتے ہیں۔کمرہ عدالت سے پولیس ہمیں باہر لائی تو کیا دیکھا کہ احاطۂ عدالت مولویوں اور مدرسوں کے لڑکوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے یوں لگتا تھا جیسے مذہبی مدارس کے طلباء، اساتذہ، آئمہ اور دیگر ہمنوا مذہبی طبقات کا یہ ایسا ریلا ہے جس کی زد سے بچنا محالات میں سے ہے۔ پولیس ہمیں اپنی گاڑی تک لے کر گئی یہ راستہ مولویوں کے جم غفیر کے اندر سے گزرتے ہوئے یوں لگ رہا تھا جیسے جھاڑیوں کے درمیان کوئی پگ ڈنڈی ہو۔

پولیس نے ہمیں گاڑی میں بٹھایا اور بیٹھتے ہی ایک پولیس مین نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کے

ہاتھوں پر لگی ہتھکڑی کھول دی اور کہا مولانا آپ بزرگ ہیں میں عدالت میں ہتھکڑی لگانے پر مجبور تھا ہم آپ کا احترام کرتے ہیں۔ ہمیں صدر تھانہ گوجرانوالہ کی حوالات میں بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد ایس۔ ایچ۔ او صاحب نے اپنے دفتر میں ہمیں بلا بھیجا۔ خاکسار اور محترم مولانا کو کرسی پیش کی اور اپنی مجبوری بتانے لگے۔ مولوی صاحب نے عشق رسول اور آل رسول ﷺ سے بانی جماعت کے عشق و محبت کے شعر پڑھے:

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثار کوچۂ آلِ محمدؐ است

اور قریباً ایک گھنٹہ مجلس لگی جس میں مولوی صاحب نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس راہ میں جماعتی قربانیوں کو پیش کیا۔ اسی دن ہمیں گوجرانوالہ سینٹرل جیل بھجوا دیا گیا۔

جیل کے گیٹ پر محترم مختار احمد ملہی صاحب و دیگر مخلصین ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے۔ جیل میں داخل ہوتے ہی پولیس نے ہر ایک کی تلاشی لی۔ پھر اپنے مخصوص لب ولہجے میں مخاطب ہوتے ہوئے ایک جگہ جہاں گندم کے دانے دھوپ میں بکھیرے گئے تھے ان کو اکٹھا کرنے کے لئے بٹھا دیا۔ ابھی شائد سب نے یہ ''خدمت'' شروع بھی نہ کی ہوگی کہ محترم منظور احمد چیمہ صاحب جو 23 مارچ کو ہی گرفتار ہو کر جیل آچکے تھے۔ اپنے جیل کے ساتھیوں کے ساتھ آ گئے۔ ان کے ساتھ جیل کے ''معززین'' تھے۔ پولیس کو صلواتیں سناتے ہمیں اپنے ساتھ اپنی بیرک میں لے گئے۔ اگلے روز جیل کی اصطلاح میں ''... ملاحظہ'' کی کارروائی تھی جس میں جیل میں نئے آنے والوں کی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل سے ملاقات اور بیرک کی الاٹمنٹ ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ صبح صبح ہی قیدیوں کو زمین پر لائنوں میں بٹھا دیتے ہیں۔ سامنے ڈپٹی کی کرسی رکھ دی جاتی ہے اور ان ''نئے مہمانوں'' کی ''خاطر تواضع'' کے لئے پولیس کے کارندوں نے انہیں اپنے گھیرے میں لیا ہوتا ہے۔ ڈپٹی صاحب کی تشریف آوری پر باری باری وہ ہر قیدی کو بلاتے ہیں۔ ڈپٹی صاحب تک پہنچتے پہنچتے پولیس کے وہ کارندے اپنے تھپڑوں مکّوں کے ساتھ ساتھ اپنی مغلظات کی ڈکشنری کے تمام الفاظ کو اس نئے قیدی پر استعمال کر کے اس کا ردِّ عمل دیکھتے ہیں تاکہ نئے ''مہمان'' کو اپنے میزبانوں کے رسم و رواج اور طور طریقوں سے آگاہی ہو سکے اور مکّوں، تھپڑوں اور گالیوں کی یہ برسات اس کی ''ہریالی'' کی سبب بن سکے۔ یہ طریقۂ واردات بلا استثنٰی ہر ایک کے ساتھ ہو رہا تھا۔ ہم غالباً دوسری یا تیسری لائن میں بیٹھے تھے۔ ہمارے گروپ میں سب سے آگے حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد تھے ان کے پیچھے خاکسار اور پھر دوسرے دوست۔ جب ہماری باری قریب آرہی تھی تو ہم سب اپنے لئے نہیں بلکہ بلاشبہ حضرت مولانا کے لئے سخت فکرمند تھے کہ یہاں نہ کسی کی عزت ہے نہ حیثیت، سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جا رہا ہے۔ بالآخر وہ گھڑی آگئی جس کے تصور سے ہم کانپ رہے تھے کہ مولانا کا کیا بنے گا مگر مسیح محمدی کے اس غلام کو اپنے آقا کی غلامی میں جس طرح تھانہ صدر میں کرسی پیش کی گئی اور عزت و تکریم کا سلوک کیا گیا، یہاں بھی فضل کی تجلّی ہوئی۔ ڈپٹی صاحب نے مولانا کو مخاطب ہو کر کہا مولانا کیا کیس ہے؟ قادیانیوں کے خلاف تقریر کی ہے؟ مولانا صاحب جو اس وقت بھی پگڑی اور اپنی وضع دار شخصیت میں عام قیدیوں سے ممتاز دکھائی دے

رہے تھے بڑے وقار سے اُٹھے اورڈپٹی صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

''ہم تو خدا کے فضل سے خود احمدی ہیں دراصل ۔''

ڈپٹی صاحب نے ہم سب کو ہاتھ کے اشارے سے بلالیا اور اپنے کارندوں سے کہا ان کی الاٹمنٹ دو بیرکوں میں کردو۔ ایک میں مولانا موصوف اوران کے ساتھ کچھ افراد کو اور ایک بیرک میں مجھے اور میرے ساتھ بقیہ دوستوں کو رکھا گیا۔ اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی برکت سے نہ صرف مولانا موصوف کے ساتھ کسی نے قطعاً کوئی نازیبا سلوک نہیں کیا بلکہ ہم سب اس فضل کی چھتری کے نیچے ان تمام رسوائیوں سے محفوظ رہے۔ ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

چاردن ہم جیل میں رہے۔ محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد احمدی دوستوں کو نماز باجماعت پڑھاتے تھے اور خاکسار اپنے ساتھیوں کو۔ امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی ضمانت ہوجائے گی مگر چاردن بعد ہی جبکہ ہم عصر کی نماز پڑھ رہے تھے اطلاع آئی کہ ہماری رہائی کے احکام آگئے ہیں۔ جلدی جلدی اپنا سامان لپیٹا اور باہر نکلے تو جیل کے مین گیٹ پر محترم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب امیر ضلع لاہور اوران کے ساتھ گوجرانوالہ اور لاہور کے دیگر احباب ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے۔ یہ اس دن کی بات ہے جس دن راولپنڈی میں اوجڑی کیمپ کا المناک واقعہ ہوا تھا۔

حضرت محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد چوہدری حمید نصر اللہ صاحب کے ساتھ لاہور تشریف لے گئے۔ خاکسار اس وقت جامعہ کے درجہ سادسہ کا طالب علم تھا، ربوہ آیا اور اگلے روز محترم میر محمود احمد ناصر صاحب پرنسپل جامعہ نے تمام طلباء، اساتذہ کو ہال میں اکٹھا کیا اور خاکسار کو تمام حالات وواقعات بتانے کا ارشاد فرمایا۔ یہ مجلس بہت دلچسپ رہی۔ جون میں جامعہ پاس کرکے خاکسار کی نظارت اصلاح وارشاد مقامی کے تحت ترگڑی ضلع گوجرانوالہ تقرری ہوئی۔ گوجرانوالہ سیشن کورٹس میں ہمارے مقدمہ کا ٹرائل شروع ہوگیا۔ مہینے میں عموماً ایک تاریخ ملتی تھی۔ جس میں محترم مولانا ربوہ سے تشریف لاتے رہے۔ دو سال اس مقدمہ کی کارروائی چلتی رہی۔ ہر تاریخ پر گوجرانوالہ کی مختلف جماعتوں سے احباب تشریف لاتے اورعدالت کے احاطہ میں درختوں کے نیچے خوب مجلس جمتی۔ حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد اپنے علمی نکات، تفریح طبع اور دوستوں کے مزاج واحوال کے حوالہ سے خوب باتیں سناتے۔ یہ مجلس مولانا کے مخصوص لطائف سے کشت زعفران بنتی اور ہرماہ گوجرانوالہ کے احمدیوں کی تعلیم وتربیت کے ساتھ تفریح طبع کا یہ ایک دلچسپ موقع ہوتا۔ دو سال کی عدالتی کارروائی کے بعد اس عدالت کے جج طالب حسین بلوچ صاحب نے ازراہِ ترحم C-295 کی شق کے متعلق فیصلہ دیا کہ اس کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ اس کی خلاف ورزی ہوئی ہے تاہم موصوف کے نزدیک C-298 کی دفعہ کی زد میں ہم آتے تھے جو آرڈیننس کی خلاف ورزی پر مشتمل تھی۔ اس کے مطابق انہوں نے ہم سب کو دو دو سال قید بامشقت اور پانچ پانچ ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی اور کمرہ عدالت میں ہتھ کڑیاں لگائیں اور پولیس کی گاڑی میں اسی سینٹرل جیل لے گئے۔

احباب جذبۂ ہمدردی اور محبت بھری دعاؤں کے ساتھ

ہمیں الوداع کہنے کے لئے موجود تھے۔عزیزو دوست احباب ہمیں حوصلہ دینے کے لئے جذبات اور آنکھوں پر قابو پانے کی بہت کوشش کر رہے تھے مگر ان کا حال ان کے چہروں سے ہویدا تھا۔وہ چپ تھے مگر ان کی آنکھیں بول رہی تھیں۔وہ ہمیں دلاسے دے رہے تھے مگر خود دل گرفتہ تھے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ہم سب حوصلے میں تھے کسی ایک کو بھی نہ کوئی گھبراہٹ تھی نہ پریشانی نہ ہم تھا نہ غم۔ہم سب مطمئن تھے کہ اول تو ہمارا کوئی قصور نہیں ہے دوئم جس جرم میں یہ سزا دی گئی ہے یہ جرم سلسلہ انبیاء کے آغاز سے لے کر تا حال ایسی جماعتوں کے افراد کے ساتھ چلتا آرہا ہے جو انہیں کندن بنانے اور اپنے پیار کی گود میں بٹھانے کا ایک ذریعہ ہے۔یہ واقعات ان لوگوں کے لئے راہِ ھدیٰ بھی ہوتے ہیں جو ابھی اس سلسلہ سے باہر بیٹھے ہوئے ہیں اور صادقین کے صدق کو دکھانے کا یہ وہ طریق ہے جس سے وہ خام حالتوں سے ترقی کر کے صیقل کئے جانے والے ان موتیوں کے مشابہ ہوتے ہیں جن کے متعلق امام الزمان نے بایں الفاظ فرمایا:

صَادَفْتَهُمْ قَوْمًا كَرَوْثٍ ذِلَّةً

فَجَعَلْتَهُمْ كَسَبِيْكَةِ الْعِقْيَانِ

حسن اتفاق سے یہ رمضان المبارک کے ایام تھے اور ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم سب کو ایک الگ بیرک میں جو ایک کمرے اور اٹیچ باتھ پر مشتمل تھا، رکھا گیا۔یہ ایام ہمارے لئے اعتکاف کی اسی صورت میں آئے کہ ہمیں انقطاع اور تبتل کا نادر موقع ملا گیا۔ہم باجماعت نمازیں اور نمازِ تراویح پڑھتے۔یہ ڈیوٹی خاکسار کے سپرد تھی جبکہ روزانہ عصر کے بعد محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد درس دیتے تھے نیز مغرب کی نماز کے بعد ہم نے ایک کلاس کا سلسلہ شروع کیا جس میں اپنے ساتھیوں کو نماز سادہ اور باترجمہ پڑھائی۔وہ اوقات جن میں ہماری بیرک کا لاک کھول کر ہمیں اسی کمرے کے باہر ایک اور بڑی دیوار کے اندر چہل قدمی کا موقع دیا جاتا۔ان میں خاکسار اور محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد عربی زبان بولنے کی پریکٹس کرتے اور یہ دلچسپ سلسلہ آخر تک جاری رہا۔یہ دراصل مولانا کے علمی شغف اور علم کے دوسروں تک پہنچانے اور اس فیض کو عام کرنے کا نہایت پیارا طریق تھا جو انہوں نے جیل میں بھی جاری رکھا۔اگرچہ وہ سلاخوں کے اندر بند تھے مگر انہوں نے اپنے وقف کی روح کو قائم رکھتے ہوئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔مولانا کی صحبت سے ہمارے دوست اس طرح بھی فیض پاتے رہے کہ جو کوئی خواب دیکھتا وہ مولانا سے اس کی تعبیر معلوم کر کے شاداں و فرحاں ہوتا۔بعض دوستوں کی خوابیں حیرت انگیز طور پر لفظاً لفظاً پوری ہوئیں۔قریباً ایک ماہ کی ریاضت کے بعد 3 مئی 1990ء کو ہائی کورٹ سے ہماری رہائی کے احکام آئے۔

جیل کے ان ایام کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اب چونکہ ہم باقاعدہ سزا یافتہ تھے۔اس لئے جیل کا مخصوص لباس جو قیدیوں کو دیا جاتا ہے ہم سب وہی پہنتے تھے۔مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اچکن اور پگڑی میں دیکھنے والے احباب جب ان کی ملاقات کے لئے آتے اور انہیں جیل کے براؤن شلوار قمیض اور سر پر تولیار کھا دیکھ کر پریشان ہو جاتے مگر مولانا اسے راہِ خدا میں پہنایا جانے والا وہ لباس قرار دیتے جو خوش قسمتی سے ہی نصیب ہوتا ہے۔اس عرصہ میں ملک کے طول وعرض سے مخلصین ان اسیران راہ مولا کی ملاقات کے لئے

بالعموم اور مولانا کے لئے بالخصوص تشریف لاتے رہے۔ جماعتی نظام کی برکت سے جس میں بطور خاص چوہدری منیر مسعود صاحب کا غیر معمولی اور فعال کردار تھا کہ ہماری اکثر ملاقاتیں سپرنٹنڈنٹ جیل کے کمرہ میں ہوتیں۔

ایک آدھ دفعہ روٹین کی جالی کے ساتھ ملاقات ہوتی تو اس تکلیف کو قریب سے دیکھنے اور محسوس کرنے کا موقع ملا جو ان جالیوں کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنے پیاروں کی ملاقات کرتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی آواز اپنے عزیز تک پہنچانے کے لئے زور زور سے بول رہا ہوتا ہے۔ جس سے وہ شور دو چند ہو جاتا۔ بہر حال مقدمہ کے حالات و واقعات کا ذکر کچھ طویل ہو گیا ہے مگر مولانا کی شخصیت کے بعض پہلوؤں کے اُجاگر کرنے کے لئے ان کا بیان ناگزیر تھا تاہم اس تحریر سے مقدمہ کی تفاصیل بیان کرنا چونکہ پیش نظر نہیں ہے اس لئے اس مقدمہ اور اسیری کے حوالہ سے مخلصین اور خدمت کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ ہر ایک کے اخلاص، وفا، جماعت سے وابستگی اور باہمی محبت کا ایسا دلنشیں تذکرہ ہے کہ اس کے بیان کے لئے ایک مضمون نہیں کئی مضامین کا سلسلہ بھی ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ اور یہ جزاء کا وہ جملہ ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے یہ کیا اس نے شکریے کا حق ادا کر دیا۔

☆ جیل کے ماحول سے اپنے آپ کو بچانے اور ایک احمدی کی ممتاز شان کے قیام کی کوشش، وقار اور وقار عمل، کسی کام کے کرنے سے نہ عار تھا نہ ہچکچاہٹ، سادگی، اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر، وکلاء اور دیگر خدمت کرنے والوں کی شکر گذاری اور ان کے لئے دعائیں، ملاقات کے لئے آنے والوں سے محبت، خندہ پیشانی اور بشاشت سے ملتے، افسران سے واجبی احترام اور ادب کا سلوک، دوسرے قیدیوں کی تکلیف کا احساس اور اسے دور کرنے کی کوشش، وغیرہ۔

اس مقدمہ کی وجہ سے تلونڈی موسیٰ خاں کے ان تمام دوستوں سے مولانا کو خاص تعلق تھا۔ جب بھی وہ ربوہ آتے مولانا اپنے مخصوص انداز میں ''برّ اعظم تلونڈی موسیٰ خاں سے آپ آئے ہیں'' کہہ کر محبت سے ملتے۔ خاکسار کو اکثر صاحبی السجن کہہ کر پکارتے۔ بہر حال حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کے ساتھ یہ وقت ایک حسین یاد اور زندگی کا سرمایہ ہے۔ مولانا فرمایا کرتے تھے ایک آیت کی جیل میں آکر سمجھ آئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ کون سی؟ فرمانے لگے:

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا۔ (الزمر:74) کہ متقیوں کو جنت کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔ فرماتے! دیکھیں ہم خود جیل میں تو نہیں آئے بلکہ ہمیں پکڑ کر زبردستی لایا گیا ہے۔ یہی وہ امور ہیں جن کو جنت کا پیش خیمہ اس آیت میں بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کی اور ہم سب کی اس قربانی کو قبول فرمائے۔ مولانا جو خدا کے حضور حاضر ہو چکے ہیں ان تمام جنتوں کے وارث ہیں جو خدا نے اپنے پیاروں کے لئے تیار کی ہیں اور جس طرح انہوں نے ساری زندگی بڑی وفا اور مستعدی سے دین کی خدمت، خلافت کی اطاعت وغلامی میں گزاری ہے خدا تعالیٰ ان کو ان کے تمام نیک کاموں کی بہترین جزا دے اور ان کی خوبیوں کا ان کی اولاد در اولاد کو وارث بنائے۔ آمین

☆☆☆

اک مورّخ تھا جو خود تاریخ کا عنوان تھا

(محترمہ ارشاد عرشی ملک صاحبہ۔ اسلام آباد)

اک مورّخ تھا جو خود تاریخ کا عنوان تھا
وہ مجاہد تھا جری تھا صاحبِ عرفان تھا

ایک تحفہ تھا خدا کا خاص، اس کا حافظہ
وہ حوالوں سے بھرا اک مستند ایوان تھا

اِک سند تھا ایک مدرسہ تھا اپنی ذات میں
کوچہء تاریخ میں اس کا کہا فرمان تھا

سونگھ لیتا تھا وہ سچائی کی خوشبو دور سے
زیرکی بے مثل تھی اور بے بہا وجدان تھا

اک قلندر کی طرح جی اس نے ساری زندگی
پر حوالہ جات کے میدان کا سلطان تھا

روز روز آتے نہیں دنیا میں ایسے دیدہ ور
وہ تھا اک کوہِ گراں، اک عالمِ ذی شان تھا

احمدیت کے لئے تھا ایک سلطانِ نصیر
اس کا ہونا فضل تھا اللہ کا احسان تھا

ناز اس پر احمدیت کو رہے گا اس طرح
جس طرح اس کو جماعت پر ہمیشہ مان تھا

گھر تلک جھوٹے کو وہ پہنچا کے آتا تھا ضرور
سلسلے کے عشق میں اک برق اک طوفان تھا

فائدہ ہر پل جماعت کا رہا پیشِ نظر
اپنے ہر سود و زیاں سے وہ غنی، انجان تھا

لہجہ بے باک کی بنیاد سچائی پہ تھی
نہ جھجک نہ گو مگو تھی نہ کوئی خلجان تھا

علم کے پیاسوں کے حق میں آبِ شیریں کی سبیل
علم کے بھوکوں کا وہ لنگر تھا دستر خوان تھا

تھی خلافت کی محبت اس کی رگ رگ میں رچی
وہ خلافت کے لئے سو جان سے قربان تھا

وہ کہ اپنی ذات میں تھا ایک مردِ منفرد
دوست کب تھا نام کا وہ دوستوں کی جان تھا

بحر میں تاریخ کے رہتا تھا غوطہ زن سدا
ڈھونڈتا رہتا تھا موتی خود دُرِ مرجان تھا

شعر مہدی کے اس عاشق کو ہزاروں یاد تھے
وہ مجسم مہدیِ دوراں کا اک دیوان تھا

کھوج میں سچائی کی وہ کو بکو پھرتا رہا
پاؤں میں چکر تھا اس کے دیدہِ حیران تھا

وہ تعارف کے تکلف سے تھا یکسر بے نیاز
آپ ہی اپنا تعارف آپ ہی پہچان تھا

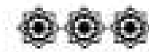
اب وہ خود تاریخ کا اک ورقِ زرّیں بن گیا
جس کا ہر لحہ اسی تاریخ پر قربان تھا

"شاعرِ احمدیت" کہہ کے خط لکھتا تھا وہ
اس عظیم انساں کا مجھ ناچیز پر احسان تھا

شعر اُمڈے ہی چلے آئے گھٹاؤں کی طرح
ورنہ لکھنا اس کے بارے میں کہاں آسان تھا

مستقل چلتا ہی جاتا ہے قلم رکتا نہیں
اس کی یادوں کی جھڑی برسات کا باران تھا

اس کو عرشیؔ تیرے لکھنے کی کوئی حاجت نہیں
تیرا قد اونچا ہوا، تیرا یہی ارمان تھا



میرا من داتا میرا ان داتا
میرا رزق تیرا درشن سائیں
کب آئے گی پیت پریت کی رت
کب ہو گا میت ملن سائیں
تجھے دیکھوں، دیکھ کے رقص کروں
کبھی یہ سنجوگ بجن سائیں
میرا خالق، مالک، متر بھی تو
اور جگ سارا دشمن سائیں
بڑے شوق سے میں نے شعر بُنے
یہ مالا آج پہن سائیں

(مکرم رشید قیصرانی صاحب)

مصلح موعود

جس کی منزل آسمانوں سے پرے مقصود ہے
جس کے بازو میں کوئی پروازِ لامحدود ہے

بتکدہ جس کی نگاہوں نے کیا نابود ہے
غزنوی محمود سے بڑھ کر مرا محمود ہے

جس نے ہے یاجوج اور ماجوج کو پسپا کیا
ایستادہ اس کی ہیں تائید میں ارض و سما

اے بشیرالدین، تو محمود، تو فضلِ عمر!
تو ہے اسم بامُسمّٰی اے ہمارے راہبر!

دشمنِ دیں کے مقابل تو ہے مثلِ شیرِ نر
ہوگئے ایوانِ باطل آج پھر زیروزبر

بوم کتنی دیر ٹھہرے گا ہما کے سامنے
سر تو جھکوا دے گا شیطاں کا خدا کے سامنے

سازِ فطرت تو بجاتا ہے عجب انداز سے
زیروبم میں نے لیے ہیں تیرے سوز و ساز سے

ہائے دشمن آج تک آگہ نہیں اس راز سے!
مُردے زندہ ہوگئے تیرے لبِ اعجاز سے

(مکرم عبدالسلام اسلام صاحب)



رشید قیصرانی

ع پھر یوں ہوا کہ مجھ سے قضا ہو گیا وہ شخص

(مکرم جمیل احمد انور صاحب۔ ربوہ)

شاعر کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ وجود ہوتے ہیں جو اپنی قوم میں جوش وجذبہ پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر تنقید اور اصلاح کا کام بھی سرانجام دیتے ہیں۔ ایک بڑے مضمون کو مختصر الفاظ میں بیان کرنا اور بیان بھی اس طرح کہ اس کا پورا مفہوم واضح ہو جائے شعراء کا ہی کام ہے۔ لیکن اکثر شعراء زیادہ تر مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور مجازی انداز میں گفتگو کرنے کے زیادہ قائل ہوتے ہیں۔ لیکن وہ شعراء جو حقیقت پسند ہوتے ہیں دل کو چھو لینے والی شاعری کرتے ہیں۔ آج بھی ایک ایسے ہی شاعر کا ذکر مقصود ہے۔

مکرم سردار رشید قیصرانی صاحب مرحوم جو اُردو زبان کے ایک معروف اور بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ 21 جون 2010ء کو بعمر 81 سال اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ نے اپنی زندگی بڑی بھرپور انداز سے گزاری۔ آپ بلوچ قوم کے ایک معزز اور معروف قبیلہ قیصرانی سے تعلق رکھتے تھے۔

خاندانی تعارف

آپ کا خاندان ڈیرہ غازی خان کے بلوچ قبائل میں سے معروف قبیلہ قیصرانی سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ کے والد حضرت سردار شیر بہادر خان صاحب اور تایا سردار امام بخش صاحب حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے رفیق تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جب دعویٰ ماموریت فرمایا اُس وقت سردار امام بخش صاحب قادیان میں آپؑ کے مہمان تھے۔ کیونکہ انگریزوں نے اُن کو اُن کی جاگیر سے بے دخل کر کے جلاوطن کر دیا تھا۔ سردار امام بخش صاحب نے اگرچہ اُس وقت بیعت نہ کی تھی لیکن حضرت مسیح موعودؑ کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے حضور علیہ السلام سے دُعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کی جاگیر وغیرہ واپس دلوائے۔ حضورؑ نے اُن کیلئے دُعا کی اور کچھ ہی عرصہ بعد گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے اُنہیں واپس بلوایا گیا اور پورے اعزاز کے ساتھ اُن کی جاگیر واپس کی گئی اور اپنے علاقے کی سرداری بھی دی گئی۔ اس کے بعد سردار امام بخش اور سردار شیر بہادر خان صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی اور اس طرح قیصرانی خاندان میں احمدیت داخل ہوئی۔

حضرت سردار امام بخش صاحب بہت مخلص اور فدائی احمدی ہونے کے ساتھ ساتھ نڈر اور دلیر بھی تھے۔ آپ کی غیرت دینی کا ایک واقعہ تاریخ احمدیت میں ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھا جائے گا کہ وائسرے ہند کے زیر اہتمام ایک دعوت کا انتظام تھا جس میں مختلف خاندانوں کے رئیس مدعو تھے۔ آپ بھی قیصرانی خاندان کی طرف سے بطور سردار شریک تھے اور حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ بھی مدعو تھے۔ انتظامیہ کی طرف سے سردار صاحب کی کرسی آگے تھی اور

حضرت مصلح موعودنوراللہ مرقدہٗ کی کرسی پیچھے تھی۔اس پر سردار امام بخش صاحب نے کرسی متضاد سمت میں موڑ لی یعنی منہ حضرت مصلح موعود کی طرف اور پیٹھ سٹیج کی طرف کردی۔جس سے یک دم محفل میں کھلبلی مچ گئی کہ شاید اتنے بڑے سردار نے بغاوت کردی ہے۔لیکن جب پوچھا گیا تو انہوں نے کمال بہادری سے یہ جواب دیا کہ یہ میرے روحانی پیر ہیں جب تک ان کی کرسی آگے نہیں آئے گی میں بھی کرسی نہ موڑوں گا کیونکہ میں ان کی طرف پیٹھ نہیں کرسکتا۔اس طرح انتظامیہ کوحضرت مصلح موعود کی کرسی بھی آگے کرنا پڑی۔

مختصر سوانح

رشید قیصرانی صاحب 23 اگست 1929ء میں اپنے آبائی گاؤں شیر گڑھ میں پیدا ہوئے۔میٹرک تک تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے تعلیم حاصل کی اور B.A ٹی آئی کالج لاہور سے 1951ء میں کیا۔آپ کالج کے رسالہ المنار کے پہلے ایڈیٹر تھے۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ عرصہ کیلئے الفضل کے سب ایڈیٹر بھی رہے۔1953ء میں آپ نے ایئر فورس میں شمولیت اختیار۔کوہاٹ، پشاور، سرگودھا، کراچی اور ملتان میں مختلف عہدوں پر تعینات رہے اور ونگ کمانڈر کے طور پر 1979ء میں ملتان سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد MDA (ملتان ڈویلپمنٹ اتھارٹی) میں ڈائریکٹر فنانس رہے۔اسی طرح سیکرٹری ادارہ ثقافت پاکستان کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔

ادبی خدمات

آپ ایک حقیقت پسند اور اردو زبان کے بلند پایہ شاعر تھے۔کالج کے زمانہ سے ہی شعر کہنے شروع کی۔آپ نہ صرف نظم بلکہ نثر میں بھی کمال ملکہ رکھتے تھے۔ادبی حلقوں میں آپ کا یہ شعر آپ کی پہچان کی حیثیت رکھتا ہے۔؎

پڑھتا تھا میں نماز سمجھ کر اسے رشید
پھر یوں ہوا کہ مجھ سے قضا ہو گیا وہ شخص

یہ نظم رشید قیصرانی کے فن پارے کے نام سے جانی جاتی ہے:

میرے لئے تو حرف دعا ہو گیا وہ شخص
سارے دکھوں کی جیسے دوا ہو گیا وہ شخص
میں آسمان پہ تھا تو زمین کی کشش تھا وہ
اترا زمین پر تو ہوا ہو گیا وہ شخص
میں اس کا ہاتھ دیکھ رہا تھا کہ دفعتاً
سمٹا سمٹ کے رنگ حنا ہو گیا وہ شخص
پھرتا ہے لے کے آنکھ کا کشکول در بدر
دل کا بھرم لٹا تو گدا ہو گیا وہ شخص
یوں بھی نہیں کہ پاس ہے میرے وہ ہم نفس
یہ بھی غلط ہے کہ مجھ سے جدا ہو گیا وہ شخص
پڑھتا تھا میں نماز سمجھ کر اسے رشید
پھر یوں ہوا کہ مجھ سے قضا ہو گیا وہ شخص

آپ کے ہم عصر شعراء میں سے جمیل ملک، احمد شمیم، احمد ظفر اور سید فیضی جیسے شعراء شامل ہیں۔

آپ کی تصانیف

آپ کی کل سات تصانیف منظر عام پر آئیں جن میں سے پانچ شعری مجموعے (1) فصیل لب، (2) صدیوں کا سفر تھا،

(3)نین جزیرے، (4) سجدے اور (5) کنارِ زمین تک شامل ہیں جبکہ نثر میں ایک کتاب Thought of the day انگریزی زبان میں لکھی جو بہت مقبول ہوئی۔ اس کے علاوہ ایک کتاب ''یہ کیا ہے؟ یہ کیوں ہے؟'' آپ کے کالمز پر مشتمل ہے۔جس میں آپ وقت کے تقاضوں کے تحت بہت سے عناوین زیر بحث لائے ہیں۔آپ کا شعری کلام زیادہ تر حمد باری تعالیٰ پر مشتمل ہے۔

مری نس نس میں ترے دیپ جلیں ترا نام جپے من مالا
ترے ذکر سے ہے مرے تن من میں ہر دم موسم متوالا
تری بات چلے میں جھوم اٹھوں، میں رقص کروں مرے مولیٰ
جو دم بھی جیوں ترا شکر کروں، ترا شکر کروں میرے مولیٰ
میرا سانس سمیلن، نین نگر، اور من گلشن بھی تیرا
مری سوچ سجا سب تیری عطا، مرے حرف کا ڈھب بھی تیرا
میں تیرا کوئی تیری حمد کروں، ترے گیت لکھوں مرے مولیٰ
جو دم بھی جیوں ترا شکر کروں، ترا شکر کروں مرے مولیٰ

آپ کا آخری شعری مجموعہ ''کنارِ زمین تک'' مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے زیر انتظام شائع ہوا۔

ڈاکٹر عابد حسین صاحب اردو کے ایک مشہور نقاد ہیں اور ہندوستان میں رہتے ہیں۔1955ء میں اردو ادب کی تاریخ لکھتے ہوئے انہوں نے رشید قیصرانی صاحب کو پاکستان کی غزل کی آواز قرار دیا۔اس کے بعد ڈاکٹر اختر اورینوی صاحب نے، ڈاکٹر انور سدید صاحب نے تاریخ ادب اردو میں خاص طور پر ان کا نام مرقوم کیا اور ان کی خدمات ادب کو سراہا ہے۔ اسی طرح ملک کے دیگر نامور ادیبوں اور شاعروں نے ان کے فن اور شخصیت پر مضامین لکھے ہیں، جن کو خالد اقبال یاسر اور جلیل حیدر لاشاری نے یکجا کر کے ''رشید قیصرانی فن اور شخصیت'' کے نام سے ایک کتاب کی صورت میں شائع کروایا۔

جیسا کہ خاندانی تعارف میں بتایا جا چکا ہے کہ آپ کے والد اور تایا بہت نڈر اور بہادر تھے۔ یہی خوبی آپ میں بھی پائی جاتی تھی۔ اپنی کتاب ''یہ کیا ہے۔ یہ کیوں ہے'' میں آپ نے دورِ حاضر کے مسائل پر بہت کڑی تنقید بھی کی ہے اور بعض اوقات حکومتی حلقوں کی بے اعتدالیوں کو بھی بغیر کسی خوف کے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا خراج تحسین

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے مورخہ 11 اپریل 1997ء کی اردو کلاس میں مکرم رشید قیصرانی صاحب کی ایک نظم پڑھے جانے پر ان کا اور ان کے خاندان کا درج ذیل تعارف بیان فرمایا:

''ہمارے ایک احمدی نوجوان اب تو نوجوانوں سے انصار اللہ میں جا چکے ہیں، رشید قیصرانی ڈیرہ غازی خان کے ہیں۔ قیصرانی خاندان مشہور ہے۔ اصل ان کی شہرت تو اس لیے ہے کہ قیصرانی خاندان کے جو بزرگ تھے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کر لیا تھا۔ قبیلے کے سردار، اور اس وقت بیعت کی جبکہ بہت مشکل تھا۔ خاص طور پر ڈیرہ غازی خان جیسے علاقہ میں، پاکستان کے ضلعوں میں پیچھے رہ گیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو دماغ اچھے دیے ہیں۔ جتنے بھی بلوچ ہیں وہاں کے بہت ذہین اور قابل لوگ

ہیں۔ جب پڑھائی کریں تو پھر اچھا چمکتے ہیں۔ ان میں ایک قیصرانی خاندان ہے۔ بہت معزز اپنے علاقہ میں۔ ان کے جو سردار تھے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مان لیا تھا اور تھے وہ بہت بہادر اور بہت مخلص۔ انگریزوں نے جو مختلف خاندانوں کو مقام دیے ہوئے تھے ان میں قیصرانی سرداروں کا مقام قادیان میں ہمارے خاندان سے آگے تھا۔ قادیان کا خاندان تو پہلے ہی لٹ پٹ چکا تھا اور اس کے اردگرد کوئی آبادی ایسی نہ تھی جو اس خاندان کو سپورٹ دے۔ سکھ تھے سارے۔ مگر قیصرانی قبیلہ تھا پورے کا پورا۔ اور جب وائسرائے کا دربار لگتا تو ان کو آگے کرسی ملتی تھی اور جو خاندان ہمارا تھا، آباء واجداد کا، اس کو نسبتاً پیچھے کرسی ملتی تھی۔ تو ان کے اخلاص اور بہادری کا پہلے واقعہ سناؤں آپ کو۔ غالباً پرنس آف ویلز آئے تھے یا کوئی اور شہزادے آئے تھے۔ بڑے اہتمام اور شان وشوکت سے ایک دربار بلایا گیا جس میں تمام پنجاب کے جو معزز خاندان تھے جو پنجاب چیفس کہلاتے تھے، ان سب کو دعوت دی گئی اور ان کی کرسیاں حکومت کے لحاظ سے ترتیب سے لگائی گئی تھیں۔ جو سب سے معزز وہ آگے جو اس کے بعد وہ اس کے پیچھے اور جو اس کے بعد وہ اس کے پیچھے۔ اس طرح کرسیوں کی قطاریں ان خاندانوں کے انگریزوں کی نظر میں مقام کو بھی ظاہر کرتی تھیں۔ بہت سلیقے سے دربار سجا ہوا تھا اور حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی بھی مدعو تھے اور ایسا اہم موقع تھا کہ لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ ضرور جائیں۔ آپ بھی چلے گئے تو قیصرانی سردار کی کرسی آگے تھی اور کچھ پیچھے ہٹ کر حضرت مصلح موعود کی کرسی تھی۔ اب انگریزوں نے مذہب کے لحاظ سے تو کوئی عزت نہیں دینی تھی، ان کو پرواہ بھی کوئی نہیں تھی، لیکن خاندانی مقام کے لحاظ سے انہوں نے ٹھیک کیا، اپنے مقام پر رکھا۔ رشید قیصرانی صاحب جن کی نظم سنائیں گی پتہ نہیں ان کے نانا تھے یا دادا (ان کے تایا حضرت سردار امام بخش قیصرانی صاحب تھے۔ ناقل) ان کی نظر پڑ گئی کہ حضرت مصلح موعود پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے فوراً اپنی کرسی موڑی اور بادشاہ کی طرف پیٹھ کر دی، وائسرائے اور شہزادے کی طرف اور حضرت مصلح موعود کی طرف منہ کر لیا۔ سرداروں کا یہ ایک دستور ہے کہ اکٹھے رہتے ہیں اور ان میں سے کوئی معزز آدمی حرکت کرے تو دوسرے نہ کریں تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ پھٹ گئے ہیں تو جتنے بھی ڈیرہ غازی خان کے معززین سردار تھے ان سب نے اپنی کرسیاں پھیر لیں اور حضرت مصلح موعود کی طرف منہ اور پیٹھ اس طرف۔ وائسرائے گھبرا گیا اس نے سمجھا کہ بغاوت ہونے والی ہے کوئی۔ اتنی عجیب حرکت۔ اس نے فوراً آدمی دوڑایا کہ کیا ہوا ہے۔ کوئی ناراضگی ہوئی تو ہمیں بتائیں۔ اس نے کہا کہ ناراضگی تو کوئی نہیں مگر یہ میرا روحانی پیر ہے اور میرے نزدیک یہ زیادہ معزز ہے۔ میں اس کی طرف پیٹھ نہیں کر سکتا تمہاری طرف کر سکتا ہوں۔ تو انہوں نے کہا کوئی مسئلہ نہیں۔ حضرت مصلح موعود کی کرسی وہاں سے اٹھوائی، اگلی صف میں ساتھ کی تو پھر وہ سارے سیدھے ہو گئے۔ یہ ہے قیصرانی قبیلے کی داستان جو ہمیشہ یاد رہے گی۔ ان کی بہادری ان کا اخلاص......

یہ (رشید قیصرانی) ایئر فورس میں ہوا کرتے تھے۔

ہمارے کالج کے ربوہ کے پڑھے ہوئے۔ آغاز ہی سے ان کو اردو ادب کا بہت ملکہ اور ذوق تھا اور ان کا کلام باقی سب سے ایک الگ حیثیت رکھتا تھا۔ بہت اعلیٰ درجہ کا کلام بچپن سے ہی کہتے تھے۔ اس لیے میں شروع سے ہی، ان کا واقف تو نہیں تھا (سوائے سرسری) مگر ان کا کلام مجھے بہت پسند تھا۔ اب انہوں نے مجھے اپنی کتاب بھی بھیجی ہے اور ایک اخبار میں بھی ان کا کلام چھپا ہوا دیکھا۔ ایک ان کی نظم ہے پاکستان کے اوپر۔ پاکستان ڈے کی خوشی میں جتنی بھی میں نے دیکھی ہیں نظمیں اس مضمون پر میرے نزدیک رشید قیصرانی صاحب کی نظم سب سے اونچی ہے۔ اور بھی ہوں گی مگر میرے علم میں نہیں۔ مجھے تو ان کی سب سے زیادہ پسند ہے یہ

تری طلب تری خوشبو ترا نمو بولے
مرے وطن مری رگ رگ میں صرف تو بولے

(روزنامہ الفضل 26 راگست 1998ء)

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ مرحوم نے لواحقین میں ایک بیوہ کے علاوہ تین بیٹے یادگار چھوڑے ہیں۔

☆ حوالہ جات

1) روزنامہ الفضل 30 جون 2010ء

2) www.aalmiakhbaar.com

3) معلومات از سلام حیات قیصرانی پوتے کرنل سردار حیات خان قیصرانی۔



موہن جودڑو کی تباہی

یہ راز ابھی تک کوئی نہیں جان سکا کہ یہ عظیم تہذیب کس طرح تباہ ہوئی، لیکن اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یا تو یہاں کوئی زلزلہ آیا جس نے اس شہر کو تباہ کردیا۔ سندھو دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے کوئی بڑا سیلاب آیا اور اس نے شہر کو تباہ کیا یا شمال سے کسی قوم نے تباہی مچا کر اس تہذیب کو ہمیشہ ہمیش کی نیند میں سلادیا۔

موہن جودڑو اس وقت پوری دنیا میں مشہور ہے۔ بیرون ملک سے ہزاروں سیاح یہاں پر آتے ہیں۔ یہاں پر ایک میوزیم بھی بنایا گیا ہے۔ جس میں یہاں کی چیزیں رکھی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں آثار قدیمہ کے آفس اور مسافر خانہ بھی بنا ہوا ہے۔ یہاں پر ایک ہوائی اڈہ بھی قائم ہے۔

یہاں بظاہر ویران شہر کے کھنڈرات ہیں جہاں پر اینٹیں اور پتھر وغیرہ نظر آتے ہیں لیکن ماہرین کی نظر میں یہ ٹیلہ بڑی دولت ہے۔ جس سے قدیم زمانہ کے لوگوں اور ان کی رہن سہن کا پتہ لگتا ہے۔ بہرحال یہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ شہری منصوبہ بندی اور تعمیراتی فن کا یہ معراج وادیٔ سندھ کے قدیم فرزندان کی صدیوں کی مسلسل عملی کاوش کا نتیجہ تھا۔ البتہ اس بات کا بڑی محنت اور تحقیق کے بعد علم ہوگا کہ ان اقوام نے دنیا میں اپنے زمانے میں کس کس کے ساتھ رابطے کئے اور آنے والی نسلوں کو کیا فائدے پہنچائے۔



سانحہ لاہور اور مجلس خدام الاحمدیہ کی خدمات

(ادارہ خالد و تشحیذ الاذہان)

جمعۃ المبارک مورخہ 28 مئی 2010ء کو جماعت احمدیہ کی تاریخ کا ایسا المناک واقعہ پیش آیا جس میں 86 احمدی اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوگئے اور 100 سے زائد زخمی ہوئے۔ اس موقعہ پر مجلس خدام الاحمدیہ کو اپنے بھائیوں کی نہایت درجہ قابلِ قدر خدمت کی توفیق ملی۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ خدام نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمت اور حوصلہ سے کام لیتے ہوئے نہایت محنت اور جانفشانی سے اپنے فرائض کو انجام دیا۔ (فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)

اس سانحہ کی ایک رپورٹ جولائی 2010ء کے شمارہ میں شائع ہو چکی ہے اس جگہ مزید چند امور کا ذکر پیش ہے:۔

❁ اس سانحہ کی اطلاع ملتے ہی مکرم و محترم فرید احمد نوید صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے مرکزی عاملہ کے ممبران پر مشتمل وفد کو مکرم اسفندیار منیب صاحب نائب صدر اول کی نگرانی میں فوری طور پر لاہور پہنچنے کا ارشاد فرمایا۔ شام کے وقت یہ وفد لاہور پہنچ گیا اور مختلف امور میں خدام کی رہنمائی کی۔ اسی طرح مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی کی ہدایت پر مرکزی جماعتی وفد بھی لاہور پہنچ چکا تھا۔

❁ واقعہ کے بعد فوری طور پر بیوت الذکر میں سکیورٹی ہائی الرٹ کر دی گئی تھی اور مختلف حفاظتی اقدامات کیے گئے تھے۔ علاقائی عاملہ کے چند اراکین جو بیت النور میں تھے اللہ کے فضل سے محفوظ رہے ماسوائے مکرم ناصر احمد صاحب (ناظم تعلیم) جو شیشے کے ٹکڑے لگنے سے زخمی ہوئے تھے اور اسی طرح دارالذکر میں محترم عامر مشہود صاحب نائب قائد علاقہ دوم گرنیڈ لگنے کی وجہ سے زخمی ہوگئے تھے جبکہ ان کے بڑے بھائی مکرم ناصر محمود صاحب شہید ہوگئے۔ اسی طرح ضلعی عاملہ میں سے مکرم چوہدری امتیاز احمد صاحب (ناظم تربیت نو مبائعین)، مکرم عمیر احمد ملک صاحب (نگران توحید بلاک)، مکرم سجاد اظہر بھروانہ صاحب (نائب معتمد ضلع)، مکرم منور احمد صاحب (نائب ناظم اصلاح و ارشاد ضلع) اس المناک سانحہ میں شہید ہوگئے اور مرزا سرفراز احمد صاحب (نائب ناظم تربیت نو مبائعین ضلع)، مکرم عطاء الباسط صاحب (قائد مجلس کوٹ لکھپت)، مکرم عابد منور صاحب (نائب ناظم تربیت ضلع)، مکرم شہریار احمد صاحب (نائب ناظم تعلیم ضلع)، مکرم عدیل اختر صاحب (ناظم مال مجلس چوبرجی) اور مکرم عطاء الحئی صاحب (سائق مجلس ماڈل ٹاؤن) زخمی ہوئے۔ اسی طرح مکرم سردار افتخار الغنی صاحب، مکرم اشرف بلال صاحب، مکرم خلیل سونگی صاحب اور مکرم منور قیصر صاحب بھی اس سانحہ میں جام شہادت نوش کر گئے جو مجلس خدام الاحمدیہ کے ساتھ بے مثال تعاون کرتے تھے۔

❁ عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے وفد نے لاہور کے تمام قائدین مجالس سے میٹنگ کی اور آئندہ کا لائحہ عمل طے پایا۔

✿ قیادت علاقہ لاہور کی طرف سے بیت التوحید علامہ اقبال ٹاؤن میں فوری طور پر Information Cell بنایا گیا۔جس میں ابتدائی طور پر شہید اور زخمی ہونے والوں کی معلومات جمع کی گئیں اوران کے گھروں تک ان کی اطلاعات پہنچائی جاتی رہیں۔ یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہا۔اسی طرح اس دفتر سے تمام ہسپتالوں میں خون کی ضرورت کا جائزہ لیا جاتا رہا اور خدام کو مقررہ جگہوں پر خون دینے کے لئے بھجوایا جاتا رہا۔اس Cell میں اکٹھی کی جانے والی معلومات کوساتھ ساتھ مرکز بھی بھجوایا جاتا رہا۔اس Information Cell میں محترم رضوان اسلم صاحب، نائب قائد علاقہ اول کے ساتھ مکرم ملک عثمان احمد صاحب،مکرم عاطف صاحب (ممبران مجلس عاملہ اطفال الاحمدیہ علاقہ) نے ڈیوٹی ادا کی۔

مرکزی جماعتی وفد کے لاہور پہنچنے پر ان کی سیکیورٹی کے لئے مکرم بلال احمد گھمن صاحب ناظم عمومی علاقہ نے ڈیوٹی دی۔

✿ ضلعی سطح پر اس سانحہ میں مختلف کاموں کی انجام دہی اور ہر طرح سے انتظامات کو بہتر بنانے کے لیے مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انتہائی تدبر، بے مثال حوصلے اور انتھک محنت کے ساتھ اپنے فرائض کوادا کیا اگرچہ دل سخت زخمی تھے لیکن ان کارکنان کے حوصلے بلند تھے۔ (فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)

مکرم چوہدری عبدالعلی صاحب (قائد ضلع لاہور) کے ساتھ جن کمیٹیوں نے بھرپور خدمات سرانجام دیں انکی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

نمبر شمار	کمیٹی	نام خادم	عہدہ
1	اعتماد (دفتر ڈیوٹی)	مکرم شہباز احمد صاحب	معتمد ضلع
		مکرم عرفان اسلام صاحب	ناظم تعلیم ضلع
		مکرم مرزا منور احمد صاحب	ناظم اصلاح وارشاد ضلع
		مکرم احسان احمد صاحب	ناظم تجنید ضلع
2	شعبہ عمومی (حفاظت)	مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب	ناظم عمومی ضلع
		مکرم سعد نصیر صاحب	نائب ناظم
		مکرم عمران نصیر صاحب	نائب ناظم
		مکرم نصیر الدین ہمایوں صاحب	نائب ناظم
		مکرم عطاالاول صاحب	ممبر ضلع عمومی ٹیم
		مکرم میاں سرفراز احمد صاحب	نائب قائد ضلع

		مکرم معید احمد صاحب	ناظم صحت جسمانی
		مکرم وسیم احمد بٹ صاحب	ناظم وقار عمل
		مکرم شیخ مظہر احمد صاحب	ناظم امور طلباء
3	خدمت خلق	مکرم شیخ عاطف محمود صاحب	نائب قائد ضلع
		مکرم اعجاز احمد صاحب	ناظم خدمت خلق ضلع
		مکرم عیسیٰ تیمور کھوکھر صاحب	ناظم صنعت وتجارت ضلع
		مکرم عدیل احمد گل	ناظم اشاعت ضلع
4	تیاری فہرست شہداء، زخمی	مکرم شیخ عاطف محمود صاحب	نائب قائد ضلع
		مکرم عرفان اسلام صاحب	ناظم تعلیم ضلع
5	طعام کمیٹی (زخمی، لواحقین)	مکرم شیخ عاطف محمود صاحب	نائب قائد ضلع
		مکرم وسیم احمد بٹ صاحب	ناظم وقار عمل ضلع
		مکرم وجیہہ اللہ صاحب	نائب ناظم وقار عمل
6	دورہ ہسپتال	مکرم عامر اقبال صاحب	معاون قائد ضلع
		مکرم شیخ مظہر احمد صاحب	ناظم امور طلباء ضلع
		مکرم زاہد شفیق صاحب	محاسب ضلع
7	صفائی بیوت الذکر	مکرم وسیم احمد بٹ صاحب	ناظم وقار عمل ضلع
		مکرم وجیہہ اللہ صاحب	نائب ناظم وقار عمل
8	رابطہ	مکرم میاں سرفراز احمد صاحب	نائب قائد ضلع

اسی طرح علاقائی ممبران عاملہ نے بھی مندرجہ ذیل ہسپتالوں میں ڈیوٹیاں دیں۔

جناح ہسپتال: مکرم شہزاد احمد صاحب (ناظم اطفال علاقہ)

شیخ زاید ہسپتال: مکرم شہزاد احمد صاحب (ناظم اطفال علاقہ)

سروسز ہسپتال: مکرم موید ایاز صاحب (ناظم اشاعت علاقہ)، مکرم رفاقت احمد صاحب (ایڈیشنل معتمد علاقہ)

میو ہسپتال: مکرم بشیر احمد صاحب (معتمد علاقہ)

(فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)

اس حادثہ کے فوراً بعد مرکز سلسلہ میں مکرم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے مجلس عاملہ کے تمام موجود اراکین

کے ساتھ ایک میٹنگ کی جس میں انہیں ان کی ذمہ داریوں کی بابت آگاہ کیا گیا اور جلد از جلد تمام انتظامات مکمل کرنے کے لئے مجلس عاملہ کے سپرد مختلف کام کر دیے گئے اور مختلف شعبہ جات بنا کر کام کو تقسیم کر دیا گیا۔ تمام ممبران عاملہ نے اپنے فرائض بطور احسن سرانجام دیے۔

(فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)

اس کے ساتھ ساتھ مجلس خدام الاحمدیہ مقامی کی طرف سے مکرم علیم الدین صاحب ناظم وقار عمل کے علاوہ دیگر ممبران عاملہ میں سے مکرم حافظ طارق احمد شہزاد صاحب معتمد مقامی، مکرم نعمان احمد چیمہ صاحب ناظم عمومی، مکرم نیر عمران صاحب ایڈیشنل ناظم عمومی، مکرم احمد عباس صاحب ناظم صنعت وتجارت، مکرم طاہر احمد صاحب ایڈیشنل ناظم عمومی اور مکرم فرید احمد باجوہ صاحب محاسب اطفال اس تمام کام کی نگرانی کرتے رہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ مقامی کی درج ذیل کمیٹیوں نے جنازہ جات کی آخری رسومات کے انتظامات کیے۔

(فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)

نمبر شمار	کمیٹی	نام ناظمین
1	اطلاعات (دفتر مقامی)	شعبہ اعتماد و شعبہ عمومی (حافظ طارق احمد شہزاد صاحب، آصف شہزاد صاحب)
2	استقبال جنازہ (ٹول پلازہ)	مکرم نیر عمران صاحب، مکرم فرید باجوہ صاحب، مکرم شیخ آفاق صاحب، مکرم سرمد حسین صاحب، مکرم خواجہ وقار صاحب اور مکرم مبین کاشف صاحب
3	گیٹس و پارکنگ (تحریک جدید)	مکرم حامد بشیر صاحب، مکرم صغیر احمد صاحب، مکرم طارق محسن صاحب، مکرم عمر حیات صاحب
4	دفتر انصار اللہ (ایوان ناصر)	مکرم میر قمر الدین صاحب، مکرم شمیم یحیٰی صاحب، مکرم اسد رضوان صاحب، مکرم کرامت اللہ صاحب، مکرم خالد بلوچ صاحب، مکرم عبدالکبیر قمر صاحب، مکرم زاہد محمود صاحب، مکرم منظور احمد صاحب، مکرم مدثر خالق صاحب، مکرم فراست راشد صاحب اور مکرم قیصر محمود صاحب
5	سامان جنازہ جات	مکرم عطاالاحسان صاحب، مکرم احمد عباس صاحب، مکرم شفیق احمد بجہ صاحب اور مکرم احمد خان نسیم صاحب
6	روٹ جنازہ	مکرم طاہر احمد صاحب، مکرم جمیل احمد صاحب، مکرم ندیم احمد صاحب، مکرم مبارک احمد صاحب اور مکرم طاہر کریم صاحب

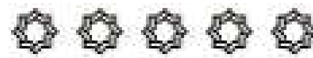
7	تدفین (قبرستان عام)	مکرم نعمان احمد چیمہ صاحب، مکرم علیم الدین صاحب، مکرم ندیم احمد صاحب، مکرم فرخ شاہ صاحب، مکرم طارق محسن صاحب، مکرم فرید الرحمٰن صاحب اور مکرم بلال احمد طاہر صاحب

مجلس خدام الاحمدیہ علاقہ لاہور کی جانب سے دو وفود کو مورخہ 29 اور 30 مئی 2010 کو شہدا کے جنازوں اور تدفین میں شرکت کی بھی توفیق ملی۔ ان وفود میں محترم قمر احمد شہید صاحب قائد علاقہ، محترم رضوان اسلم صاحب نائب قائد علاقہ اول، مکرم بشیر احمد صاحب معتمد علاقہ، مکرم بلال احمد گھمن صاحب ناظم عمومی علاقہ، مکرم حافظ محمد ظفر اللہ صاحب ناظم تربیت علاقہ اور مکرم رفاقت احمد صاحب ایڈیشنل معتمد علاقہ شامل تھے۔

✿ مورخہ 8 جون 2010ء بروز منگل حسب ہدایت محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان ایک وفد جو اراکین مجلس عاملہ پر مشتمل تھا شہدائے لاہور کے اہل خانہ سے تعزیت کے لیے لاہور روانہ ہوا۔

ان 10 ممبران کے 5 وفود تشکیل دیے گئے۔ ہر وفد 2 ارکان پر مشتمل تھا جس کے ساتھ علاقائی و ضلعی نمائندگان بھی شریک تھے۔ یہ وفد لاہور پہنچا تو لاہور کی ضلعی عاملہ کے بعض اراکین کے علاوہ علاقہ لاہور کی جانب سے مکرم بشیر احمد صاحب معتمد علاقہ، مکرم ندیم طاہر خلیفہ صاحب محاسب علاقہ، مکرم محمد حامد خان صاحب ناظم خدمت خلق علاقہ اور مکرم حافظ محمد ظفر اللہ صاحب ناظم تربیت علاقہ بھی اس وفد میں شامل ہوئے۔ بے شک ان حالات میں اپنے جذبات پر قابو پانا بہت مشکل تھا مگر ان تمام احباب نے جن کا اس رپورٹ میں ذکر ہوا ہے اور اس کے علاوہ بھی جن کا ذکر موجود نہیں ہمت اور بلند حوصلگی سے اپنی ذمہ داری کو سمجھا اور خوب نبھایا۔

(فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)



ہر احمدی وقف عارضی کرے

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مربیوں کو چاہیے اور عام عہدیداران کو بھی چاہیے بلکہ ہر احمدی کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو بھی اور اپنے بھائی کو بھی یہ تلقین کرے کہ وہ وقف عارضی میں شامل ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک قربانی کی راہ ہے اور یہ راہ تنگ ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ قربانی کی راہوں پر چلے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل نہیں کر سکتے۔''

(الفضل 27 اگست 1969ء صفحہ 5)

پاکستان میں آنے والے تاریخ کے

بدترین سیلاب

اور بعض امدادی کاموں کی جھلکیاں

(ادارہ خالد و تشحیذ الاذہان)

پاکستان میں اس سال تاریخ کے بدترین سیلاب نے تباہی مچائی ہے۔جس کی وجہ سے لوگوں کی جانوں اور املاک کا بھی بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔

(NDMA) نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی کے مطابق 2005ء میں آنے والے زلزلہ سے 3 ملین لوگ متاثر ہوئے تھے ۔جبکہ موجودہ سیلاب ابھی تک تقریباً 20 ملین لوگوں کو متاثر کر چکا ہے۔اسی طرح اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق 2004ء میں آنے والے سونامی سے بھی زیادہ لوگ ان سیلابوں کی تباہی سے متاثر ہوئے ہیں۔تادم تحریر اس سیلاب کے نتیجہ میں 1500 سے زائد افراد جاں بحق ، 2000 سے زائد زخمی اور لاکھوں افراد بے گھر ہوئے ہیں۔

حالیہ سیلاب کے نتیجہ میں نوشہرہ، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازیخان اور راجن پور، نوشہرو فیروز، لاڑکانہ اور ٹھٹھہ کے متعدد احمدی گھرانوں کے 2000 سے زائد افراد بھی متاثر ہوئے ۔لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔اس سلسلہ میں مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اور مجلس انصار اللہ پاکستان کی طرف سے نیز مرکزی طور پر بھی احباب کی امداد کے لئے کوششیں کی جارہی ہیں۔

مورخہ 28 جولائی 2010ء سے ہی مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے امدادی کاموں کی مانیٹرنگ شروع کر دی تھی۔

متاثرین کی امداد کے کام کی نگرانی کے لئے مکرم فرید احمد نوید صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے فوری طور پر ایک کمیٹی تشکیل دی۔ جس میں مکرم اسفندیار منیب صاحب (نائب صدر اول)، مکرم ڈاکٹر حامد احمد خان صاحب (مہتمم خدمت خلق)، مکرم سہیل مبارک احمد شرما صاحب (مہتمم اطفال) اور مکرم سالک احمد صاحب (معاون صدر) شامل ہیں۔اس کمیٹی نے مورخہ 29 جولائی سے باقاعدہ طور پر امدادی کاموں کا آغاز کیا۔جبکہ محترم صدر صاحب مجلس خود ان تمام امدادی سرگرمیوں کی بھی مسلسل نگرانی کرتے رہے۔

نوشہرہ شہر میں 13 احمدی گھرانے ہیں۔جن میں سے 4 گھر سیلاب سے شدید متاثر ہوئے۔اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک میں بھی ایک احمدی گھر سیلاب سے متاثر ہوا۔

مورخہ 30 جولائی کو راولپنڈی کے علاقے ندیم کالونی میں قریباً 8 احمدی گھروں میں نالہ لئی کا سیلابی پانی آگیا۔فوری طور پر خدام نے احباب جماعت اور قیمتی سامان کو محفوظ مقام پر منتقل کر دیا۔

ضلع ڈیرہ غازیخان کی جماعتوں بستی رنداں، بستی سہرانی، چاہ مسوری والا، چاہ اسماعیل والا اور مسرور آباد میں پانی کا شدید ریلہ آیا۔ریلہ آنے کی خبر ملنے کے بعد مجلس خدام الاحمدیہ

ضلع ڈیرہ غازیخان کی ٹیمیں ان علاقوں میں پہنچ گئیں اور احباب کو مع ضروری سامان کے محفوظ مقام پر منتقل کر دیا۔

ضلع مظفر گڑھ میں سیلاب سے کافی تباہی ہوئی ہے۔ بیٹ ناصر آباد، بیٹ دریائی اور حسین آباد کی جماعتیں زیادہ متاثر ہوئیں۔ بیٹ حسین آباد میں 4 خاندان سیلاب میں گھرے ہوئے تھے، جنہیں خدام الاحمدیہ ضلع مظفر گڑھ کی ایک ٹیم نے ایک چھوٹی کشتی کی مدد سے رات 9:30 بجے تک نکال کر محفوظ مقام پر پہنچا دیا تھا۔ اب تک ضلع مظفر گڑھ میں فوری ضروری امداد بصورت نقد رقم، راشن اور کپڑے بھجوائی جا چکی ہے اور مجلس انصار اللہ پاکستان کے زیر انتظام یہاں میڈیکل کیمپس لگائے جا رہے ہیں۔

604، TDA518، 151 اور کوٹ ادو سیلابی پانی اور نہروں کے overflow ہونے کی وجہ سے متاثر ہوئے۔ متاثرہ احمدی احباب کو محفوظ مقامات پر منتقل کروایا گیا۔ بعض احمدی احباب کو ٹرانسپورٹ کا انتظام کروا کر ان کے رشتہ داروں کے پاس بھجوا دیا گیا۔

راجن پور میں دریائے سندھ کے سیلابی ریلے سے پانی داخل ہو گیا۔ یہاں بستی اللہ داد خان دریشک جہاں دو سو احمدی گھرانے ہیں زیر آب آ گئی احمدی احباب کو قائد صاحب ضلع راجن پور اور قائد صاحب علاقہ ڈیرہ غازیخان کے گھر میں قیام کروایا گیا اور متاثرین کیلئے اس ضلع میں بھی راشن، کپڑے اور ادویات بھجوائی گئیں۔ سیلاب زدہ علاقوں میں صاف پانی کیلئے 2 نلکے لگوائے گئے۔ مکرم قائد صاحب علاقہ ڈیرہ غازیخان و قائد صاحب ضلع راجن پور کو متاثرہ احباب کی خصوصی خدمت کی توفیق ملی۔

قیادت علاقہ کراچی کی مدد سے ضلع نوشہرو فیروز کے علاقے مائی جو بھان اور گوٹھ غلام محمد بھٹو نیز ضلع لاڑکانہ کے علاقے گورگیج اور انور آباد سے قبل از وقت احمدی احباب کی نقل مکانی کروائی گئی۔ بعدازاں ادویات، تحائف و راشن کے ذریعہ ان کی امداد کی گئی۔

ربوہ سے کچھ دور باہی وال کے علاقہ میں سیلابی پانی اچانک داخل ہو گیا، جس کی وجہ سے وہاں رہنے والے لوگ اس پانی میں پھنس گئے۔ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی طرف سے خدام کی ایک ٹیم وہاں پہنچی اور کشتی پر لوگوں کو سیلابی پانی سے باہر نکالا۔

اس وقت بھی مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے متعدد وفود متاثرہ اضلاع کے دورے کر رہے ہیں اور امدادی کاموں اور میڈیکل کیمپس میں مصروف ہیں۔ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی طرف سے متعدد میڈیکل کیمپس نوشہرہ، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازیخان، راجن پور اور نوشہرو فیروز میں لگائے گئے اور اب تک کل 36 میڈیکل کیمپس میں تقریباً **2800** مریضوں کا معائنہ کیا جا چکا ہے جبکہ تقریباً 3 لاکھ روپے کی ادویات دی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے زیر انتظام طاہر ہومیو پیتھک ہاسپٹل سے وبائی امراض سے بچاؤ اور ان کے علاج پر مشتمل دواؤں کے باکس 300 سے زائد کی تعداد میں تیار کروا کر متاثرہ علاقوں میں بھجوائے گئے ہیں۔

لاہور، کراچی، اسلام آباد، راولپنڈی، سیالکوٹ،

فیصل آباد اور ملتان کی قیادتوں کو بطور خاص اور دیگر اضلاع کو بالعموم خدمت کے اس کام کے لئے ہدایت کی گئی۔ مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور نے اپنے سیلاب زدہ بھائیوں کی امداد کے لئے غیر معمولی ایثار اور ہمدردی کا نمونہ دکھایا ہے۔ اس کے علاوہ راولپنڈی، کراچی، سیالکوٹ، چکوال، شیخوپورہ، سرگودھا، گوجرانوالہ، ملتان، فیصل آباد، بدین اور جہلم کے اضلاع بھی اس خدمت میں پیش پیش رہے۔ قیادت ضلع سیالکوٹ نے اس مقصد کے لیے قریباً 6000 کلوگرام چاول مہیا فرمایا۔ (فجزاھم اللہ احسن الجزاء)

نیز عید الفطر کے موقع پر ڈیرہ غازیخان اور راجن پور کی ہر متاثرہ فیملی کیلئے نئے سوٹ اور 9 کلو چاول کے تھیلے کا تحفہ بھجوایا گیا۔

اس طرح مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو اب تک خدمتِ خلق کے اس کام کیلئے تقریباً -/30,26,700 روپے مالیت کی امداد بصورت نقد رقم، راشن، کپڑے، ادویات اور میڈیکل کیمپس کرنے کی توفیق ملی ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی طرف سے ہر سال رمضان المبارک میں مستحقین کی امداد اور خدمت خلق کا جو سلسلہ جاری ہوتا ہے اس کا بھی ایک بڑا حصہ اپنے ان متاثرہ بھائیوں کی خدمت کیلئے وقف کر دیا گیا ہے اور احمدی خدام نے مشکل کی اس گھڑی میں اپنے ہم وطنوں اور بھائیوں کیلئے خدمت خلق کی ایک عمدہ مثال قائم کی ہے۔

خلافت کی اطاعت۔سب سے بڑی فضیلت

حضرت مصلح موعودنوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''ہزار دفعہ کوئی شخص کہے کہ میں مسیح موعود...... پر ایمان لاتا ہوں، ہزار دفعہ کوئی کہے کہ میں احمدیت پر ایمان رکھتا ہوں، خدا کے حضور اس کے ان دعووں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ جب تک وہ اس شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیتا جس کے ذریعہ خدا اس زمانہ میں (دین حق) کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ جب تک جماعت کا ہر شخص پاگلوں کی طرح اس کی اطاعت نہیں کرتا اور جب تک اس کی اطاعت میں اپنی زندگی کا ہر لحہ بسر نہیں کرتا اس وقت تک وہ کسی قسم کی فضیلت اور بڑائی کا حقدار نہیں ہوسکتا۔''

(الفضل 15 نومبر 1946ء)

☆☆☆

انسانی ہمدردی

محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیلاب زدہ احمدی احباب کی ابتدائی ریلیف کے سلسلے میں مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو ایک حد تک خدمت کی توفیق ملی۔ (فالحمدللہ)

اب ان متاثرہ احباب کی اپنے گھروں میں واپسی اور آبادکاری کے لیے احباب جماعت کے تعاون کی ضرورت ہے۔ براہِ کرم اس مقصد کے لیے اپنے عطیات صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے قائم کردہ ''انسانی ہمدردی فنڈ'' میں جمع کروا کر سیلاب زدگان کی امداد میں حصہ لیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

(ادارہ خالد و تشحیذ الاذہان)

اظہار تشکر

(ادارہ)

حضرت مولانا دوست محمد صاحب شاہد کی خدمات کے اعتراف میں مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی طرف سے شائع ہونے والے ماہنامہ خالد ''مؤرخ احمدیت نمبر'' کے لئے جن احباب نے خصوصی تعاون فرمایا ہے ان کے اسماء بغرض دعا تحریر ہیں:

ان میں مکرم قمر احمد شہید صاحب قائد علاقہ لاہور، مکرم حامد جلال صاحب قائد علاقہ راولپنڈی، مکرم خواجہ ناصر احمد صاحب قائد ضلع راولپنڈی، مکرم بلال حیدر ٹیپو صاحب قائد ضلع کراچی، مکرم چوہدری عبدالعلی صاحب قائد ضلع لاہور، مکرم اسد اللہ غالب صاحب مہتمم مقامی (ربوہ)، مکرم قاسم احمد ساہی صاحب قائد ضلع سیالکوٹ، مکرم راحیل احمد صاحب قائد ضلع شیخوپورہ، مکرم شفیق احمد ججہ صاحب (ربوہ)۔ لاہور سے مکرم محمد محمود خان صاحب، مکرم رضوان اسلم صاحب، مکرم محمود ناصر صاحب، مکرم شیراز کامران صاحب، مکرم سردار محمود الغنی صاحب، مکرم ناصر ملک صاحب، مکرم نجیب احمد صاحب، مکرم عمر فاروق صاحب، مکرم ندیم یونس صاحب، مکرم فرحان ملک صاحب، مکرم عباس خان صاحب، مکرم محمد ماجد خان صاحب، مکرم شیخ بشارت احمد صاحب، مکرم چوہدری ممتاز احمد صاحب، مکرم رانا فرید احمد صاحب، مکرم نصر احمد صاحب، مکرم کرامت احمد گھمن صاحب، مکرم اسد خالد صاحب، کراچی سے مکرم شیخ منصور احمد صاحب، مکرم اطہر اکرم چٹھہ صاحب، مکرم سید جمال احمد صاحب، مکرم طارق پاشا صاحب، مکرم نعمان جمیل بٹ صاحب، مکرم شرجیل جمیل بٹ صاحب، مکرم ڈاکٹر عطاء المنان صاحب، مکرم عامر سیفی صاحب، مکرم ملک عبدالمومن صاحب، مکرم توقیر نواز صاحب، راولپنڈی سے مکرم محمد اکرم صاحب، مکرم توقیر احمد صاحب، مکرم محمود سعید صاحب، مکرم خواجہ عبدالقدوس صاحب، مکرم شیخ ہمایوں صاحب، مکرم شیخ خالد احمد صاحب، مکرمہ امۃ الاحمر صاحبہ، مکرم عارف محمود صاحب، مکرم محمود الیاس چغتائی صاحب، مکرم نوید احمد خان صاحب، سیالکوٹ سے مکرم محمد امجد شاد صاحب، مکرم برہان احمد خالد صاحب، مکرم قمر نصیر گھمن صاحب، مکرم رانا ارباب احمد صاحب (بیلجیم)، مکرم زوہیب احمد ملہی صاحب (کینیڈا)، مکرم منصور احمد صاحب، شیخوپورہ سے مکرم طاہر محمود صاحب، مکرم مظفر احمد صاحب، مکرم عطاء العلیم صاحب، مکرم عاصم منیر گل صاحب، مکرم دانیال احمد برلاس صاحب، مکرم اظہار محمود صاحب، مکرم عمران شہباز صاحب، مکرم عطاء الودود صاحب، مکرم راشد محمود صاحب، مکرم شیخ وسیم احمد صاحب، مکرم امتیاز حمید صاحب، مکرم ساجد محمود صاحب، مکرم توقیر الٰہی صاحب، مکرم شہزاد احمد صاحب، مکرم وقار احمد صاحب اور سرگودھا سے مکرم رضوان احمد ڈھڈی صاحب شامل ہیں۔

دیگر احباب میں مکرم لقمان احمد کشور صاحب مدیر ماہنامہ خالد اور ممبران مجلس ادارت، مکرم شکیل احمد خان صاحب، مکرم سید عطاء الحق عمار صاحب، مکرم زین العابدین قمر صاحب، مکرم شیخ ندیم احمد صاحب، بلومنگ کلر پرنٹرز لاہور سے مکرم مؤید ایاز صاحب اور باقی عملہ، مکرم طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ صاحب اور ضیاء الاسلام پریس کا تمام عملہ، مکرم مبشر احمد آصف صاحب جلد ساز اور ان کا عملہ، دفتر اشاعت کے کارکنان مکرم رانا سلطان احمد خاں صاحب، مکرم عزیز احمد صاحب، مکرم قمر احمد محمود صاحب، مکرم ارسلان احمد بٹ صاحب، مکرم لطیف احمد صاحب، مکرم زاہد محمود صاحب، مکرم عبدالقیوم صاحب، مکرم نعیم احمد صاحب، مکرم ہشام احمد صاحب اور مکرم اسد اللہ صاحب شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر سے نوازے، ہم سب کو ہمیشہ خلافت احمدیہ سے وابستہ رکھے اور دینی و دنیاوی ترقیات سے نوازتا چلا جائے۔ آمین

Monthly
KHALID
C. Nagar
Editor:
Luqman Ahmad Kishwar
August / September 2010
www.monthlykhalid.org
Regd. CPL# FD7/FR